نام کتاب

مطالعہ بریلویت

جلد ــــــــ سوم

مصنف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی

زیر اہتمام

عثمانی برادرس

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند

HAFZI BOOK DEPOT
DEOBAND U.P.

فہرست مضامین

مقدمہ

بریلویت مسیحی اثرات کے سائے میں

بریلویوں کے شیعہ عقائد

معارک الحرمین

مولانا احمد رضا خاں کی وصیت

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خاں

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ بریلویت میں لفظ بریلویت ایک وسیع مفہوم میں لیا گیا ہے یہاں بریلویوں سے مراد صرف وہی لوگ نہیں جو مولانا احمد رضا خاں کے خاص دین و مذہب پر چلے جس کی آپ نے وصیت کی تھی بلکہ جو لوگ ان کے سے عقائد رکھتے ہیں اور ان کی دینی روشیں اور مذہبی کاروبار اعراس و خانقاہات کے گرد گھومتا ہے وہ سب اس وسیع مفہوم میں شامل ہیں آج مزارات پر جو عرس اور میلے ہوتے ہیں اور عورتیں ان میں کھچی کھچی چلی آتی ہیں ان کے عمل اور ان کے خلاف تعلق کوئی ذرا نہیں رکھتے۔ یہ طور طریقہ خانقاہی زندگی مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بالکل ناجائز تھی لیکن بریلوی علماء ان سب مجرمین کو اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے دعوے اکثریت کے لیے بڑی قوت بنا کر ساتھ لاتے ہیں اور یہ امداد انہیں انہی خانقاہوں سے ملتی ہے۔

کھانا آگے رکھ کر ختم کہنا جو آج کل اسی جاہلی مذہب کی جان سمجھا جاتا ہے اور جو ایسا نہ کرے اسے معلوم نہیں یہ لوگ کن کن القابات سے نوازتے ہیں جس کا التزام اور اسے ضروری سمجھنا مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک ایک بے کار بات تھی مگر آج اس بدعت و رسم کو اپنے مذہب میں جگہ دینے والے سب اسی زمرے میں آتے ہیں ان کا کوئی علیحدہ نام بھی تو نہیں —— اب یہ آپ دیکھیں کہ جن لوگوں میں یہ کاروبار جاری ہے وہ کیا سمجھے جاتے ہیں —— ہم اگر انہیں بریلوی نہ کہیں تو کیا کہیں تو ہم نے ان لوگوں کو کوئی اور نام بھی تو نہیں دیا —— دیوبندی یہ کہلاتے نہیں، اہلحدیث انہیں کہا نہیں جا سکتا، ندوہ والوں سے انہیں ویسے ہی چڑ ہے —— مزاروں پر چادریں چڑھانے اور ان پر چڑھاوے رکھنے کے لیے جب یہ لوگ شہروں کی بڑی بڑی سڑکوں سے پاؤں میں گھنگرو ڈالے چادر کے کونوں سے لپٹے گزرتے ہیں، وہ لوگ جاہلی جذبہ شوق میں ان چادروں میں چندہ اور ان بزرگوں کے نام چٹھیاں ڈالتے رہتے ہوتے ہیں اور یا رسول اللہ یا غوث الاعظم کی صدائیں ہر طرف سے گونجتی ہیں تو دنیا آخر انہیں کیا سمجھتی ہے یہ کون آ رہے ہیں؟ یہ آج فلاں بزرگ کا عرس شریف ہے دنیا انہیں بریلوی ہی تو سمجھتی ہے —— اور وہ صاف انہیں کیا تصور کرتے ہیں؟ یہی کہ یہ بریلوی ہیں۔

سو اس حیثیت سے بریلویت جہالت کا دوسرا نام ہو کر رہ گیا ہے اور یہ سب جاہلوں کا مدار بحث کے
بٹنے میں جاتا ہے اور دنیا کی جہت سے اعلیٰحضرت تو جاہلوں کا پیشوا بھی ہے۔

نیا گیا ہے یہ اس لیے کہ اس طبقے کا اور کوئی نام نہیں۔ اور موجودہ بریلوی علماء انہیں اپنے
سے اس لیے جدا کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان کے بغیر ان کا دعوے اکثریت کسی کو سننے میں لائق سماعت نہیں
ٹھہرتا۔ اکثریت بنانے میں یہی تو ان کا سرمایہ ہیں اور یہ ایک ایسی گولی ہے جو بریلوی حضرات کو آخر نگلنی ہی
پڑتی ہے اور یہ ڈھنگ ہنسی کے کھاتے ہی جاتے ہیں۔

لفظ بریلویت اب اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہی ہے۔ یہ بات
کہ مولانا احمد رضا خان نے اپنے آخری وقت میں اپنے جس خاص دین و مذہب کی وصیت کی تھی۔ یہ سب
خرافات اسی حکم کے تحت آتی ہیں یا نہ؛ اسے ہم آئندہ کے لیے انتظار رکھتے ہیں۔ اس وقت صرف موضوع کا تعارف
پیش نظر ہے کہ آجکل بریلویت کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟

دین عناد اور دین الحاد میں تاریخی رشتہ

صحیح اور سچی بات کا کھلا انکار بڑا مشکل ہوتا ہے۔ سچائی کے آگے عناد کے پل آسانی سے نہیں باندھے
جا سکتے سو یہاں کفر عناد نہیں کفر الحاد پیدا ہوتا ہے۔ انکار کی بجائے تاویل کی راہ نکالی جاتی ہے۔

جو لوگ کھلم کھلا دین حق کو نہ مانیں وہ کفر انکار اور دین عناد پر ہوتے ہیں اور جو کھلا کفر اختیار نہ کریں
دین حق اور سچائی کی دعوت کو مان کر اس کا حلیہ بگاڑ دیں اور ایک نیا دین و مذہب وجود میں لے آئیں تو وہ کفر
الحاد پر ہوں گے جس میں قدرتی کتابوں کی تفسیر خلاف منشاء الٰہی ہو گی اور احادیث کے معنی خلاف مراد پیغمبر کیے
جائیں گے۔ قادیانی کلمہ اسلام پڑھتے ہیں مگر اس کے معنی و مصداق میں وہ مرزا غلام احمد کو داخل کرتے ہیں
اور دوسری کئی ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں یہ کفر الحاد کے مرتکب ہیں۔ شیعہ اہلسنت کے مقابل عناد کے
پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں۔ ان کی حدیث کی کتابیں اپنی علیحدہ ہیں اور یہ ان کی تاریخی علیحدگی کا کھلا نشان ہے۔

بریلوی اہلسنت میں سے ہو کر الحاد کی راہ پر چلے ہیں ——— اور اب یہ ایک مستقل فرقہ بن چکے ہیں
زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر ہیں لیکن یہ حقیقت میں ان سے بھی آگے نکل
چکے ہیں۔ کفر عناد سے نپٹنا آسان ہے مگر کسی کو الحاد کی دلدل سے نکالنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

ابتدا میں سب ایک دین پر چلتے ہیں

دنیا میں کفر عناد پہلے آیا ہے یا کفر الحاد، اس کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ پہلے سب لوگ ایک دین پر تھے اور ان میں فطری ہدایت جاری تھی اور توحید کا عقیدہ قائم تھا۔ یہاں تک کہ شیطان نے دین حق میں نفاد کی راہیں بنائیں اور اولیاء، شہداء اور ملائکہ کرام کے ناموں پر پہلے یادگار مجسمے بنائے پھر آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کرادی۔ اس بت پرستی میں مقصود ان بزرگوں کا احترام تھا جن کی یاد میں وہ مجسمے بنے ہوتے تھے۔ لیکن رُخ ان معبودوں کی طرف ہوتا تھا —— یہ دنیا میں شرک کی ابتداء تھی۔ تغیر پہلے سے تھی اور شرک کا آغاز اس کے بعد ہوا۔ کفر عناد سے پہلے کفر الحاد وجود میں آچکا تھا۔

شرک اس تصور برزخی سے چلا۔ یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ پہلے رسول تھے جو شرک کے خلاف دعوت توحید لے کر اُٹھے۔ اب آپ کے سامنے کھلا کفر تھا جس کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ پہلے اس کفر کی صورت الحادی تھی لیکن اب مشرکین کفر عناد پر آچکے تھے۔

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين و منذرين.

(پ البقرہ ع ۲۶ آیت ۲۱۳)

ترجمہ۔ پہلے سب لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر (جب لوگوں نے اختلاف ڈالا تو) اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔

تصور برزخی اپنی ذات میں شرک نہ تھا

ان دنوں بھی آپ کو کئی پیر پرست ایسے ملیں گے جو اپنے پیروں کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں۔ وہ توحید کا دعوے کرتے ہیں اور یاد خدا کی کر رہے ہوتے ہیں مگر پیر کی تصویر ان کے لیے ان کے خیال میں شرم و حیا کا سبب بھی ہوتی ہے۔ یہ تصور برزخی گو انتہائی خطرناک ہے مگر اپنی ذات میں شرک نہ تھا۔ ہندوؤں کی بت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں اسی نوع کی تھی مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندو دنیا کی سب سے بڑی مشرک قوم ہے اور شرک کی کوئی منزل نہیں جو انہوں نے طے نہ کی ہو —— اسی طرح جاہل صوفی جو پیر کی راہ سے خدا کو یاد کرتے ہیں کسی طرح شرک سے بچ نہیں پاتے۔ مولانا احمد رضا خاں نے مرزا مظہر جانجاناں کے

والا سے لکھا ہے کہ وہ ہندو مذہب کو دینِ سماوی گمان کرتے تھے ان کے عقیدۂ تناسخ کو بھی کفر نہیں کہتے تھے ان کی بت پرستی کو صوفیہ کے تصورِ برزخی کی مثل جانتے تھے[1] اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفرِ عناد کی شاخیں کفرِ الحاد سے ہی پھوٹی ہیں جس قوم پر بھی کفرِ الحاد کی راہ کھلی وہ کفرِ انکار کے ساحل پر آئے بغیر نہ رہی۔

گمراہ قوموں میں باہمی تاریخی رشتہ

صالحین کا تاریخی رشتہ اسناد و اعتماد سے قائم ہوتا ہے۔ مگر گمراہ قومیں بغیر کسی اسناد و اعتماد کے عقائد و اعمال میں ایک ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے مشرکین میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے مشرکین میں، ہندو مشرکین اور مکہ کے مشرکین میں کوئی تاریخی رشتہ نہیں تھا لیکن عقائد سب کے ایک جیسے ملتے ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ، وہ یہاں بھی ہو اور جہاں بھی ہو اپنی ذات میں ایک ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں پانچ بزرگوں حضرت ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے تصورِ برزخی سے شرک ہوتا تھا۔ ہندوؤں کے پانچ بزرگ جن کے نام سے ان کے ہاں شرک نے رواج پایا بشنو، برہما، اندر، شوجی اور ہنومان تھے[2]۔ مجوسیوں کے ہاں پانچ مختلف عناصر کی جگہ ان کا تصورِ برزخی تھی اور عرب میں شرک ان پنجتن کے نام سے چلا جن کے بت شیطان نے ساحلِ جدہ پر لا گرائے تھے۔ کوئی شرک یہ تھا کہ ہم نے خدا ایک بڑے شخص کی عطا سے خدائی کرتے ہیں اور لفظ عطا کہنے سے ان کے ہاں یہ عمل شرک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ سارا عمل گو کفرِ عناد نہیں لیکن کفرِ الحاد ضرور کہا جاتا ہے۔

چودھویں صدی میں الحاد ایک نئے دور میں

چودھویں صدی ہجری میں اسی شرک و الحاد نے ایک نیا نام پایا یہ بریلویت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی نسبت براہ راست مولانا احمد رضا خاں کی طرف ہے لیکن ہم اسے ایک وسیع مفہوم میں لے رہے ہیں یہ عقائد و اعمال کا وہی تسلسل ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے عرب میں منتقل ہوا اور ہندوؤں کے عمل سے اس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں جگہ پائی —— وسیع تر مفہوم میں بریلویت یہی ہے۔

ان دنوں ہمارے گردو پیش مکہ کے مشرکین، ایران کے آتش پرست یا ہندوستان اور بیرونِ ملک کے ہندو

---

[1] احکام شریعت جلد ۱ صفحہ ۱۵ مطبع مراد آباد [2] تفسیر حقانی صفحہ ۱۲

جہیں ہیں۔ ہمارے گردو پیش شرک و بدعت کے نغمے، نذر غیر اللہ کے نعرے، قبور و مزارات کے میلے اور عرس اور ختموں کے مختلف السلسلے ہوتے ہیں۔ ان حلقوں میں شرک و بدعت کی نسبت بریلویت کا لفظ زیادہ معروف و مانوس ہے۔ سو سمجھا گیا کہ بجائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ شرک و بدعت سے بچیے۔ یہ کہنا زیادہ فائدہ مند ہے کہ بریلویت سے توبہ کیجئے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ لفظ بریلویت ایک وسیع تر مفہوم میں لیا جائے

الفاظ کو وسیع تر مفہوم میں لینا عیب نہیں

ہمارے بریلوی دوست ناراض نہ ہوں کہ مسلک بریلویت ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں کیسے کر لیا۔ الفاظ کو وسیع تر مفہوم میں لینا کوئی عیب نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ لفظ وہابی دنیا میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی نسبت سے رائج ہوا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۲۰۶ھ) بارہویں صدی کے ایک مصلح تھے۔ آپ حضرت امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کے مقلد تھے۔ کسی نئے دین و مذہب کے داعی نہ تھے۔ نہ آپ نے کوئی حکم دیا ہے کہ میرے دین و مذہب پر چلو —— مگر دیکھئے لفظ وہابی پھر بھی ان کے نام سے چل نکلا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کو دیکھئے۔ آپ بتلاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی وہابی موجود تھے اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک وہابیت کو ایک وسیع تر مفہوم میں نہ لیا جائے —— سو لفظ وہابیت اگر وسیع تر مفہوم میں لیا جا سکتا ہے تو اگر ہم لفظ بریلویت کو ایک وسیع مفہوم میں لے لیں اور اس کی تاریخ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے شروع کریں تو یہ کوئی بے جا بات نہ ہو گی۔ مولانا احمد رضا خاں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غنائم تقسیم فرمائے اس پر ایک وہابی نے کہا کہ میں اس تقسیم میں عدل نہیں پاتا۔[1]

پھر آپ (مولانا احمد رضا خان) سے یہ بھی پوچھا گیا کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں فرقہ وہابیہ موجود تھا؟ آپ نے کہا۔۔

> ہاں یہی وہ فرقہ ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مناظرہ کی اجازت چاہی تھی۔[2]

---

[1] ملفوظات حصہ اول صـ۶۲ [2] ایضاً صـ۴۹

لفظ اہلحدیث اپنے وسیع تر مفہوم میں

لفظ اہلحدیث اہل علم کے ہاں محدثین کے معنی پر آتا ہے۔ ابن تیمیہ اہل حدیث، اہل ادب، اہل سنت کے الفاظ کیسے ملاتے ہیں؟ سنن نسائی میں ایک جگہ فیہ فضل دمشق و لاهل الاسلام و من اهل الحدیث و العلم و الفقه و القرآن کے پیرایہ میں یہ الفاظ موجود ہیں[1] لیکن ہندوستان میں جب ترک تقلید کی ہوا چلی اور غیر مقلدین سامنے آئے تو مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس خاص مکتب فکر کے لیے حکومت سے یہ نام رجسٹر کرا لیا۔ اب اس فرقہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو سرے سے نہ پڑھے ہیں نہ محدث ہوں گے، بعض ایسے بھی ہوں گے جو اردو میں حدیث تک نہ پڑھ سکیں اور بعض ایسے ہیں جو نماز کا ترجمہ بھی نہیں جانتے۔ اور یہ لوگ کسی پہلو سے اور کسی دائرہ سے بھی محدثین نہیں سمجھے جاتے۔ مگر اہلحدیث کا لفظ ان پر فرقہ کے پہلو سے بولا جاتا ہے اور یہ لفظ اہلحدیث کا ایک وسیع استعمال ہے اور اس سے مراد غیر مقلدین کی پیروی کرنے والے لیے جاتے ہیں نہ کہ اس سے اہل علم کا کوئی طبقہ مراد ہوتا ہے۔ کوئی لفظ اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہونے لگے تو اسے اس طرح لینا چاہیئے۔

لفظ زندیک اپنے وسیع مفہوم میں

پارسیوں کے پیشوا زردشت یا زرتشت ہیں، انہیں یہ لوگ پیغمبر مانتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں ان پر جو کتاب اتری اسے اوستا Avesta کہتے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر ژند لکھی گئی۔ یہ ژند ہی کتاب مقدس سمجھی جاتی ہے۔ ایران میں جب اسلام آیا اور لوگ کثیر تعداد میں اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان میں ابھی ان کی دیرینہ تعلیمات کے آثار باقی تھے جنہوں نے دین اسلام میں ان راہوں کی تلاش کی اور خیر و شر دو خدا مان کر اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہوئے خیر کا خالق یزداں کو اور شر کا خالق اہرمن کی جگہ شیطان کو قرار دیا۔ مسلمانوں میں یہ عقیدہ پھیلانے والے انہیں ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اس امت کے مجوس ہیں۔

علماء اسلام انہیں زندیق کہتے ہیں۔ یہ اصل میں پارسیوں کی کتاب ژند کے ماننے والوں میں لفظ زندیک سے بنا — پھر کاف قاف سے بدلا۔ اب لفظ زندیق صرف اس دائرہ سے خاص نہیں، ہر وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کا مدعی ہو اور دین کی کسی قطعی بات کو اپنے معنی اور مراد سے بدل دے اسے زندیق کہا

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

جاتا ہے شرح مقاصد میں ہے:۔

وان کان مع اعترافه بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم واظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هي كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق۔[1]

زندیق ۔۔ کافر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معترف ہو مگر اس کے عقائد میں کسی پہلو سے کفر کا دخل ہو۔

علامہ طاہر پٹنی اپنی مایہ ناز کتاب مجمع البحار میں لکھتے ہیں:۔

ماخوذ من الزند وهو كتاب بالفهلوية كان لزرادشت المجوسي ثم استعمل لكل ملحد في الدين ... الزنديق المبطن للكفر المظهر للاسلام۔[2]

ترجمہ یہ لفظ زند سے ماخوذ ہے اور وہ پہلوی زبان کی کتاب ہے جو زردشت مجوسی کی بتائی جاتی ہے پھر یہ لفظ ہر ملحد فی الدین کے لیے استعمال ہونے لگا ۔۔۔ سو زندیق اسے کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور بظاہر مسلمان کہلائے۔

اہل علم نے کسی لفظ کو اپنے وسیع مفہوم میں استعمال کرنے سے نہیں روکا بشرطیکہ ان میں وجہ جامع پوری روشن ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں بریلویت کی صورت

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں شرک قبر پرستی نہیں بزرگ پرستی کا نام تھا بزرگ پرستی سے پیکر پرستی چلی اور قبر پرستی سے پھر پیکر پرستی نے نشو و نما پائی پتھروں نے مخصوص شکلوں میں آکر بتوں کا نام پایا بت پرستی سے پہلے یہ انہی اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے جنہیں چودہویں صدی میں بریلویت کہتے ہیں اس کو بریلویت یہاں اپنے ایک وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

عیسائیوں میں بریلویت افراط عقیدت اور محبت کی راہ سے آئی کفر گمراہی ہے خواہ محبت کی راہ سے آئے یا عداوت کی راہ سے ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اندیشہ گزرا کہ میری امت میری محبت میں اس راہ پر بھی چلے گی اور دنیا نے دیکھا کتنے ملک ہیں جو عاشق رسول ہونے کا نعرہ لگا کر دن رات حضور کی سنت سے

---

[1] شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ [2] مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۴۱ اس سے قول ترمذی آتا ہے سنتی طالب جلد ۲ صفحہ

احتیاط کرتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم

ترجمہ۔ تم میری تعریف میں وہ مبالغہ نہ کرنا جو عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کی حقیقت میں کیا تھا۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو)

بریلویوں میں شرک الحاد کی راہ سے آیا ہے

اس زمانے میں جو بریلوی قبروں پر شرک کی مسند لگائے بیٹھے ہیں۔ یا انبیاء و اولیاء میں بعض صفات خداوندی کا وجود مانتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کی تعلیم کے مطابق ہے یا نہ، یہ سارا کاروبار الحاد (بریلویت) سے چل رہا ہے۔ یہ لوگ شرک کی دہلیز پر اسلام کے منکر ہو کر نہیں بیٹھے، اہلسنت کہلا کر وہ یہ لگائے ہوئے ہیں اور ان کی یہ گمراہی یا شرک و کفر حقیقی راستے نہیں الحاد کی راہ سے آیا ہے۔ اور وہ نہیں جانتے کہ شرک خواہ عناد کی راہ سے آئے یا الحاد کی راہ سے اس کا ٹھکانہ ہر صورت میں جہنم میں ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر چھپے نہیں رہتے۔

ان الذین یلحدون فی اٰیٰتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی اٰمنا یوم القیٰمۃ۔ (پ ۲۴ حم سجدہ ع ۵ آیت ۴۰)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ ہماری آیات میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں وہ ہم پر چھپے نہیں رہتے کیا جو آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے۔ تم جو چاہو کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ کفر و شرک یہی نہیں کہ کوئی کھلے بندوں اسلام سے بغاوت کرے۔ بغاوت کی ایک کارروائی الحاد کی راہ سے بھی ہوتی ہے گذشتہ قوموں میں بھی لوگ الحاد کی راہ سے صراط مستقیم سے پھرے اور اس امت میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے یہ ضروری نہیں کہ کفر کے سروں پر کفر کے کھلے سینگ بھی ہوں۔

بریلویت عہد سابق میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر چلنے سے منع فرمایا تھا اور یہ

بھی فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت میں بھی ایسا ہوگا۔

مگر اس امت میں بھی ایسے لوگ ہیں گے جنہوں نے قبروں اور خانقاہوں پر شرک کی مسند لگا رکھی ہے اور بدعات سے اپنا کاروبار چمکا رکھا ہے۔ بدعت فی الاعتقاد اور بدعت فی الاعمال دونوں کے اپنے اپنے طبقے اور حلقے ہیں۔ بدعت فی الاعتقاد کے لوگ پہلی تین صدیوں میں خود ہی اہل السنۃ والجماعۃ سے دور ہٹتے گئے اور یہ لوگ تصدیہ شیعہ معتزلہ، خوارج، مرجئہ ناموں سے موسوم ہوئے لیکن اہلسنت والجماعۃ میں بدعت فی الاعمال نے البتہ کچھ راہیں نکالیں مگر ان کا موسوی دعویٰ اہلسنت ہونے کا ہی رہا۔

حضرت علی ہجویریؒ (م ۴۶۴ھ) نے ان الفتوں (بدعت فی الاعمال) کے خلاف آواز اٹھائی۔ مخلوق سے مدد مانگنے اور بزرگوں کو حاجت روا سمجھنے کی بدعت عام ہو چکی تھی۔ آپ نے حق بات بڑی دلیری سے کہی اور عہد تجدید کا حق ادا کیا۔ فرماتے ہیں:-

استعانۃ المخلوق من المخلوق کاستعانۃ المسجون من المسجون[1]

ترجمہ: مخلوق کا مخلوق سے مانگنا اسی طرح ہے جیسے کوئی قیدی کسی قیدی سے مدد مانگے

یہ پانچویں صدی کی آواز ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں عوام میں بدعات پھیل چکی تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان عوام کو بھی استعانت کرنے والا وہاں کوئی طبقہ ان دنوں موجود نہ تھا۔ عوام رسوم و رواجات میں گھر کر بدعات میں پڑتے اور علماء انہیں ٹوکتے اور ان کا جوش خود بخود ٹھنڈا پڑ جاتا۔ ابھی تک بدعت فی الاعمال نے کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ بریلوی عقائد تو موجود تھے مگر بریلوی رسوم نے ابھی جگہ نہ پائی تھی۔ ہندوستان میں یہ اس وقت ہوا جب یہاں انگریز آئے اور انہوں نے علماء حق کے خلاف نفرت پھیلانے کی مختلف راہیں تلاش کیں اور اسلام کے تابناک چہرے کو بدعات سے سیاہ کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انگریزوں کے ساتھ ان کے کچھ حلیف پنجاب میں ان مفادات کا پہرہ دے رہے تھے۔

مسلم دور حکومت میں مسلمانوں کا علمی اور روحانی مرکز دہلی تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مدرسہ رحیمیہ مرجع خواص و عام تھا۔ آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی علمی سلطنت سمرقند تک تھی اور مصر و شام

---

[1] کشف المحجوب ص

تک پہنچ چکی تھی۔ ان کے شاگرد دور تک پھیلے ہوئے تھے اور علم کی سند انہی کے نام سے چلتی تھی انہوں نے فتویٰ دیا کہ انگریزی عملداری میں ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جہاد اسلام کو ان غیر مسلم غاصبین سے (وہ سکھ ہوں یا انگریز) آزاد کرائیں۔ یہی گراں تھا انگریز اب اس خاندان کے کھل کر دشمن ہو گئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ اور بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شمالی ہندوستان میں قبائل کے تعاون سے ایک آزاد سلطنت قائم کی اور وہاں سے جہاد کا آغاز کر دیا۔ اور ہندوستان کی طرف بڑھنے سے پہلے پنجاب کو سکھوں سے آزاد کرانے کی مہم چلائی مجاہدین نے سکھوں کے خلاف پرچم جہاد بلند کیا۔ اور قریب تھا کہ مجاہدین کامیاب ہو جائیں اور ہندوستان پر پھر سے پرچم اسلام لہرانے لگے مگر بریلوی ذہنیت کے لوگ (جیسا کہ) مجاہدین کے خلاف وہابی ہونے کا پروپیگنڈا کرنے لگے، اور بہت سے افغان سرداروں کو مجاہدین کی مدد سے روک دیا۔ یہ بریلوی سکھوں اور انگریزوں کے آلہ کار بن کر اس نہج پر بیٹھے پروپیگنڈے سے مجاہدین کی صفیں تتر بتر ہو گئیں یہاں تک حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ جہاد کرتے کرتے بالاکوٹ میں شہادت پا گئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دور میں ان سکھوں کو جنہوں نے انہیں شہید کیا، اہل خیر قرار دیا اور شہادت ہی سے محروم کیا۔ یہ نہ سوچا کہ بھلا سکھ اہل خیر میں سے کیسے ہو سکتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا

وہ قتیل لیلائے نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے[1]

بالاکوٹ میں سکھوں کی یہ فتح بریلویوں کی پہلی کامیابی تھی۔ وہ اب تک ہر سال ان کے یوم وفات پر خوشی مناتے ہیں اور تقریروں میں ان حضرات پر کفر کے گولے برساتے ہیں

مسلمانوں نے دوسری جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لڑی۔ یہ جنگ براہ راست انگریزوں کے خلاف تھی، اس میں تین غداروں کے باعث انگریز کامیاب رہے، اور غداروں کو جنگ اور خون کے دریاؤں سے گزرنا پڑا۔ لوگ آبادیوں سے نکل کر بیابانوں اور صحراؤں میں پناہ لے رہے تھے مولانا احمد رضا خاں کے دادا رضا علی خاں خیر سے اطمینان سے بریلی میں مقیم تھے۔

---

[1] حدائق بخشش جلد ۔ ص

کے بھی پہلے بیعت معتقد اور نیازمند تھے۔ آپ نے نیچریوں معتزلۂ ہند (جیسے سرسید اور مولوی چراغ علی وغیرہ)
کے خلاف اپنی بعض تالیفات پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دیوبند سے بڑے نیازمندانہ طور
سے تقریظ لکھی تھی اور اسے سرِکتاب شائع کیا۔ لیکن جب علمائے دیوبند پنجاب میں آنا شروع ہوئے تو مولانا نے
اسے اپنی علمی سلطنت میں ایک مداخلت سمجھا۔ تاہم آپ نے مولانا احمد رضا خاں کی طرح علمائے دیوبند پر فتوے
لگانے کی مہم میں حصہ نہیں لیا۔ صرف علمی درجے میں اختلاف کیا اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔

علمائے دیوبند کی پنجاب میں آمد

نواب صاحب بہاولپور نے بہاولپور میں جامعہ عباسیہ کے نام سے ایک علمی مرکز قائم کر رکھا تھا
نواب صاحب خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں کے مرید تھے۔ خواجہ صاحب نے نواب صاحب کو مشورہ دیا
تھا کہ صدر مدرس دیوبند سے منگوائیں۔ علمی حلقوں میں ان دنوں دیوبند کا نام ہی چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ عمدۃ المحدثین
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری شارح ابی داؤد جامعہ عباسیہ میں تشریف لے آئے اور حدیث پڑھانی
شروع کی۔ آپ کے یہاں آنے سے ریاست کی علمی زندگی میں بہار آگئی۔ علاقے کے بعض علماء حسد کی آگ میں جلنے لگے
اور نواب صاحب کو اس پہلو سے بدگمان کیا کہ آپ کی علمائے دیوبند سے وابستگی آپ کو انگریز حکومت کے ہاں
مشتبہ بنا دے گی اور بہاولپور کے سیاسی اور سماجی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ آپ ان سے ہر طرح بچیں
مولانا غلام دستگیر قصوری کے ایک شاگرد مولانا زمان شاہ بہاولپور رہتے تھے۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد
محدث سہارنپوری کے بھی شاگرد تھے اور ان سے اکتساب علم کیا تھا۔ مولانا غلام دستگیر جب کبھی بہاولپور جاتے
تو مولانا سید زمان شاہ کے ہاں ہی قیام فرماتے۔ مولوی کی ذات اس جہت سے مجمع البحرین بنی ہوئی تھی۔ تاہم یہ صحیح ہے
کہ آپ پر ریاست کے سیاسی تقاضوں کا خاصا اثر تھا۔

ریاست میں حضرت محدث سہارنپوریؒ کے خلاف ایک طوفان اٹھا اور ہر طرح سے کوشش کی گئی کہ جس
طرح بھی بن پڑے حضرت یہاں سے ہندوستان واپس چلے جائیں۔ ان دنوں یوپی کے اضلاع پنجاب میں اسی نام
(ہندوستان) سے معروف تھے۔

بات چلتے چلتے مناظرہ تک پہنچی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد
گنگوہیؒ سے اجازت بھی لے لی۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی سرپرستی میں مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا غلام دستگیر صاحب

اور مناظرہ بنے۔ آپ نے بڑی طرف سے چیری (ضلع مظفر گڑھ) کے مولانا سلطان محمود صاحب کو جو مستقلات میں اپنے علاقے میں کہنہ مشق مناظر سمجھے جاتے تھے) کھڑا کیا

ان دنوں نہ بریلویت کسی فرقے کے طور پر معروف تھی۔ نہ بشریت اور علم غیب اور حاضر و ناظر وغیرہ اس کے امتیازی مسائل بنے ہوئے تھے۔ اختلاف بڑے اختلاف تھا امکان کذب باری یا امکان کذب اٹھایا گیا اور یہ کوئی نیا مسئلہ نہ تھا خلف وعید کے ضمن میں اس پر پہلے بھی بحثیں ہو چکی تھیں۔ اب مرزا غلام دستگیر قصوری سامنے آگئے اور انہوں نے کہا کہ مولانا خلیل احمد صاحب کے عقیدے سے ذات باری کی توہین لازم آتی ہے۔

علماء تو جانتے تھے کہ لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ کسی عبارت سے کسی بات کا لازم آنا اور بات ہے اور قائل کی طرف سے اس معنی کا التزام اور چیز ہے جب تک قائل اس جہت کا التزام نہ کرے وہ اس کا عقیدہ نہیں کہا جا سکتا بہر حال مرزا غلام دستگیر اس لزوم کے مدعی ہوئے اور ان کی طرف سے مولانا سلطان محمود مناظر قرار پائے۔

مناظرے میں کس کا پلہ بھاری رہا اور کس کا کمزور۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور اس پر باطل غلبہ نہیں پا سکتا۔

مناظرے کے بعد خواجہ غلام فرید صاحب کا مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنے ساتھ لے جانا اور اپنی مہمانی میں رکھنا اور نواب صاحب کا انہیں بعد عزت و احترام واپس بھیجنا اصل صورت حال کی خبر دے رہا ہے۔ خواجہ غلام فرید صاحب نے حضرت سہارنپوریؒ کی کتاب ہدایات الرشید پر جو تقریظ لکھی ہے کیا یہ علمائے دیوبند کی عقیدت کا کھلا نشان نہیں؟

علمائے علاقہ نے اپنی فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا اور ایک دوسرے کے اشک کے تحت مولانا سلطان محمود کی فتح کے اعلانات کئے۔ اصل صورت حال کیا تھی۔ اس کے لیے مولانا سید زمان شاہ جہلمی جو مرزا غلام دستگیر اور مولانا خلیل احمد صاحب دونوں کے شاگرد تھے ان کا ایک خط اس کی ایک کافی و وافی شہادت ہے۔ یہ خط فارسی میں ہے اور تین پائی (ایک پیسہ) کے پوسٹ کارڈ پر جس پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر والی ٹکٹ ہے لکھا ہوا ہے یہ قصہ کے حضرت مولانا سید محمد عبدالحق شاہ صاحب کے نام ہے موصوف مولانا سید زمان شاہ صاحب کے بھتیجے تھے اور خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ شاہ عبدالحق صاحب مرزا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد تھے اور وہ اس مناظرے کی صحیح صورت حال جاننا چاہتے تھے مولانا سید زمان شاہ صاحب نے جنہیں نہایت اعتماد میں لے کر اصل صورت حال

لہذا ہم یہاں پر خط ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:۔

بحضرت والا درجت مخدوم مولانا الحافظ سید عبدالحق شاہ صاحب مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنچہ از حقیقت اصل انجام مباحثہ استفسار فرمودہ اند بلحاظ دلگرانی ذرہ تکلیف مالایطاق
است اما امر آنحضرت را مقدم دانستہ عرض میکنم کہ مولوی صاحب سہارنپوری را بہ نظر
عالمان بالانصاف دریں بحث غلبہ حاصل آمدہ بود و ہیچ گونہ ہزیمت وارد نشدہ بلکہ ایں امر از
حیطۂ امکان خارج بود کہ فریق ثانی غالب شدے اما چونکہ کسان ایں جائی با مولانا عداوت
ذاتی بودند بدیگر وجوہ مولانا را ناحق متہم بہ ہزیمت کردند و درپئے ایذا رسانی
شدند اما بحکم الحق یعلو ولا یعلیٰ اکثر خیالات فاسدہ اعدا بظہور نپیوستند و حق جل مجدہ ایشان
را بکمال عافیت بوطن راجع فرمود۔ ایں تحریر ہم از ہر کہ بحلف و ایمان تحریر فرمایند
ایں جملہ مضمون را از جناب مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب کمال تحقیق دارند دریں باب تاکید مزید
متصور فرمایند و از مجیب فقیر از مرسلہ ہذا را پنہاں داشتہ فقط بہر اظہار حق چاپ فرمایند۔

رقیمہ سید محمد شاہ از بہاولپور مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۸۹ء

ترجمہ: جو آپ نے انجام مباحثہ کی اصل حقیقت کے بارے میں پوچھا ہے اس سے دلگیری
کے باعث میرے لیے یہ تکلیف مالایطاق ہے تاہم جناب کے حکم کو مقدم سمجھتے عرض کرتا
ہوں کہ عالمان بالانصاف کی نظر میں سہارنپوری مولوی صاحب کا غلبہ ہوا تھا اور کسی قسم کی
ہزیمت کمزوری نہ ہوئی بلکہ یہ بات ممکنات میں سے نہ تھی کہ دوسرا فریق غالب آسکے۔
مگر چونکہ یہاں کے کچھ لوگوں کو مولانا سہارنپوری سے ذاتی عداوت ہوگئی تھی۔ اس لیے
وہ مولانا کو ناحق اور بے موجب شکست کا الزام دینے لگے اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے
ہوئے لیکن الحق یعلو ولا یعلیٰ کے مطابق دشمنوں کے برے ارادے پورے نہ ہونے پائے اور
اللہ عزاسمہ نے مولانا سہارنپوری کو بخیر و عافیت سے وطن واپس پہنچایا۔ جو یہ تحریر کرے
قسم اور حلف سے بہ تصدیق کریں اور اس ساری بات کو مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب سے
پوری طرح تحقیق رکھیں۔ اور اس سلسلہ میں تاکید مزید عرض ہے اور فقیر جیسے واسطہ مرتکب

ہمارے چھاپنے رکھیں بلکہ پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ دیں۔ دستخط سید محمد زمان شاہ

یہ اصل خط حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانیؒ کے پاس محفوظ تھا جو آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد طیب ہمدانی نے کراچی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کو دے دیا۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ اس کا عکسی فوٹو کسی آئندہ کتاب میں شائع کرا دیں گے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری نے مناظرہ بہاولپور کے بعد اپنی عزت بحال کرنے کے لیے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں آپ کا زورِ کلام لزوم سے آگے نہیں چلتا۔ التزام تو ایک بڑی بات ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا فتویٰ تقدیس کے حاشیہ میں موجود ہے جو اس بے جا الزام کی کھلے بندوں تردید کر رہا ہے۔

تقدیس الوکیل پر مولانا سید زمان شاہ ہمدانی کے دستخط ایک حیلے کے تحت لیے گئے۔ مولانا سید زمان شاہ نے ایک خط میں اس دباؤ اور حیلے اس مجبوری کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ کا یہ خط خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں ڈاکٹر عبدالغنی صاحب ہمدانی کے پاس محفوظ ہے۔

یہ تفصیل ہم نے صرف اس لیے ذکر کی ہے کہ قارئین جان لیں کہ ان دنوں بریلویوں کے آج کے نزاعی مسائل (جیسے بشریت، علم غیب اور حاضر ناظر وغیرہ) ہرگز مابہ النزاع نہ تھے۔ ان دنوں یہ مسائل صرف شیعہ عقائد کے نام سے معروف تھے۔ اہلسنت میں کوئی بشریت نبوی یا علم غیب کے خاصہ باری تعالیٰ ہونے کا منکر نہ تھا۔ بریلویت ان اطراف میں کہیں معروف تھی، نہ غلام دستگیر قصوری کے یہ عقائد تھے۔

علاقہ بہاولپور میں یہ بریلویت کا آغاز ہے۔ یہاں بھی ہم لفظ بریلویت کو ایک وسیع مفہوم میں لے رہے ہیں ورنہ یہاں مولانا احمد رضا خاں کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ نہ ان کی یہاں کوئی اہمیت تھی۔ خان پور میں اس علاقے کے ایک عالم مفتی سراج احمد گزرے ہیں۔ بریلویوں میں سراج الفقہاء کے نام سے معروف ہیں۔ بہاولپور اور خان پور کے علاقے میں مولانا احمد رضا خاں کہاں تک معروف تھے اسے ان کے سراج الفقہاء کے نام سے سنیے۔ مرحوم لکھتے ہیں:۔

افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیٰحضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتہ معلوم ہوا۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی ملکی شہرت کے قصے بہت بعد کے ہیں۔ آپ کی زندگی میں

---

[1] المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص ۔

آپ کی اپنے حلقوں میں بھی کوئی شہرت نہ تھی یہاں کے مورخ مختار تک ان کی وفات سے دو سال پہلے ان کے نام سے نا آشنا تھے۔

علاقہ بہاولپور میں بریلویت کا آغاز

علاقہ بہاولپور میں پہلے سب لوگ اہلسنت چلے آتے تھے۔ بریلویت صرف جہل و جذب کا نام تھا خواجہ غلام فرید صاحب ہرگز بریلوی گروہ کے نہ تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح شرقپور کے حضرت میاں شیر محمد صاحب علمائے دیوبند کو اکابر سمجھتے تھے۔ گو آج دیکھئے ان کے جانشینوں نے وہاں کیا کیا بدعتیں شروع کر رکھی ہیں۔

خواجہ غلام فرید صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ نازک کریم جانشین ہوئے ان کے مریدوں نے آگے بالفعل بریلویت اختیار کی ان کے ایک مرید جو طالب تخلص کرتے تھے ایک مقام پر کہتے ہیں:

طالب خدا گواہ کہ نازک کی چشم میں عین محمد است کہ عربی شنیدہ ام

ترجمہ: اے طالب خدا گواہ ہے کہ میرے مرشد نازک کریم کی آنکھوں میں بعینہ محمد عربی ہی ہیں جو تم نے سن رکھے ہیں۔

اس فضائے اختلاف میں یکایک ایک مولوی محمد یار بہاولپوری اٹھا اور اس نے سرعام حضور کی بشریت کا انکار کیا اس سے پہلے کسی سنی نے بشریت انبیاء سے انکار نہ کیا تھا سب جانتے تھے کہ اہلسنت کے ہاں بشریت انبیاء ایک مسلم عقیدہ ہے۔ مولوی محمد یار بہاولپوری نے برسرعام یہ عقیدہ پھیلانا شروع کیا اور جہلاء کے ایک طبقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر (استغفر اللہ)

دیوان محمدی مؤلفہ مولوی محمد یار گڑھی والا اس میں پہلے مولانا احمد سعید کاظمی کا ایک مضمون بطور مقدمہ دیا گیا ہے۔ یہ علاقہ بریلویت کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔

قصور میں بریلویت کا آغاز

بریلویت اپنی موجودہ شکل میں قصور میں مولانا غلام مرتضیٰ کی وابستگی کی وجہ سے نہیں آئی مولوی محمد یار بہاولپوری

کے بارے میں ہوئی ہے۔ جس نے ریسرچ عالم قصور کے ایک جلسہ میں جھوم جھوم کر یہی شعر پڑھا جو کھلے طور پر زندقہ کی تعلیم
دے رہا تھا اور دیوانے مجذوب ہو جہلا جیسے سر بازار بیٹھے تھے۔ ؎

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

قصور شہر میں پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کے خلیفہ اور مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد حضرت
مولانا شاہ عبد الحق بھائی قصوری موجود تھے۔ یہ حضرات سوداگروں بہاولپور کو بہت قریب سے جانتے تھے اور
ان کے خاندان کا ایک حصہ خیرپور میں آباد تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحبؒ نے بھی
بہاولپوری کے اس الحاد کا سختی سے نوٹس لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر سید البشر کے نام سے ایک رسالہ
لکھا اور اپنے تمام بزرگوں اور معاصرین سے اس پر تصدیقات حاصل کیں۔ یہ اس موضوع پر ہندوستان
کی پہلی کتاب ہے۔ اس وقت تک بشریت انبیاء مسلمانوں میں کوئی اختلافی موضوع نہ تھا۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اس کتاب پر تصدیق
لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد۔

احقر نے اس رسالہ کو بکمالہا پڑھا ہے۔ رسالہ اہل اسلام کے مذہب کا صحیح ترجمان ہے
تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر گزرے ہیں اور اس وقت بھی تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر
ہیں جن مولانا صاحب کی تردید اس رسالہ میں کی گئی ہے۔ وہ دراصل شیعہ ہے اور شیعہ
کے بہت سے فرقوں میں سے ایک فرقہ حضرات ائمہ اہلبیت علیہم السلام کو خدا یقین کرتا ہے
میرے خیال میں والا مذکور بھی اسی عقیدہ کا ہے اور اسی واسطے وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ بعض ناواقف لوگ اسے صوفیہ کرام کے فرقہ
مبارکہ میں سے تصور کرتے ہیں بالخصوص صوفیہ وجودیہ رضی اللہ عنہم سے — حاشا وکلا
صوفیہ وجودیہ کے رئیس شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب فتوحات میں بشریت کو خاصہ
نبیہ کا موصوف فرماتے ہیں اور اسی منصب کو موجب تکامل و انکشاف بتاتے ہیں۔ الغرض رسالہ
ہذا بہت صحیح اور اس فتنہ کا عمدہ رد ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور
انہیں اس علاقہ کو فتنہ کے عوض منہج ہدایہ نصیب فرمائے۔

جامع مسجد قصور کوٹ کلاں کے خطیب مولانا شمس الحق صاحب نے بھی اس پر دستخط کیے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں قصور کی یہ مرکزی مسجد اہل سنت والجماعت کے پاس تھی بلکہ یہاں بریلویت کی بنیاد رکھے جانے کی تردید ہوتی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد یہاں کے حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے پہلے وہاں اہل بدعت کا قبضہ نہ تھا۔

جس وقت مولوی محمد یار بہاولپوری نے قصور میں یہ فتنہ کھڑا کیا وہ مولانا احمد رضا خاں کی زندگی کا آخری سال تھا۔ مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب نے ۱۳۴۰ھ میں اشتہار معیار ایمان و اعتقاد شائع کیا اور اسی سال مولانا احمد رضا خاں کی وفات ہوئی۔

اس مسلکی اشاعت اور بزرگوں کی تصریحات سے یہ نئی اٹھی آواز دب گئی۔ پھر کئی سال بعد غالباً ۱۹۴۱ء میں کوٹ فتو محمد خاں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب آئے اور انہوں نے یہاں پھر سے بریلویت کا تعارف کرایا انہوں نے کچھ زمین ہموار کی تو مولانا محمد عمر اچھروی نے یہاں حافظ علی محمد صاحب مرحوم کی مسجد میں جمعہ پڑھانا شروع کر دیا۔ تاہم شہر پر علمائے دیوبند کا ہی اثر رہا۔ اہل بدعت باہر سے آتے اور اپنی اپنی آواز لگا کر چلے جاتے۔ شہر کے پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ سے اہل حق کے ساتھ رہے ہیں۔ رسالہ سیف المشیر اور اس پر سب جید علماء کی تصدیق اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انگریزی عہد میں یہ قصور میں یہ دھڑا قائم نہ کر پائے تھے۔

لاہور میں بریلویت

لاہور میں بریلویت قصور کے بعد آئی ہے۔ قصور ملتان لاہور ہی کی تحصیل رہا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب کے انگریز گورنر نے دیکھا کہ پنجاب کے بیشتر خانقاہی مشائخ اپنی تمام بدعات و رسوم کے باوجود اہل سنت مسلمانوں کو ایک امت کے طور پر سنبھالے ہوئے ہیں اور یہ انہیں ٹوٹنے نہیں دیتے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ یو پی وغیرہ کے علماء جو محدثین دہلی کے خلاف ہو چکے ہیں، انہیں پنجاب میں لایا جائے۔ وقت گزرتا گیا اور انگریز حکومت مناسب افراد کی تلاش میں کوشاں رہی۔ جس کے بغیر حکومت کے لیے اہل سنت مسلمانوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا بہت مشکل تھا۔ پنجاب کے علماء اور مشائخ اختلاف مسائل کے باوجود امت کی مزید تقسیم کے لیے تیار نہ تھے۔

سرکاری اعتماد نے مسجد وزیر خاں کی انتظامیہ کو گورنمنٹ کی اس رائے سے مطلع کیا۔ یہاں مولانا دیدار علی شاہ صاحب کو خطیب مقرر کیا جاتا رہے۔ پھر ان کے دور میں مدرسہ مولانا احمد سعید کاظمی ملتان لائے گئے پھر مفتی احمد یار صاحب

مولانا سید عبد الحق شاہ صاحب جیلانی مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد تھے۔ آگے ان کی سند کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی دوسری طرف مولانا سید الحق شاہ صاحب کے صاحبزادے مولانا سید مبارک علی شاہ کے ایک استشہاد کا نمونہ ہے جس میں آپ نے مسئلہ بشریت پر اپنا ایمان و اعتقاد تحریر فرمایا ہے۔ اس پر ان حضرات کے تصدیقی دستخط ہیں۔

(۱) حضرت مولانا عبید اللہ صدر مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور۔
(۲) مولانا محمد صادق مدرس دوم جامعہ عباسیہ
(۳) مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ۔
(۴) مولانا محمد جعفر از دربار عالیہ گڑھی شریف
(۵) مولانا عبد العلیم ملتانی
(۶) مولانا سید اشفاق علی از ملتان چھاؤنی۔
(۷) مولانا سید عبد الکریم شاہ صاحب ضلع ملتان۔
(۸) مولانا محمد صالح از شیخن آباد۔
(۹) حضرت مولانا مہر محمد صاحب صدر مدرس جامعہ فتحیہ اچھرہ ـــ وغیرہم من العلماء الکبار

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پورے سرائیکی علاقے میں سب علمائے اہل سنت اسی عقیدے پر تھے جو مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب قصوری نے قلمبند فرمایا ہے اور شیعہ کے سوا اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں رہا۔ پہلا شخص جس نے ملتان بہاولپور میں اس اختلاف کا بیج بویا وہ زندقہ کا شکار یہی حافظ محمد یار تھا۔

جامعہ عباسیہ جو اس علاقے کا علمی مرکز تھا اس کے صدر مدرس، مدرس دوم شیخ الجامعہ اور شیخ الحدیث سب اسی عقیدے پر تھے جسے آج عقیدہ علماء دیوبند کہا جاتا ہے۔ خانپور میں جو دار العلوم جو مدرسہ مخزن العلوم خانپور کے مدتوں سے بنا ہے اور اس میں بھی بریلویت بہت بعد میں آئی ہے۔ اس کے مفتی سراج احمد کو ۱۹۴۸ء تک مولانا احمد رضا خاں کا پتہ بھی نہ تھا۔

ملتان کے سب معتمد علماء اسی عقیدے پر تھے جس کی تصدیق مولانا عبد العلیم ملتانی نے کی ہے۔ مولانا نظام الدین ملتانی نے بھی کبھی ان سے اختلاف نہ کیا تھا۔ مولانا نظام الدین ملتانی اور کو

باسمہٖ سبحانہٗ

میرا ایمان و اعتقاد

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بھی وہی ہے۔ جو
آج سے ۱۰۰ سال قبل میں اپنے رسالہ "سید البشر" مصنفہ علماءِ قصور ریاست بہاولپور
میں یہی الفاظ ظاہر کرچکا ہوں۔

"ہمارا اعتقاد اور ہمارا تحریر ہی ہے۔ کہ آپ بشر تھے۔ اور مخلوق بشریت میں سے افضل تھے
باقی سب سے آپ اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے سو اس بات میں تو بڑی سے بڑی مخلوق
بھی آپ کے رتبہ کے قریب نہیں پہنچ سکتی آپکے شان ہمتا تو کہیں رہا۔ صحیح ہے۔

• تو ہی خیر خلق اللہ کلہم یا ہو بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن حضور ہماری طرح کے انسان تھے بھی اور نہیں بھی۔ ہماری طرح کے انسان تھے بھی ذیں یوں
کہ آپ آدم کی اولاد تھے۔ دوسرے انسانوں کی طرح آپکی بھی اولاد ہوئی تھی آپ کھاتے پیتے تھے دیگر
انسانوں کی طرح زمین پر چلتے پھرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ اور ہماری طرح کے انسان نہ تھے۔ یوں کہ آپ
پر وحی آتی ہم پر نہیں آتی۔ آپکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے معجزات ظاہر کئے۔ آسمانوں پر تشریف لے گئے
اور سب انسانوں کیا ساری مخلوقات سے افضل و اکرم و اعظم بنایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جو شخص اس سے کم یا زیادہ میری طرف منسوب کرے وہ جھوٹا ہے۔

قرآن مجید، حدیث شریف اور جمہور علماء اہلسنت نے اسی عقیدہ کی تصریح کی ہے۔ جیسا کہ آپ
کے قد کو گھٹانا بڑا ہے۔ اسی طرح بڑھانا تک آپکو بڑھانا کہ "آپ خاص خدا کی ذات ہے" کہدیا
جانا کفر ہے۔ عیسائیت اور اس عقیدے میں کچھ فرق نہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔
"مسیح ابن مریم اللہ ہے" اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے غلو عقیدوں سے محفوظ رکھے۔

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

عبدہٗ مبارک علی (سید ہمدانی) (۱۹..ء)

اذکوٹ مراد خان قصور

دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہ قوم کبھی ناموس صحابہ پر شیعہ کے خلاف یک جان نہ ہو سکے۔ جب بھی اہلسنت شیعہ کے خلاف کسی تیز یورش کی صورت میں ایک پلیٹ فارم پر بھائی بھائی ہو سکیں تو اپنے ساتھ ملا سکیں اور ناموس صحابہ کا پلیٹ فارم بالکل ایک خالی نعرہ ہو کر رہ جائے

اب یہ بریلویت اپنی ایک باضابطہ شکل میں آچکی ہے۔ ترتیب حالات سے پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اس سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا اور بریلوی مکتب فکر محض اس کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا۔ آئیے ہم اس پر ایک غیر جانبدار شہادت پیش کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ہے:۔

> **بریلوی**: برصغیر پاک و ہند میں اہل السنۃ والجماعۃ (حزب الاحناف) کا ایک گروہ ہے جو فکر و عقائد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء تا ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ گروہ علمائے دیوبند کی تحریک کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا۔[1]

یہ بریلویت کا اپنے اصل منشور میں نقطہ آغاز ہے۔ لیکن بات کہاں تک پہنچی ہے اسے عبدالرزاق کی زبان سے سنیئے۔ یہ بریلویت کا نقطہ انتہا ہے:۔

> حضرت انس بن مالکؓ بنو امیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اول کا دین باقی نہیں رہا۔ اگر وہ ہمارے اس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیا وہ ہمیں مشرک قرار نہ دیتے؟ اور ہم انہیں کافر یا ملحد نہ دیتے؟ کیونکہ اس وقت اور اس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام ہے یا چند ظاہری عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ جیسی آسمان سے اتری تھی اب تک بے خلل و لغش قائم ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدون و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے مگر کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں۔ طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں یا گنڈوں اور تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمانوں نے اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزادی پا لی اور باوجود ادعا کے اتباع ان سے مخالف چل رہے ہیں۔

یہ تصویر کا رخ دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے یہ دونوں مسلمان ہیں جو حامل قرآن اور توحید کے علمبردار منتخب

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۵، مطبوعہ ۱۳۸۹ھ

کیا یہی حضرت خواجہ معین الدینؒ کا عمل تھا؟ اودھ کے ایک ہندو رہنما نے اجمیر کی کیفیت دیکھ کر کہا تھا۔

> اب تک مجھے شک تھا کہ ہندو مسلمان میں اتحاد ہو سکتا ہے مگر آج یقین ہو گیا کیونکہ ہمارے اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے، حقیقت دونوں کی ایک ہی ہے۔

یہ اس نے سچ بات کہی کیونکہ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں اگر فرق ہے تو ناموں اور طریقوں ہی کا ہے۔ ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہے۔ ہندو بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور توحید کے علمبردار قبروں کے سامنے۔ ہندو رام اور کرشن کی پرستش کرتے ہیں تو مسلمان جیلانیؒ اور اجمیریؒ کی۔ حالانکہ ان بزرگوں کی تعلیمات ایسی ہرگز نہ تھیں۔ یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، انہیں خدا نہیں سمجھتے محض بے معنی ہے کیونکہ ہندو بھی بجز خدا کے کسی کو بھی خدا سمجھ کر اس کی پرستش نہیں کرتے اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں مفصل مذکور ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو، پرستش و عبادت نہیں کہتے کچھ اور نام دیتے ہو۔ مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔

حساس آدمی کے لیے ان شرک میں گھرے مسلمانوں کے حالات و خیالات معلوم کرنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اس فرقہ میں عقل و نقل دونوں کا کال ہے۔ ایک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ خدا علام الغیوب ہے سمیع و بصیر ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں اور نہ بغیر اس کی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے۔ وہ ہم سے دور نہیں نزدیک ہے اور شاہ رگ سے زیادہ نزدیکی ممکن نہیں پھر وہ رحمن و رحیم ہے، غفور و غفار ہے، سخی ہے، بے حساب دیتا ہے، جبار بادشاہ بھی نہیں کہ کسی کو اپنے حضور پہنچنے نہ دے۔ ہر وقت اس کا دروازہ کھلا ہے۔ ہر وقت اس کا ہاتھ پھیلا ہے۔ ہر وقت اس کا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اور اس سے زیادہ مانتے ہیں مگر ———

"مگر" کے آگے عقل و دانش کی موت ہے انسانیت اور انسانی شرافت کا ماتم ہے۔ مگر کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جھکنا ضروری ہے۔ فوت ہونے والوں سے منتیں ماننا لازمی ہے۔ سفارش و شفاعت کے بغیر اس دربار میں رسائی ناممکن ہے۔ یہ [illegible] ہے جو وفات کے بعد بھی محفوظ ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں! یہ محبوب سبحانی ہیں۔ عاشق جانثار کو زندہ کر کے پھر نور کر دیتے ہیں۔ یہ غریب نواز ہیں جو بعد وفات بھی مٹھیاں بھر بھر کے دیتے ہیں۔ چنانچہ انسانیت و اسلام کے

ترجمہ: سب سے پہلے بُت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بنائے گئے بیٹے
اپنے باپوں سے نیکی کرتے تھے جب ان میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا تو یہ
بیٹا اس پر جزع و فزع کرتا جب صبر نہ کر پاتا تو اس کی شکل کی تصویر بنا لیتا
جب شوق ابھرتا تو اسے دیکھ لیتا۔ پھر جب یہ مرتا اس کے ساتھ بھی وہی
کچھ ہوا جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ بڑے مرتے
گئے تو چھوٹے کہنے لگے ہمارے باپوں نے انہیں اس لیے بنایا تھا کہ یہ ان کے
معبود تھے جن کی وہ عبادت کرتے اور وہ ان کی عبادت کرنے لگے۔[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بُت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں بزرگ پرستی تھی۔ پہلے ان بزرگوں کی تصویریں بنائیں ۔۔۔ مدعا تصویر بنانے کا یہ تھا کہ ان بزرگوں کی یاد رہے پھر انہی بزرگوں کی ان شکلوں کی عبادت ہوئی یا بزرگوں کی قبروں کی۔ دونوں صورتوں میں یہ اصلاً بزرگ پرستی تھی جس نے آہستہ آہستہ بُت پرستی کی صورت اختیار کی۔ علامہ شامی بھی کہتے ہیں کہ بُت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں نیک لوگوں کی قبروں پر سجدے تھے۔

ان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد۔[2]

ترجمہ: بے شک بُت پرستی کی جڑ یہی رہی کہ بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا گیا۔

کسے معلوم نہیں کہ اعتکاف، طواف اور نماز تینوں خالص عبادتیں ہیں اور عبادت اسلام میں صرف اللہ رب العزت کی ہی ہو سکتی ہے کسی دوسرے کی ہو تو یہ داخل شرک ہے وہ دوسرا پیغمبر ہو یا ولی، بُت ہو یا فرشتہ۔ عبادت کے لائق ایک اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ طواف صرف کعبہ کے گرد ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کوئی مقبرہ یا خانقاہ نہیں ہے اللہ کا گھر ہے جو لوگوں کے لیے بطور عبادت گاہ بنایا گیا۔

مولانا احمد رضا خان نے بریلی میں یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص کعبہ نہ جا سکے وہ مولانا احمد رضا خان کی قبر کے گرد طواف کر لے یہ بھی طواف کعبہ ہے۔ اعلیٰحضرت تو قبلہ و کعبہ تو تھے ہی ۔۔۔ پنجاب میں مریدوں کے اس فتوے سے بہت گڑبڑ پیدا ہوئی۔ مولانا ظفر علی خان نے روزنامہ زمیندار میں

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۵۳۴ [2] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۲۵۲

اس کا بروقت نوٹس لیا ہے

اوڑھ کر جامہ رضا خاں آئے بدعت کا لحاف — ذات اُن کی ہے مجدد بات اُن کی لاف کاف

زندگی اس کی ہے ملت کے لیے پیغامِ موت — کر رہا ہے جو سجائے کعبہ قبروں کا طواف

اب سجائے اس کے کہ پنجاب کے بریلوی اس غلط مسئلے کے خلاف اُٹھتے انہوں نے لاہور میں حضرت علی ہجویری[1] کے مزار کے گرد طواف عبادت بتلایا اور اُسے ثوابِ حج کے برابر قرار دیا۔ غور کیجیے مولانا احمد رضا خاں کے آثار باقیات امت کو کس گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔

داتا صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستر مقبول حج کرنے کے برابر ہے۔ آپ ذکر ماڈل ہیر کار پر فرمایا کرتے تھے کہ نادار مسلمان کو چاہیے کہ اگر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش کے مزارِ اقدس کا طواف کرے اسے حج کا ثواب حاصل ہوگا۔[1]

شرک و بدعت کی تاریخ بریلویت سے پہلے کی ہے۔ سو بریلویت اس پہلو سے زیادہ اہم ہے کہ اس نے عام سادہ لوح مسلمانوں اور خانقاہی رسوم و بدعات میں گھرے انسانوں کو اپنی ان خرافات رسوم اور بدعات پر علمی استناد مہیا کیا ہے۔ پہلے یہ بدعات کسی نہ کسی درجے میں عام جنگلوں اور جہلاء میں بہ پائی جاتی تھیں لیکن اہلِ علم سے کوئی کھلے بندوں ان کی حمایت نہ کرتا تھا۔ اب ان کے اپنے مولوی ہیں جو انہیں اس شرک و بدعت پر باقاعدہ فتوے دیتے ہیں۔

بریلویت کی موجودہ صورتِ حال ایک مختلف پیرائے میں اس عقیدے کی صدائے بازگشت ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بزرگوں کی تعظیم کے نام سے گھڑ رکھا تھا۔ اس کے خلاف تبلیغ اور محنت تراث انبیاء ہے۔ اسی نیک جذبے سے ہم اپنے اس سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت ہماری اس محنت کو کامیابی سے منزل تک پہنچائے۔ اللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمة التحقیق۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

---

[1] خزینۂ کرم ص ۴۸ مطبوعہ کریانوالہ پبلشرز کراچی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ [illegible] اما بعد۔

مسلمانوں پر ایسا وقت آ نکلا ہے کہ ان کے لیے متوازی فکری نظریات کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ انکار مذہب اور الحاد، مذہب اور بے جا وابستگی کے پارے پارہ ہوتے ہوئے ہیں۔ عام سادہ مسلمان کدھر جائے اور کہاں پناہ لے یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔ خارجی حملوں کے ساتھ ساتھ داخلی انتشار اور بڑی مصیبت ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا واحد حل یہ ہے کہ نئی نسل باتوں کی بجائے نوجوان اپنے مذہبی مطالعہ کو بڑھائیں اور علمی اصطلاحات سے بچ کر سادہ اور سادہ الفاظ میں اختلافات کو سمجھنے کی کوشش کریں خود کو غیر جانبدار ہونے کی عظمت بخشیں۔ فرقہ بندی کے کانٹوں میں نہ الجھیں۔ مذہب کا واقعی اختلاف علم اور جہالت کا اختلاف ہے فکر اور رجحانوں کا اختلاف نہیں۔ آج بھی قرآن ذلک الکتاب لاریب فیہ ہے۔ اصل دین میں کوئی شک و شبہ یا شک جہالت کے سائے میں آتا ہے اور علم کے آنے سے وہ سائے ڈوب جاتے ہیں۔

آج مطالعہ مذہب کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیئے متوازی فکری نظریات کو بھی جانیں اور داخلی مذہبی اختلافات کا بھی کچھ مطالعہ کریں لیکن یہ مطالعہ فنی اور اصطلاحی رنگ میں نہ ہو۔ مذہب کو سادہ اور اصطلاحی پیرائے میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم بیسوں بار لفظ مذہب Religion استعمال کر رہے ہیں حالانکہ اصل مطلوب دین تھا ——— یہ محض اس لیے کہ یہی بات ذرا سادہ انداز میں کہیں اور نوجوانوں کو مطالعہ مذہب کی دعوت دیں۔ مطالعہ سے کسی کی تردید یا تائید مقصود نہیں حقیقت کو جاننا مطلوب ہے۔

مسلمان فرقوں میں بریلویت کا نام آپ نے ضرور سنا ہو گا لیکن کتنے لوگ ہیں جنہوں نے دردمندی سے یہ جاننے کی کوشش کی ہو کہ یہ بریلوی ہیں کیا اور کتنے لوگ ہوں گے جنہوں نے صرف اسی پر اکتفا کی ہو کہ ہمارے بزرگ یہ کہا کرتے تھے سو ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

آج ہم آپ کو کسی کی تاریخ بتلاتے ہیں لیکن مخالفت کے جذبے سے نہیں تعلیم کے درجہ میں مطالعہ کے درجہ میں اور مطالعہ ہر انسان کا حق ہے اپنے مسلک کا ہو یا متوازی مسلک کا ——— ہمارا یہی نقطہ دعوت ہے اور یہی اصل مقصد ——— کہ اختلاف جہالت کی پیداوار ہے اور جہالت کا حل علم اور مطالعہ ہے جاہلی

تاریخ شرک

مناسب ہوگا کہ بریلویت پر بحث کرنے سے پہلے تاریخ شرک پر ایک نظر ڈالی جائے کہ بت پرستی اور مخلوق میں خالق کی صفات ثابت کرنا اس کی ابتداء کیسے ہوئی اور کب سے ہوئی۔ اس کے پس پشت تاویل کی کون سی راہ تھی جو سادہ مسلمانوں کو اس دلدل میں کھینچتی رہی۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ بدعات کیسے چلنے لگیں پھر مولانا احمد رضا خاں کی ان کاوشوں کا جائزہ لیا جائے گا جنہوں نے عوام کے شرک و بدعت کو ایک باقاعدہ دین و مذہب کی شکل دے دی ہے اور یہاں تک شرک و بدعات کو منظم کیا ہے کہ خود اہلسنت کی صف توڑ کر رکھ دی ہے۔

ان كنت لا تدري فتلك مصيبة　　　وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

(ترجمۂ احباب) خان صاحب! اگر آپ نہیں جانتے کہ آپ کی اس کارروائی سے حضور کی امت پر کیا گزری؟ تفرقے کی کتنی گہری آندھی چلی۔ تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ آپ کو پتہ نہ چل سکا اور اگر آپ جانتے تھے اور آپ نے جان بوجھ کر امت پر تفرقے کی یہ تیز تلوار چلائی ہے تو یہ اور بڑی مصیبت ہے اس کا اندازہ کون کر سکے۔

دنیا میں شرک کی ابتداء کیسے ہوئی؟

فقیہ شہیر سید الساجدین علامہ ابن عابدین الشامی لکھتے ہیں:-

اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد[1]

ترجمہ: بت پرستی کی ابتداء دنیا میں یوں ہوئی کہ نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ شرک کی ابتداء کا آغاز ان ملکوں سے ہوا جہاں بزرگوں کے ماننے والے ہیں جو ان مزارات کے پجاری بنے ہیں۔

علامہ شامی نے بت پرستی اور قبر پرستی میں تاریخی ربط بتلایا ہے کوئی حنفی اس کا انکار نہیں کر سکتا علامہ شامی حنفیہ کے نہایت لائق اعتماد بزرگ ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بریلوی علماء بت پرستی اور قبر پرستی کو

[1] شامی جلد ۱ ص۲۵۳

فلم تعبد حتی اذا ھلک اولئک وتنسخ العلم عبدت[1]

ترجمہ: یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک بزرگوں کے تھے جب ان کی وفات ہوئی تو شیطان نے اس قوم کے لوگوں کو سکھایا کہ جہاں یہ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے نام کے تھان بنا دو۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ اس وقت تو ان کی عبادت نہ ہوئی لیکن جب یہ لوگ بھی چل بسے اور لوگوں کو حقیقت حال کا علم نہ رہا تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔

دنیا میں شرک کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں لوگ ان بزرگوں سے ان کی زندگی میں برکت کی دعا لیتے تھے ان کی وفات پر لوگوں نے ان کے دربار بنا لیے تھان بنا ڈالے۔ جنہیں دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی تھی ایک نسل تک تو یہی حال رہا۔ اگلی نسل آئی تو ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ یہ اس گروہ میں شرک کی ابتدا تھی۔[2]

اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ بت پرستی دراصل بزرگ پرستی تھی۔ پتھر پرستی کبھی کوئی محض پتھر کے تصور میں نہیں ہو جاتا تھا جس نے بھی ان کی تعظیم کی اس تصور میں کی کہ اس کی یہ نیازمندی اس بزرگ کے آگے ہے اور وہی اس کے نفع و نقصان کا مالک ہے۔ جس کی یاد میں یہ پتھر کا نشان ہے۔

عرب میں بت پرستی کیسے آئی؟

آپ قوم نوح کے پانچ بزرگوں کا ذکر پڑھ چکے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب میں ایک جن نے ایک سردار عمرو بن لحی کو آواز دی کہ طوفانِ نوح میں قوم نوح کے پانچوں بت پانی کی لہروں نے جدہ کے ساحل پر لا ڈالے تھے اور یہیں وہ اب تک ریت میں دبے پڑے ہیں تم انہیں وہاں سے نکال کر موسم حج میں لوگوں کے سامنے رکھو۔ قوم نوح کی بت پرستی اس طرح اب عرب میں چلی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: میں نے عمرو بن لحی کو بت پرستی رائج کرنے کی سزا میں جہنم میں دیکھا ہے۔ وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹتے جہنم میں چل رہا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۲ [2] دیکھیے فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۵۳۵

بنا دیتے اور بزرگوں کی جو تصویریں انہوں نے بنائی ہوتیں وہ ان سجدہ گاہوں میں رکھ دیتے۔ یہ
لوگ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔

اس حدیث میں دو ملعون باتوں کا ذکر ہے، ۱۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور ۲۔ وہاں ان کے بت بنا کر رکھنا جس سے پیچھے ان کی یاد تازہ رکھتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ ان کی پرستش کرنے لگے۔ اس میں آپ نے ان کے مجسموں اور قبروں دونوں کو محلِ شرک ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے شرک کن کن راستوں سے یہاں تک پہنچا ہے۔

بریلویوں کا تصورِ شرک

قرآن کریم نے شرک کی سخت مذمت کی ہے اسے ناقابلِ مغفرت گناہ کہا ہے۔ بایں ہمہ بریلوی علماء شرک اسے ہی شرک بتائیں گے جو ہندوؤں کے ہاں مندروں میں ہو، وہ جو مسلمانوں کی صفوں میں کھلا شرک چل بھی رہا ہو تو ان علماء کو وہ نظر نہ آئے گا حیف علماء۔ جیسے کہ روٹ میں وہ اسے اولیٰ پر داشت بنا دیں گے۔ بشرطیکہ ان کے ہاں متعلق صاحب کی باقاعدہ خدمت حاصل کی گئی ہو۔

قبروں اور مزاروں پر اسلام کے نام سے کیا کچھ نہیں ہو رہا، یہ ہمارا ایک قومی المیہ ہے۔ جماعت اور بریلوی علماء کے مفادات بھی کچھ ان دو باتوں میں ہیں جن میں سادہ سُنی مسلمان نہایت بے دردی سے پس رہا ہے۔

شرک بت پرستی اور قبر پرستی دونوں میں

یہود و نصاریٰ کے انبیاء زیادہ وہی ہیں جنہیں ہم بھی خدا کے فرستادہ اور بھیجے ہوئے سمجھتے ہیں۔ ان اہل کتاب نے ان بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ حضور نے انہیں کسی تاویل کی راہ نہ دی۔ برملا انہیں لعنت خداوندی کا مورد کہا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں ٹھہرایا۔

انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا دو طرح سے ہے ایک یہ کہ سجدہ قبر کو ہو اور عبادت بھی اسی کی مقصود ہو

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷۷ جلد ۲ ص ۱۴۵

دوسرے یہ کہ سجدے میں رخ قبر کی طرف ہو لیکن عبادت اللہ کی کر رہے ہوں۔ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی لعنت کا موجب ہیں اور حرام ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں ان دونوں طریقوں کی تصریح کر کے ہر دو عمل کو حرام بتلایا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ لعنت ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو انبیاء و اولیاء کی تعظیم اور محبت کے لیے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں، اگرچہ ان کا مقصود ان بزرگوں کی عبادت نہ ہو۔[2]

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے قریب ان کی تربت کی نیت سے نماز پڑھنا گو اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہو ہرگز جائز نہیں۔ اس میں ان مزارات کی تعظیم کو ربّ العزت کی تعظیم میں شامل کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔ بریلوی علماء کا یہ کہنا کہ شرک صرف ہندوؤں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے۔ قبروں کی تعظیم اور ان پر مسجدوں کا بنانا شرک نہیں، یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ دنیا میں شرک کا شیوع قبر پرستی سے ہی ہوا ہے اور اس پر ہمارے پاس چودہ سو سال کی شہادت موجود ہے۔

قبر پرستی اور بت پرستی میں تاریخی رشتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے اس عمل کو محل لعنت بتایا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔ قبر پرستی کی تہ میں جو بت پرستی کی روح کارفرما تھی اور اسی سے شرک کا پودا نکلا جس نے بڑھتے بڑھتے ایک بڑے درخت کی صورت اختیار کر لی۔ حدیث شریف میں اس درخت کو نام ذات انواط ملتا ہے۔ آنحضرت کا غزوہ حنین کے موقع پر مشرکین کے ذات انواط درخت پر جو اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے، سے گزر ہوا۔ کسی صحابی نے جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے اور ذات انواط کی رونق اور جھنڈوں سے متاثر تھے حضرت سے یہ کہہ دیا ہمارے لیے بھی آپ ایک ذات انواط مقرر کر دیں۔ حضورؐ نے نہایت حیرت سے کہا، سبحان اللہ ——— اور فرمایا یہ تمہاری بات ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔ ہمارے بھی ایسے معبود بنا دیں جیسے بت پرستوں کے معبود ہیں ——— اس کے بعد فرمایا، تم پہلے لوگوں کی ڈگر کا ہو بہو نمونہ بن چلے ہو۔

حنین اور طائف کے درمیان ذات انواط ایک بیری کا درخت تھا۔ مشرکین اس کے ساتھ ہتھیار

۱؎ مدارج النبوۃ جلد ۱ صـ ۱۵۱ ۲؎ دیکھیے فتح الباری جلد ۲ صـ ۲۹

تعجب ہے بریلوی علماء پر جو شرک صرف اسے سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے مندروں میں ہو یا عیسائیوں کے گرجا گھروں میں ہو اور جو کچھ قبروں پر ہو رہا ہے اسے عطاء الٰہی کی اوٹ میں بزرگوں کا احترام، عین اسلام سمجھتے ہیں اور جو ان کے ساتھ شریک نہ ہو اس پر فتوے برسائے جاتے ہیں اور انہیں بزرگوں کا منکر کہا جاتا ہے

یہ تیسری صدی کی شہادت ہے اب چوتھی صدی میں آئیے۔ حضرت امام طحاوی ؒ (۳۲۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:-

لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیہا [1]

ترجمہ: قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو

قبر کو سترہ بنانا کیوں ناجائز ہوا؟ یہ اس لیے کہ اس میں قبر پرستی کا رنگ ہے اور اگر صاحبِ قبر کوئی بزرگ ہے تو اس میں اس کی تعظیم لپٹی ہے اور نماز میں صرف اللہ کی تعظیم چاہیے۔ شریعت نے اسی لیے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے کہ یہاں سے شرک پیدا ہوتا ہے ——— اور قبروں پر بیٹھنا اہلِ وہاں کی اموات سے منع ہے کہ اس میں مقابرِ مسلمین کی بے ادبی ہے۔ شریعت میں نہ قبر کی تعظیم ہے اور نہ کسی قسم کی بے ادبی جائز ہے۔ بے ادبی سے بچتے ہوئے وہاں بیٹھنا پڑے تو یہ جائز ہے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں:-

اما الجلوس لغیر ذالک فلم یدخل فی ذالک النھی وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ

سو حدیث مذکور میں قبر کی تعظیم اور بے ادبی دونوں سے روکا گیا ہے۔ تعظیم سے اس لیے کہ یہ شرک کا ایک زینہ ہے اور علمائے حق نے ہمیشہ قبروں کی تعظیم سے روکا ہے۔ مسلمانوں سے آدابِ محبت بجا لانے سے منع کیا ہے۔

اب آئیے ذرا پانچویں صدی میں چلیں۔ حضرت امام غزالی ؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:-

ان المسح والتقبیل للمشاھد عادۃ النصاریٰ والیہود [2]

ترجمہ: بے شک مزاروں کو چھونا اور بوسہ دینا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے بیان کر بوسہ دینے سے روکا ہے لیکن یہ اس لیے نہیں کہ مزارات سے تعظیم و محبت کا یہ معاملہ شرک کا زینہ بنے گا۔ یا یہ کہ یہ یہود و نصاریٰ کی راہ ہے بلکہ اس لیے کہ یہ مزاراتِ مقدسہ اس سے زیادہ تعظیم کے لائق ہیں۔ چنانچہ جذبۂ شوق اس نازک مرحلے میں آ کر رک جاتا ہے۔ اپنے دل پر جبر کرنا چاہتے ہیں

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ [2] احیاء علوم جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :-

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے، بلکہ چار ہاتھ
فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے
مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی۔[1]

دیکھیے بات وہی ہے جو امام غزالیؒ نے کہی تھی کہ مزار کو مس کرے نہ بوسہ دے لیکن وہاں اس
کی علت اور تھی ——— یہاں یہ ہے کہ مزار اس سے زیادہ آداب تعظیم چاہتا ہے ——— یہ انداز اس کے
خلاف ہے۔ مولانا یہ نہیں چاہتے کہ مزارات اور آستانوں کی اس حاضری میں کسی پہلو سے ادب میں کوئی
کمی رہ جائے۔ گو وہاں صریحاً شرک ہو رہا ہو۔ استغفر اللہ العظیم

علمائے حق نے یہ درس ہمیشہ اسلام کے عقیدہ توحید کے تحت دیئے ہیں۔ قبروں کی بے جا تعظیم کو شرک
کا زینہ بتلایا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بت پرستی قبر پرستی کی راہ سے ہی آئی ہے۔ حضرت امام فخر الدین رازیؒ
(۶۰۶ھ) لکھتے ہیں :-

انهم وضعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبيائهم واكابرهم وزعموا انهم
متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فان اولئك الاكابر تكون شفعاء لهم عند الله
ونظيره في هذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر
على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله[2]

کافر لوگ انبیاء اور اولیاء کے بت اس لیے بناتے تھے کہ ان کی پرستش سے وہ
بزرگ خوش ہوں گے۔ اس کی مثال اس زمانہ کے بہت سے لوگوں کا قبروں کی تعظیم میں
اس خیال سے مشغول ہوتا ہے کہ اس قبر کی تعظیم سے وہ بزرگ خوش ہوں گے اور وہ
ہمارے لیے دعا اور شفاعت کریں گے۔

یہ تقریباً عمل آج بھی آپ کو بریلوی حلقوں میں عام ملے گا۔ بریلوی علماء بت پرستی کا سارا بوجھ
جن عمل پر ڈال دیتے ہیں اور مسلمان کچھ بھی کرتے پھریں مجال ہے ان پر شرک کا چھینٹا تک گرنے دیں۔ یہ ان
کو ہر گمراہی اور بد اعتقادی کو کوئی نہ کوئی تاویل یا علمی استناد مہیا کر دیتے ہیں۔ اور ان کی دیگیں ہر وقت گرم
رہتی ہیں ؎ کوئی رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے

---

[1] فتاوےٰ رضویہ جلد ۴ ص۲۳۳ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ ص۲۳۸

اب آئیے ذرا ساتویں صدی میں چلیں ——— کیا علماء حق نے اس دور میں قبر پرستی کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور مسلمانوں کو اس خطرے سے نہیں ڈرایا؟ قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ خدا شرک کو ہرگز نہ بخشے گا، آخر کن لوگوں کو سنانے کے پیچھے ہے اور کن کو کہا جا رہا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی راہ پر نہ چلیں۔

قاضی ناصر الدین عبداللہ البیضاویؒ (۶۸۵ھ) جو آواز علماء حق کی ساتویں صدی کی آواز ہے آپ لکھتے ہیں۔

لما كانت اليهود والنصارى يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لشأنهم ويجعلونها قبلة يتوجهون في الصلوٰة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم ومنع المسلمين عن مثل ذلك فاما من اتخذ مسجدا في جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا التعظيم له ولا التوجه نحوه فلا يدخل في ذلك الوعيد[1]

ترجمہ: جب یہود اور نصاریٰ انبیاء کی قبروں پر تعظیمی سجدے کرتے تھے اور انہیں نماز وغیرہ میں قبلہ ٹھہراتے اور پھر (آہستہ آہستہ) انہیں (ان کے) بت بنا لیے تو حضور نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روکا لیکن اگر کوئی کسی نیک شخص کے قریب مسجد بنائے اور اس کے قریب رہنے سے برکت مقصود ہو تعظیم اور اس کی طرف توجہ مقصود نہ ہو تو وہ اس لعنت کی وعید میں نہ آئے گا۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) بھی اسی صدی کے نامور محدث ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

قال العلماء انما نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن اتخاذ قبره وقبر غيره مسجدا خوفا من المبالغة في تعظيمه والافتتان به فربما ادى ذلك الى الكفر كما جرى لكثير من الامم الخالية ولما احتاجت الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين والتابعون الى الزيادة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم حين كثر المسلمون وامتدت الزيادة الى ان دخلت بيوت امهات المؤمنين فيه ومنها حجرة عائشة رضي الله عنها مدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبيه ابي بكر وعمر رضي الله عنهما بنوا على القبر حيطانا مرتفعة مستديرة حوله لئلا يظهر في المسجد فيصلي اليه العوام ويؤدي الى المحذور[2]

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ [illegible]   [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible]

ترجمہ: علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور دوسروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے اس لیے منع کیا کہ ان کی تعظیم میں مبالغہ نہ کرنے لگیں اور کسی فتنہ میں نہ پڑیں کیونکہ بعض دفعہ ایسی بات کفر تک جا پہنچتی ہے جیسا کہ اقوام ماضیہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور جب صحابہ و تابعین کو مسلمانوں کی کثرت کے باعث حضورؐ کی مسجد میں اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور زیادتی یہاں تک بڑھی کہ امہات المومنین کے گھر بھی اس میں آگئے اور انہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گھر بھی تھا جس میں حضورؐ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مدفن ہیں انہوں نے قبر مبارک پر ایک اونچی سیدھی دیوار بنا دی تاکہ مسجد میں وہ قبریں نظر نہ آئیں اور عوام اس طرف دھیان کر کے نماز نہ پڑھنے لگیں اور وہ چیز نہ ہو جس سے شریعت نے پرہیز بتلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے مابین کچھ اولیاء ہوئے جن کے کچھ مرید تھے جب وہ فوت ہوئے انہوں نے ان کی تصویریں بنالیں اور کہا:۔

لو صورناهم كان أشوق لنا إلى العبادة إذا ذكرناهم[1]

ترجمہ: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ان کی یاد سے ہم میں شوقِ عبادت اور ابھرے گا۔

" اس وقت تو ایسا ہی رہا لیکن اگلی نسلوں کو شیطان نے ان کی عبادت پر لگا دیا اور انہیں بتلایا کہ انہیں ان کے وسیلے سے بارش ملتی تھی تاریخ بنی آدم میں پہلا بزرگ جس کی عبادت ہوئی اس کا نام ودّ تھا اور ان کا بت اسی نام پر بنا تھا۔

فكان أول ما عُبِدَ من دون الله ودّ الصنم . فإنه استمرت عبادته في القرون إلى زماننا هذا في العرب والعجم[2]

ترجمہ: اللہ کے سوا سب سے پہلے جو بت پوجا گیا وہ حضرت ودّ کے نام کا تھا... اس وقت سے اولیاء کرام کے نام پر بتوں کی عبادت اب تک چلی آرہی ہے عرب و عجم میں اسی طرح ہو رہا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بت پرستی کی ابتداء بزرگ پرستی سے ہوئی جو پرستی سے نہیں پتھروں کے بت

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ [illegible] [2] ایضاً صفحہ [illegible]

جن کے زعم سے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ وہ لوگ بتوں کے آگے سجدے بزرگوں اور فرشتوں کو ان میں دیکھ کر طور پر آباد کرتے تھے ورنہ اصل عبادت ان مقربین الٰہی اور انبیاء کرام کی ہوتی تھی ان پتھروں کی نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

انهم عمدوا الى اصنام اتخذوها على صور الملائكة المقربين في زعمهم فعبدوا تلك الصور تنزيلا لذلك منزلة عبادتهم الملائكة ليشفعوا لهم عند الله تعالى في نصرهم ورزقهم وما ينوبهم من امور الدنيا۔[1]

ترجمہ: انہوں نے بت بنائے جنہیں انہوں نے اپنے خیال سے ملائکہ مقربین کی شکل دی پھر انہوں نے ان بتوں کی اس طرح عبادت کی کہ وہ انہیں ان فرشتوں کی صورت سمجھتے تھے جو ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں، انہیں مدد دیتے ہیں اور رزق دیتے ہیں اور جو بھی انہیں دنیوی مصائب آئیں۔

مشرکین کہتے تھے جس طرح بادشاہ کے پاس جانے کے لیے پہلے ذریعہ اور واسطوں کی سفارش لی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے حضور بھی حاضری براہ راست نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ان مقربین اور فرشتوں کا سہارا ضرور لینا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

ليسوا عنده كالامراء عند ملوكهم يشفعون عندهم بغير اذنهم فيما احبه الملوك وابوه فلا تضربوا لله الامثال۔[2]

ترجمہ: یہ مقربین اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح نہیں جیسے بادشاہوں کے امراء ہوتے ہیں جو ان کی اجازت کے بغیر ان سے ان کی سفارش کر دیتے ہیں جسے وہ پسند کریں یا ان کا انکار کر دیں۔ اللہ کے لیے دنیا کی مثالیں نہ لاؤ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مشرکین ان بزرگوں کی قبروں سے ہی اپنے شرک کا آغاز کرتے تھے۔ فلما ماتوا عكفوا حول قبره في الارض۔ اور یہ سارا میلا ان کی قبروں پر ہی ہوتا تھا —— آپ کے سامنے مشرکین کے اس تصور برزخی کی یہ تصویر [illegible] کی شہادت گزر چکی ہے۔

۱؎ ایضاً جلد ۴ صفحہ [illegible]   ۲؎ تفسیر ابن کثیر سورۂ زمر جلد ۴ ص ۴۵

جب ان میں کی شفقت سے نا آشنا ہوں، اور جب ان کے معبودوں اور خدائی نشانوں کو
پہلو سے حرمت دیتی ہو تو اس طرح پھرتے ہیں جیسے شیر پھرے۔ جب سے
بشر کی حرمت دیتی ہو تو ان میں کوئی عنصر پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرتا تو جب انہیں
کچھ کھلانے پر آمادہ ہو جائے تو یہ اس سے دشمنوں کی جنگیں بڑھائیں گے اور
ان کے دل تک اس سے دوری اختیار نہ کریں گے

جب آپ نے ذرا نوعیں صدی میں چلیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وہ میں لوگ اپنے نیک لوگوں اور بزرگوں کے مجسمے ان سجدہ گاہوں میں رکھ دیتے، تو وہ ان کی قبروں کے پاس جاتے تھے۔
اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

وإنما فعل ذلك أوائلهم ليتأنسوا برؤية تلك الصور ويتذكروا أحوالهم
الصالحة فيجتهدون كاجتهادهم ثم خلف من بعدهم خلوف جهلوا مرادهم
ووسوس لهم الشيطان أن أسلافكم كانوا يعبدون هذه الصور ويعظمونها
فعبدوها فحذر النبي عن مثل ذلك سداً للذريعة المؤدية إلى ذلك[1]

ترجمہ: ان کے پہلوں نے تو ایسا اس لیے کیا تھا کہ وہ ان تصویروں کو دیکھ کر ان سے مانوس رہیں اور ان کے نیک اعمال کی یاد تازہ رہے، اور اسی طرح دین کے لیے محنت کریں جیسا کہ وہ محنت کرتے رہے۔ لیکن پھر ان کے بعد ان کے ایسے ناخلف آئے جو ان پہلوں کی نیت و مراد سے ناواقف تھے۔ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ میں ڈالا کہ تمہارے اکابر ان تصویروں کی پوجا کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجا لاتے تھے۔ سو تم بھی ان کی عبادت میں لگ گئے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے ایسا کرنے (ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے) سے منع فرمایا تاکہ وہ بات بھی عمل میں نہ آسکے جو آئندہ اس کفر تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکتی ہو۔

ذرا غور کیجیے یہ سجدہ گاہوں میں رکھے بت کیا صرف بت ہوتے تھے۔ یہ قبروں کی یاد اور نگاہ کش ہوتے تھے ——— مشرکین انہیں دیکھ کر کس عقیدت میں جھکے چلے جاتے تھے، پتھروں کی عقیدت میں یا ان بزرگوں

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۲۱

کی عقیدت میں جن کی قبروں کے پاس یہ سجدہ گاہیں بنی ہوتی تھیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرک کی جڑ مجسمہ پرستی سے نہیں قبر پرستی سے لگی ہے، اور اگر اب بعض لوگ بنام اسلام ان بزرگوں کے مجسموں پہ نہیں ان کے مزاروں پہ سجدہ ریز ہوتے ہیں تو اس میں یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کو ایک مانتے ہوئے ان مقابر کے لیے وہی بدنی تعظیم بجا لاتے ہیں جو بدنی تعظیم خدا کے حضور بجا لائی جاتی ہے۔ یہ کہتے ہیں فرق بدنی جھکاؤ اور تعظیم میں نہیں ہماری نیت میں ہے۔ خدا کے حضور ہم عبادت کی نیت سے جھکتے ہیں اور یہاں ہم انتہائے تعظیم میں رہتے اور جھکتے چلے جاتے ہیں ـــ افسوس کہ یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ عبادت میں انتہائے تعظیم ہی کا تو نام ہے جس کا تم خود اقرار کر رہے ہو۔ کچھ خدا کا خوف کرو ـــ ایسی غلطی ہیر پھیر سے اپنے آپ کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔

اب ذرا دسویں صدی کا حال سنیئے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کی تعظیم میں ساتھ نہ ملاؤ۔ ایمان لانے کے بعد بندہ براہ راست خدا کے قریب آ گیا ہے اور اب خدا مومن کے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ آپ درر الغواص علی فتاوی سیدی علی الخواص میں لکھتے ہیں:۔

> اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان عبادت میں واسطہ[1] نہ بناؤ نہ نبی کو نہ کسی دوسرے کو ـــ رسول تو شریعت کی طرف کرنے میں واسطہ بنتے ہیں نہ کہ اپنی طرف بلاتے ہیں ـــ جب ایمان حاصل ہو گیا تو دل میں اللہ کا قرب پیدا ہو گیا ـــ اب اللہ تعالیٰ مومن کی اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور جتنا رسول اس شخص کے قریب ہے اس سے بھی زیادہ اللہ اس بندے کے قریب ہیں ـــ رسول کی طرف سے اب صرف شریعت کی تبلیغ کا کام جاری رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس پر غیرت کرتی ہے کہ امت کے لوگ اللہ کو چھوڑ کر رسول کے پاس ٹھہرے رہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ

---

[1] واسطہ اور وسیلہ عمل میں تو ہے عبادت میں نہیں۔ عبادت میں بندہ براہ راست اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے جماعت کی نماز میں امام خدا کی نمائندگی نہیں کرتا نمازیوں کی نمائندگی کرتا ہے اور ان سب کی طرف سے کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین جمع کا لفظ بتاتا ہے کہ اب مقتدی کو یہ خود کہنے کی حاجت نہیں رہی۔

کہ آپ نے اس وقت کے بڑے بڑے شرک کو قبروں سے وابستہ نہیں بتلایا؟ اگر شرک انہی خانقاہوں پر پرورش پاتا ہے جیساکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں تو اس وقت کے بریلوی علماء ان مزارات پر جاکر جہلاء کو ان حرکات شرکیہ سے کیوں منع نہیں کرتے۔ علماء دیوبند جب انہیں شرک و بدعت سے روکتے ہیں تو یہ بریلوی علماء انہی ان جہلاء کو علمی سہارا دینے لگتے ہیں۔ انہیں تاویلوں کی راہیں بتاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان اہل بدعت کو اب باقاعدہ اہل السنۃ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے اور عام لوگ کچھ نہیں پاسکتے۔ اہل بدعت اور اہل سنت میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ یہ دونوں کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ سنت و بدعت کیسے جمع ہو سکتی ہیں!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی اسی صدی کے نامور بزرگ ہیں۔ آپ بھی قبر پرستی کو صریح لفظوں میں شرک بتلاتے ہیں۔ قبروں کے پاس اہل مقابر کی تعظیم کے لیے چراغ جلانا ممنوع بتاتے ہیں۔

چراغ افروختن بر قبور ممنوع است مگر آنکہ در سایہ آں کار می کنند[1]

ترجمہ۔ قبروں پر چراغ جلانا منع ہے ہاں اگر کسی زندہ کو اس کی روشنی میں کام کرنا ہو تو اس زندہ کے لیے (وہاں چراغ جلانا ناجائز نہیں)۔

قبروں کی زیارت اہل قبور کو نفع پہنچانے اور ان کے لیے طلب مغفرت اور طلب رحمت کے لیے مشروع ہے۔ اپنی دنیوی مرادات مانگنے کے لیے نہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ جو زیارت اس مقصد کے لیے ہو ۔۔۔ کہاں کی بدعت ناپسندیدہ بات نہ ہو تعجب ہے۔[2]

حدیث میں قبروں پر سجدہ گاہیں بنانے اور چراغ جلانے کی ممانعت صریح لفظوں میں وارد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو بار بار قبروں پر آتی ہیں اور ان پر سجدہ گاہیں بنانے والوں پر اور چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔

اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے

---

[1] مدارج النبوت جلد ۱ صفحہ ۳۲۳ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۳

كما فعل اليهود والنصارى بقبور انبيائهم وجعلوها عيداً وموسماً بمنزلة الحج۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث کہ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ، اس میں تحریف دین کا علیحدہ جڑ سے کٹنے کی تحریک رد کرنے کا اشارہ ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عید کی طرح دوڑ دوڑ کر آنے کا موقع اور حج کا سا ایک موسم بنا دیا تھا۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ ان قبروں کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس میں تعظیم خداوندی میں قبروں کو شامل کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی یا سالار مسعود غازی کی قبروں پر اس لیے گیا کہ وہاں وہ اپنے لیے دعا کرے گا اور وہاں وہ ضرور قبول ہوگی تو اس نے بڑا گناہ کیا اور وہ ہے جیسے کوئی ہُبل کو پوجے یا لات و عزیٰ کو پکارے۔[2]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان اہل زمانہ خصوصاً آنانکہ باطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ بہ قبور و آستانہا مے روند و انواع شرک بعمل آرند۔[3]

ترجمہ: اگر تو ان مشرکین کے حالات اور اعمال سامنے لانے میں متوقف ہے تو اس زمانے کے پیشہ وروں کو دیکھ خصوصاً ان کو جو اسلامی سلطنت کے ساتھ سکونت پذیر ہیں کہ قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کا شرک عمل میں لاتے ہیں۔

پھر آگے چل کر ایک جگہ لکھتے ہیں۔

وإن شئت ان ترى انموذج هذا الفريق فانظر اليوم الى اولاد المشائخ والاولياء ماذا يظنون بآبائهم فتجدهم قد افرطوا في اجلالهم كل الافراط وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔[4]

ترجمہ: اور اگر تو چاہے کہ ان لوگوں کا کوئی نمونہ دیکھ پائے تو اولیاء و مشائخ کے سجادہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۷۷ [2] دیکھیے تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ ص ۴۵ [3] الفوز الکبیر فارسی ص ۳ [4] الفوز الکبیر عربی ص [illegible]

قبروں پر جا کر دیکھو! جناب پ دُر کے بارے میں کیا کیا گمان کئے بیٹھے ہیں۔ تو دیکھے گا کہ وہ ان
کی تعظیم میں پوری طرح پر فخر یا کو تیار ہیں اور یہ خام جانا لیں گے کہ کس مرتبہ ان کا بچا ہے

ان عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں صدی میں بدعت (اپنے وسیع ترین مفہوم میں) اپنے پورے
پھیلاؤ کے ساتھ موجود تھی۔ ان دنوں شرک قبر پرستی سے قبر پرستی میں زیادہ نمایاں تھا جتنا قبر پرستی اور اصنام پرستی تھا
میں جب دونوں رائج تھے تو قبر پرستی ان دونوں ان جاہل مسلمانوں کی رونق کا مرکز تھی

آپ ہی بتائیں کہ کیا بارہ سو سال کے اکابر علماء نے اہل سنت نے ان قبروں پر ہونے والے میلوں،
چڑھاووں اور اجتماعات کو شرک کے مرکز نہیں ٹھہرایا؟ ان میلوں اور عرسوں میں ہونے والے اعمال کو کیا شرک و بدعت
سے متعلق نہیں فرمایا گیا؟ شرک و بدعت کے کوئی سینگ نہیں ہوتے ہیں کہ جب تک وہ سینگ نظر نہ آئے شرک
و بدعت کا کوئی منکر ہو رہا ہے کرتے جاؤ۔ چودھویں صدی میں ایک جماعت علماء کی تیار ہو چکی ہے جو تبارکہ
ہر بات کو علمی سند دیکھنے کی۔ وہ مجتہدی کی دولت لوٹیں گے اور خود ان کا ایمان لٹے گا۔

اب آیئے ذرا تیرہویں صدی میں چلیں اور دیکھیں کیا علماء حق نے قبروں پر لگنے والے میلوں، عرسوں
اور رسوم کو شرک، بدعت اور تحریف دین حق سے متعلق نہیں ٹھہرایا؟ اس وقت ہمارے سامنے حضرت
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) اور مفتی بغداد حضرت علامہ
محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) کی تفسیریں اور فتاوے کھلے ہیں۔ ان سے مسلمانوں کی تیرہویں صدی کا حال پورا دیکھا
جاسکتا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها
واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسًا۔[1]

ترجمہ: جو جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں پر جو سجدے اور ان کے گرد طواف اور ان
پر چراغاں کرتے ہیں اور عیدوں کی طرح وہاں میلے کرتے ہیں اور ان کا نام عرس رکھتے
ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔
اور یہ بھی لکھتے ہیں:۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد، ص۶۵

آنچہ بر قبور اولیاء عمارات رفیع بنا می کنند و چراغاں روشن می کنند و از ایں قبیل
ہرچہ می کنند حرام است۔[1]

ترجمہ: اور یہ جو اولیاء اللہ کی قبروں پر اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں اور ان پر چراغ
روشن کرتے اور اس طرح کے جو کام بھی کرتے ہیں سب حرام ہے۔

پھر آپ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

پیغمبر خدا بر شمع فروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگاں را لعنت گفتہ۔[2]

ترجمہ: حضور نے قبر پر چراغ جلانے والوں اور وہاں سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو دیکھئے۔ آپ ان قبر پرستوں کو شیعوں کا ساتھی ٹھہراتے
ہوئے اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

وہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں و مجاوران قبور و جلالیاں
و مداریاں۔[3]

ترجمہ: اور یہی حال مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا ہے جیسے تعزیے بنانے والے
اور مجاور اور جلالی، ملنگ اور مداری وغیرہم ہیں۔

پھر تفسیر عزیزی میں پیر پرستوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

بعضے پیر پرستاں از زمرۂ مسلمین در حق پیران خود امداد را ثابت می کنند و در وقت
احتیاج بہمیں اعتقاد با آنہا استعانت می نمایند۔[4]

ترجمہ: مسلمانوں میں سے کئی پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں امداد کو ثابت
کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسی عقیدہ سے ان سے امداد کرتے ہیں۔

اب مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) سے تیرہویں صدی کے نصف ثانی کا حال سنیئے:۔

وقد رأينا كثيرا من الناس على هذه الصفة التي وصف الله تعالىٰ بها
المشركين يهشون لذكر الاموات يستغيثون بهم ويطلبون منهم ويطربون
من سماع حكايات كاذبة عنهم توافق هواهم واعتقادهم فيهم ويعظمون

۱؎ ارشاد منہ ص ۹۵ ۲؎ ارشاد الطالبین ص ۲۰ ۳؎ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۳ ۴؎ تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص

من يحكي لهم ذلك ويتقبضون من ذكر الله تعالى وحده ونسبة الاستقلال
بالتصرف اليه عز وجل ويسرون بما يدل على مزيد عظمته وجلاله وينفرون
ممن يفعل ذلك كل النفرة ينسبونه الى ما يكره وقد قلت يوما لرجل
يستغيث في شدة ببعض الاموات وينادي يا فلان اغثني فقلت له قل
يا الله فقد قال سبحانه (واذا سألك عبادي عني فاني قريب اجيب
دعوة الداع اذا دعان) فغضب وبلغني انه قال فلان منكر على الاولياء
وسمعت عن بعضهم انه قال الولي اسرع اجابة من الله عز وجل وهذا
من الكفر بمكان نسأل الله تعالى ان يعصمنا من الزيغ والطغيان[1]

ترجمہ: اور ہم نے اہل بدعت کے لوگ جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بتلائی ہے بہت دیکھے
ہیں جو فوت شدہ بزرگوں کا ذکر سن کر جھومتے ہیں ان سے فریاد کرتے ہیں اور ان
سے حاجتیں مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں جھوٹی حکایات جو ان کی نفسانی خواہشات
اور اعتقاد کے مطابق ہوتی ہیں سن کر خوشی میں آتے ہیں اور جو ان حکایات کو بیان کرے اس
کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ واحد کا ذکر کیا جائے اس کے مستقل بالتصرف
ہونے کا بیان ہو وہ بات کہی جائے جو اس کے مزید جلال و عظمت کا پتہ دے تو وہ
رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں (ذکر سے گھبرا جاتے ہیں) اور جو ایسا (بیان) کرے اس سے بڑی
نفرت سے بھاگتے ہیں اور اسے ناپسندیدہ باتوں سے نسبت دیتے ہیں ایک دن میں
نے ایک شخص کو جو کسی سخت مصیبت میں کسی فوت شدہ بزرگ سے فریاد کر رہا تھا اور
کہہ رہا تھا اے فلاں میری فریاد رسی کر، کہا کہ یا اللہ کہہ خدا نے خود کہا ہے جب تجھ
سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو بتا دے کہ میں قریب ہوں میں
بلانے والے کی پکار کو سنتا ہوں تو وہ غصے میں آگیا اور مجھے بات پہنچی اس نے کہا کہ
یہ شخص ولیوں کا منکر ہے اور میں نے ان میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ ولی خدا
سے زیادہ جلدی پکار کو سنتے ہیں اور یہ کفر کا ایک شاخ ہے ہم خدا سے اس کی . . .

---

[1] روح المعانی جلد ۲۴ صـ

طلب ان سے حفاظت مانگتے ہیں۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وممّا تقشعر منه الجلود وتصعر له الخدود الکفرة اصحاب الاخدود فضلاً عن المؤمنین بالیوم الموعود ان بعض المتشیخین قال لی وانا صغیر ایاك ثم ایاك ان تستغیث باللّٰه تعالیٰ اذا خطب دهاك فان اللّٰه لا یعجل فی اغاثتك ولا یهمه سوء حالتك وعلیك بالاستغاثة بالاولیاء السابقین فانهم یعجلون فی تفریج کربك ویهمهم سوء ما حل بك فمج ذلك سمعی وهمی دمعی وسألت اللّٰه تعالیٰ ان یعصمنی والمسلمین من امثال هذا الضلال المبین ولکثیر من المتشیخین الیوم کلمات مثل ذلك[1]

ترجمہ۔ اور جس بات کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اصحاب الاخدود کافروں کے چہرے سکڑ جائیں قطع نظر ان کے جو قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب میں چھوٹا تھا تو مجھے ایک جعلی شیخ نے مشورہ دیا کہ تمہارے مصیبت کے وقت کبھی خدا سے فریاد نہ کرنا کیونکہ وہ کبھی جلدی تیری فریاد رسی نہ کرے گا اور نہ اسے تیری بری حالت کا احساس ہوگا۔ سو تجھے پچھلے اولیاء کرام سے فریاد رسی کرنی چاہیئے۔ وہ تیری تکلیف دور کرنے میں جلدی کریں گے اور تیری بدحالی نے انہیں تیری فکر میں ڈالا ہوتا ہے۔ میرے کان اس کی بات سے بند ہونے لگے اور میرے آنسو جاری ہو گئے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے اور مسلمانوں کو اس کھلی گمراہی سے بچائے اور آج کتنے ہی بناوٹی لوگ ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

انت خبیر بان النّاس الیوم اذا اعتراهم امر خطیر وخطب جسیم فی بر او بحر دعوا من لا یبصر ولا ینفع لا یری ـــ ولا یسمع فمنهم من یدعوا الخضر والیاس ومنهم من ینادی ابا الخمیس والعباس ومنهم من یستغیث باحد

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

ما تشاء ومنهم من يخرج إلى شيخ من مشائخ الأمة أخرى فيهم أحدا يخص مولاه بتضرعه ودعاه ولا يكاد يمر له ببال أنه لو دعا الله تعالى وحده ينجو من هاتيك الأهوال فبالله تعالى عليك قل لي أي الفريقين من هذه الحيثية أهدى سبيلا وأي الداعيين أقوم قيلا وإلى الله تعالى المشتكى من زمان عصفت فيه ريح الجهالة وتلاطمت أمواج الضلالة وخرقت سفينة الشريعة واتخذت الاستغاثة بغير الله تعالى للنجاة ذريعة وتعذر على العارفين الأمر بالمعروف وحالت دون النهي عن المنكر صنوف الحتوف[1]

ترجمہ: اور تم جانتے ہو کہ آج بھی لوگوں کو خشکی میں یا سمندر میں کوئی بڑا طوفان کا سا اور خطرناک حادثہ پیش آجائے تو وہ انہیں پکارتے ہیں جو نہ نفع دے سکیں نہ نقصان نہ وہ دیکھ سکیں نہ سن سکیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو خضر اور الیاس کو پکارتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو کسی امام کے نام کی دہائی دیتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو ابوالخمیس اور حضرت عباس کو پکارتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو مشائخ امت میں سے کسی شیخ کے پاس پہنچے ہوں اور تو ان میں سے کسی کو نہ دیکھے گا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاجت کے لیے پکارے اور اس سے زاری کرے اور کسی کو خیال تک نہیں آتا کہ اگر وہ صرف خدا واحد کو اپنی تکلیف میں پکارے گا تو وہ ان خطرات سے بچ سکے گا۔ سو اے مسلمان میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس حیثیت سے دونوں گروہوں میں سے کون سیدھی راہ پر ہے اور دونوں داعیوں میں سے کس کی بات پکی ہے اور اللہ کے حضور میں میری شکایت ہے اس زمانے کی جس میں جہالت کی آندھیاں بڑی تیزی سے چل رہی ہیں اور گمراہی کی موجیں تلاطم خیز ہیں۔ شریعت کی کشتی ٹوٹ چکی ہے غیر اللہ کے آگے فریاد رسی کرنے کو نجات کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے اور حق پہچاننے والوں کے لیے نیکی کی تعلیم دینا مشکل ہو گیا ہے اور منکرات سے روکنے کے لیے طرح طرح کی موتیں نظر آرہی ہیں۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۰۵

اہل بدعت نے اولیاء اللہ کے بارے میں جو مختار کل کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے اس میں وہ اللہ رب العزت کو کلیۃً فارغ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ چھٹی پر چلے گئے ہیں اور اب کائنات کا سارا کام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر اولیاء کرام چلاتے ہیں۔ زمین و آسمان اور عرش و کرسی پر بس انہی کا قبضہ ہے۔ ہر علاقے کے علیحدہ علیحدہ بزرگ ہیں جو اس علاقے کی حاجتیں پوری کرتے ہیں ــــ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی مدبر کائنات مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت پیران پیر کو بھی امور کائنات میں متصرف جانتے ہیں علی وجہ الاشتراک لا علی وجہ الاستقلال۔

علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ پیدا کرنے میں، مالک ہونے میں اور متصرف ہونے میں کوئی بھی خدا کا شریک نہیں۔ نہ بالذات اور نہ بالتبع کہ خدا نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ لیکن اللہ رب العزت کے سوا کوئی استقلالاً کائنات میں تصرف کی طاقت رکھتا ہے نہ اشتراکاً ــــ ہر عبادت کے لائق وہی ہے جس کے یہ سب اختیارات ہوں۔ خدا کی صفات کو روحانی کی اوٹ میں مخلوق کے لیے ثابت کرنا اگر شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے۔

(الذی له ملك السموات والارض) ای له سبحانه خاصة دون غیره
لا استقلالا ولا اشتراکا[1]

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی ذات کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں۔ نہ استقلالاً اور نہ اشتراکاً۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

لا شرکة ولا استقلالا من حیث الملك والتصرف والاحیاء والاماتة[2]

ترجمہ۔ مالکیت میں اور تصرف میں زندگی اور موت دینے میں نہ کوئی خدا کے ساتھ علی وجہ الاشتراک شریک ہے نہ علی وجہ الاستقلال ــــ یہاں ذاتی اور عطائی کی کسی تاویل کو راہ نہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

(له ما فی السموات والارض) خلقا وملکا وتصرفا لیس لاحد سواه

---

[1] روح المعانی جز ۔ ص [illegible] [2] ایضا جلد [illegible]

عزوجل استقلالاً ولا شریکہ فلا یستحق العبادۃ فیہما غیرہ ۰
سبحانہ وتعالیٰ[1]

ترجمہ: تخلیق میں، ملکیت میں اور تصرف میں خدا کا کوئی شریک نہیں نہ مستقل طور پر نہ اس کے واسطے سے تو آسمانوں اور زمین میں اس ایک سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔

اسلام کی شرک کے خلاف ساری مہم اصل میں اسی چور دروازے کی روک تھام ہے، جس میں کائنات میں دوسروں کا تصرف جو خدا کے دیئے ہوئے اسباب سے نہیں، مافوق الاسباب راہ سے ہو عطاء اور اشتراک کی صورت میں ثابت کیا جاتا ہے کیونکہ خدا کے ساتھ علی وجہ الاستقلال اب تک کسی نے کسی کو شریک نہیں مانا۔ شرک کی یہ سب آفتیں اسی خود عطاء کے سائے میں در آمد کی جاتی ہیں۔ امام فخرالدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

اعلم انہ لیس فی العالم احد یثبت للہ شریکاً یساویہ فی الوجود والقدرۃ والعلم والحکمۃ وھذا مما لا یوجد الی الآن[2]

ترجمہ: تم جان لو کہ جہان میں کوئی ایسا مشرک نہیں جو اللہ کے لیے ایسا شریک ثابت کرے جو وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اس کے برابر ہو اور ایسا مشرک اب تک کہیں نہیں پایا گیا۔

مشرکین جن کو خدا کے شریک ٹھہراتے تھے اسی عقیدے کے ساتھ ٹھہراتے تھے کہ یہ اختیارات خدا کی عطا سے پائے ہوئے ہیں اور یہ ہمارا خدا کے حضور میں واسطہ ہیں وہ انہیں واسطہ سمجھ کر معبود ٹھہراتے تھے۔ امام صاحب آگے چل کر ان کا عقیدہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

انما ھی الوسائط بین اللہ تعالیٰ وبین البشر[3]

ترجمہ: بے شک یہ وسیلے ہیں اللہ کے اور انسانوں کے مابین۔

اسی سے یہ عقیدہ ابھرا کہ جب یہ خدا اور نوع انسان کے درمیان واسطے ہیں تو خود نوع انسان میں سے نہ ہوں گے، انہیں بشر نہ کہا جائے گا۔ استغفراللہ

---

[1] روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۹۶ [2] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ [3] ایضاً صفحہ ۱۱۱

بریلوی حضرات نے ایک خدا کے ساتھ کائنات میں تصرف کرنے، مصیبت زدوں کی امداد کرنے، امداد کی داد رسی میں اور کن کن کو شریک کر رکھا ہے اس کی ایک طویل فہرست ہے ان کے ہاں ہر علاقے اور شہر کے اپنے اپنے حاجت روا ہیں اور بریلوی مرد اور عورتیں انکی درگاہوں پر حاضری دے کر ان سے مدد کی فریاد کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

انبیاء و مرسلین اولیاء و علماء و صالحین سے ان کے وصال کے بعد بھی استعانت اور استمداد جائز ہے اولیاء بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں[1]

اس عبارت کے دوسرے حصہ میں انبیاء کا نام نہیں لیا کیونکہ انبیاء کی قبریں ہر شہر میں نہیں ملتیں۔ ولیوں کی درگاہیں سچی یا جھوٹی البتہ ہر شہر اور قصبے میں ملتی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے عوام کی رہنمائی کے لیے یہاں انبیاء کا نام نہیں لیا ورنہ ان کا اپنا عقیدہ یہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت روا مشکل کشا اور دافع البلاء (مصیبتوں کو دفع دینے والا) مانتے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے وہ تو جبرائیل علیہ السلام کے بھی حاجت روا ہیں[2]

دوسرے نمبر پر حضرت علیؓ مشکل کشا ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

پکار علی کو کہ مظہر عجائب ہیں تو انہیں مصیبتوں میں اپنا حاجت روا پائے گا (اس طرح پکار) سب پریشانیاں اور غم آپ کی ولایت سے دور ہو جائیں گے یا علی یا علی یا علی[3]

تیسرے نمبر پر ان کے ہاں شیخ عبد القادر جیلانی ہیں۔ ان کی طرف ان لوگوں نے یہ بات منسوب کر رکھی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

من استغاث بی فی کربۃ کشفت عنہ ومن نادانی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ قضیت حاجتہ۔

ترجمہ: جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے فریاد رسی کرے اس کا رنج و غم دور ہو گا اور جو کوئی سختی کے وقت مجھے پکارے میرا نام لے کر تو اس کی شدت رفع ہو گی اور

---

[1] ...... ص ...... [2] ایضاً [3] الامن والعلیٰ ص ...

جو کسی حاجت میں مجھے رب کی طرف وسیلہ لے جائے اُس کی حاجت پوری ہو گی۔[1]

بریلوی ان سے طلب حوائج کے لیے ایک نماز بھی پڑھتے ہیں جس کا نام اُن کے ہاں نماز غوثیہ ہے۔

ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے گیارہ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف شمالی جانب گیارہ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے اور اپنی حاجت مانگے اور یہ شعر پڑھے:

اید رکنی ضیم و انت ذخیرتی
واظلم فی الدنیا و انت نصیری[2]

ترجمہ: کیا مجھے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے جب کہ آپ میرا ذخیرہ اعتماد ہوں اور کیا مجھ پر ظلم ہو سکتا ہے درحالیکہ آپ میرے مددگار ہوں۔

بریلوی عقیدے سورج بھی آپ کو سلام کرتا ہے تو طلوع ہوتا ہے ورنہ اس کی کیا مجال کہ روشنی پا سکے یا روشنی دے سکے۔ یہ سب فیض حضرت پیران پیر کا ہے جو اللہ رب العزت کے نائب بن کر پوری دنیا کو چلا رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے زندگی بھر خدا سے کبھی مدد نہیں مانگی یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نماز میں ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھتے حضرت سرکار بغداد کی طرف صرف ہمت و پوری توجہ پھیر(نا) کر کے لیتے ہوں اس کی وضاحت بریلوی علماء ہی بہتر کر سکتے ہیں۔

بہرحال آپ نے فرمایا:۔

میں نے جب بھی مدد طلب کی یا غوث ہی کہا ——— ایک مرتبہ میں نے ایک دوسرے ولی سے مدد مانگنی چاہی مگر میری زبان سے ان کا نام ہی نہ نکلا ——— زبان سے یا غوث ہی نکلا۔[3]

ان تین حضرات کے علاوہ یہ لوگ (بریلوی حضرات) ان تین سے بھی فریاد رسی کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھیے بکات استمداد رسائل بریلویہ جلد ۔ قادری ترقیات ۔ دیکھیے ہو ، کرامات کے صفحات ۔

۱۔ احمد بن علوان　　۲۔ سید احمد بدوی　　۳۔ احمد زروق

ان کے بارے حضرت ابن علوان اس وقت مدد کرتے ہیں جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ حضرت انہیں وہ چیز لا دیتے ہیں۔

جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس لا دے تو کسی اونچی جگہ پہ قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے، پھر سید احمد بن علوان کو اور پھر یہ کلمات پڑھے اے میرے آقا احمد بن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔[1]

احمد بن علوان کو کہنا کہ میری چیز مجھے دے دے یہ تصور ہو سکتا ہے کہ وہ چیز اٹھائی بھی انہی نے ہو ـــــ کیا یہی علماء کا احترام ہے؟

۲۔ حضرت سید احمد بدوی سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پہ حاضر ہو کر اپنی حاجت مانگے میں اس کی اس حاجت کو پورا کر دوں گا[2]

وہ یوں کہے:

یا سیدی احمد بدوی میرا ساتھ دیجئے۔[3]

علامہ شامی نے ردالمحتار کی اس عبارت پہ کہ اولیاء کرام کی قبروں پر جس قسم کی نذریں مانی جاتی ہیں وہ سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں جب تک انہیں فقراء پہ خرچ کرنے کی نیت نہ ہو ـــــ سید احمد بدوی کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے لیے جو نذر مانی جائے وہ بھی ناجائز ہوگی۔[4]

۳۔ تادِلی تو آپ پہلے پڑھ آئے ہیں اب تادِلی یا زروق بھی پڑھ لیں۔ یہ دو نام ہیں ایک تادلی اور دوسری یا زروق۔ دونوں اپنے مریدوں کی مشکلات میں مشکل کشا ہیں۔ بدعتیوں نے حضرت احمد زروق سے یہ روایت نقل کر رکھی ہے۔

---

[1] جاء الحق ص۱۹۹ [2] نور الابصار [illegible] جلد ۱ ص[illegible] [3] ایضاً ص[illegible]
[4] رد المحتار علی الدر المختار جلد ۲ ص[illegible]

یہ تیرہویں صدی سے پہلے گزر رہے تھے اب چودھویں صدی کا حال ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ آیا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کیا گزر رہی ہے اور کس طرح جاہل مسلمانوں کو شرک نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مگر بریلوی علماء ان کی اس حالت زار پر رحم نہیں کھاتے۔ ان کی ہمیشہ کوشش نہیں ہوتی کہ ان درگاہوں اور خانقاہوں کے پجاریوں کو شرک سے نکالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء کی خانقاہوں پر جانے والے شرک کے ذمہ دار یہود و نصاریٰ پر لعنت کریں اور یہ علماء اولیاء عظام کی درگاہوں پر جانے والے شرک پر بھی زبان تک نہ کھولیں۔ وہ شرک کے جتنے بھی موجبات ہو سکتے ہیں سب ہندوؤں اور عیسائیوں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور جاہل مسلمانوں کو یہ باور کرا دیں کہ تم جو بھی کرو درست ہے۔ شرک کبھی تمہارے قریب بھٹک نہیں سکتا کیونکہ تم مسلمان ہو۔ (مختصراً)

بریلوی دور عمل میں پھر ہندوانہ نظریات نئے سرے سے جنم لے رہے ہیں اور یہ ان کے علماء اور پیروں کی روش سے صرف نظر ہو رہے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

یہ چودہ صدیوں کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ شرک اور قبر پرستی کس طرح ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ بت پرستی اور قبر پرستی کس طرح اپنے مقصد میں ایک ہیں۔ یہ کہنا کہ شرک تو بت پرستی ہے قبر پرستی میں نہیں کتنا بڑا دھوکہ ہے جو یہ بریلوی علماء اپنے عوام کو دے رہے ہیں۔ بریلوی علماء کی یہ فکری جنگ علماء دیوبند سے نہیں بلکہ خود اللہ اور رسول کے خلاف ہے۔ اس پس منظر میں اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ہندوانہ بریلویت سے پھر زندہ ہو رہی ہیں۔ آئیے اب ہم اسے اس زاویے سے دیکھیں اور غور کریں کہ مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیرو کس حد تک اس میں ملوث ہیں۔

شرک کے یہ مباحث ہیں جو مولانا احمد رضا خان سے پہلے آ کر جگہ پا چکے تھے۔ بریلوی علماء نے انہیں پوری طرح سپورٹ کرنے کی کوشش کی ہے اور قوم کو پھر سے شرک کے گھاٹ لا بٹھایا ہے۔ بریلوی علماء ان میں اتنے آگے نکلے ہیں کہ وہ مولانا احمد رضا خان کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان عورتوں کے مزاروں پر جانے کے حق میں نہ تھے۔ مگر آج اولیاء کرام کے مزارات پر عرسوں میں رونق ہی عورتوں سے بنتی ہے۔ علماء حضرات دیکھتے ہیں۔ اور ان بدعتوں کی جگہ کرامات سنا کر مجمع کو گرما دیتے ہیں۔ مجاور پھر نہیں

سکھا دیتے ہیں اور یہ جیو مجاور سنبھالے مزار شریف پر الوداعی فاتحہ پڑھتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں
—— مجال ہے مشکلات پر کسی طرح کی نکیر کریں یا کم از کم عورتوں کی حاضری کو ہی خلاف شرع کہیں مولانا
احمد رضا خاں تو اتنے مجاوروں سے ڈرے ہوئے نہ تھے۔ آپ ان مجاوروں پر طنز کرتے ہوئے لکھتے
ہیں۔

> وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں۔ انہی میں وہ
> مجہول مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے بنتی آئی ہے یہانتک
> کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنا کہ عالم کون
> ہے؟ سب شیاطین ہیں۔[1]

عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[2]
> جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے
> ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔[3]
> جب قبر پر آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب چلتی ہے اللہ کی
> لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[4]

قارئین سے التماس ہے کہ وہ ایک بریلوی مفتی یا عالم ایسا تلاش کریں جو ان مزاروں، درگاہوں
اور عرسوں پر جا کر بے حیائی کے اڈوں کا سد باب کرے اور عورتوں کا وہاں جانا خلاف قانون قرار دے۔
کیا آپ کسی ایسے عالم کو پا سکیں، سچ یہ ہے کہ بریلویت وہ نہیں جو مولانا احمد رضا خاں کے وقت میں تھی بلکہ بریلوی
عوام اور ان کے موجودہ علماء دینی بے راہروی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ اب وہ احمد رضا خاں کی بھی پرواہ
نہیں کرتے —— بریلویت وہ دینی آزادی ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے میدان میں آنے سے پہلے بھی کسی نہ
کسی نام یا کام سے قائم تھی اور آج بھی آپ کو یہ دینی آوارگی —— بدعت پسندی کے جلو میں ہر مزار اور ہر بازار
میں ملے گی اور یہ ضروری نہیں کہ بریلویت اپنی حدود تک رہے جس حد تک مولانا احمد رضا خاں نے اس نئے
مذہب کا نقش جمایا تھا۔

۱؎ فتاویٰ افریقہ ص ۱۱۲ ۲؎ احکام شریعت جلد ۲ ص ۲۰۲ ۳؎ ملفوظات حصہ دوم ص ... ۴؎ فتاویٰ افریقہ ص ...

چودہویں صدی میں شرک کا علمی انضباط

تیرہویں صدی تک شرک کی آمیزش صرف جہلا اور تکیہ نشین ملنگوں کے حلقوں میں ہی نظر آتی جاتی تھیں یا مزارات پر کوئی پریشان حال ضرورت مند اپنے حواس کھوئے یا خواجہ اجمیر کی صدا لگاتا سنائی دیتا تھا یا کہیں آسیب زدہ مجاور نعرہ حیدری لگاتے جھومتے جاتے آنکھیں جلائے شرک کی دلدل میں دھنسے نظر آتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرہ صدیوں تک شرک کی ان لہروں کو کسی طبقہ علماء نے کبھی کوئی علمی استناد نہ بخشا تھا۔ چودہویں صدی میں بریلویت نے ایک منظم شکل اختیار کی اور جہالت کی ان تاریکیوں میں انہیں علماء کا ایک ایسا طبقہ میسر آگیا جو ان کے ہر عمل شرک کو ایک تاویل مہیا کرتا ہے اور ان کی ہر بدعت کو اپنے علمی سانچے میں جگہ دیتا ہے۔

پانچویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک شرک و بدعت کے اندھیرے تو تھے، لیکن انہیں علمی سند دینے والا کوئی طبقہ علماء نہ تھا۔ اس وقت بریلویت صرف اپنے وسیع مفہوم میں تھی۔ چودہویں صدی میں اب انہیں ایسے علماء مل گئے جو عرسوں اور ختموں کی محفلوں میں ان جہلا کی پشت پناہی کرنے لگے اور روکنے ٹوکنے والوں پر فتوے لگانے لگے۔ اب بریلویت اپنے اصل مفہوم میں سامنے آگئی اور اس کے لیے کم علم مولویوں کا ایک اچھا خاصا گروہ قائم ہو گیا۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ محنت تھی جس سے سواد اعظم اہلسنت ہمیشہ کے لیے دو مستقل ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

چودہویں صدی نے شرک کو باقاعدہ ایک علمی انضباط دیا ہے۔ بریلویوں نے اپنے عقائد کو باقاعدہ ترتیب دے لیے ہیں۔ انہیں وہ تفسیروں اور حدیثوں سے موجہ کرتے ہیں اور شرک کی تمام عملی پر تاویل کی شوگر اس صفائی سے لگاتے ہیں کہ یہ گولی نہ صرف جہلاء کے حلق میں اتر جاتی ہے بلکہ انہیں ہضم بھی ہو جاتی ہے۔

(۱) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شان وصفت میں نور کہنا کوئی غیر معقول بات نہ تھی یہ بات ہر کسی کی سمجھ میں آجاتی تھی لیکن بریلویوں نے آپ کو صفت میں نہیں حقیقت و ذات میں

بدعی نوع قرار دیا اور نور من نور اللہ کا عقیدہ جزئی صفاتی سے مسلم صفوں میں لے آئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صفت امکان کے دائرہ سے نکال کر ذات واجب کے ساتھ بٹھا دیا اور پھر یہ علماء قوم کے جہلاء کو بڑے آرام سے شرک کی دہلیز پر لے آئے۔

(۲) ——— دوسرا عقیدہ انہوں نے علم غیب کا گھڑا۔ علم غیب ذاتی طور پر غیب کی باتوں کو جاننا ہے شرک کی اس گلی کو انہوں نے عطائی کے لباس سے مسلمانوں کے حلق میں اتارا اور عطائی سے بھی یہ غیب ذاتی کی جیبوں کی صفا مانتے ہیں یہ نہیں کہ ایک ایک جزئی میں وہ اللہ کے بتانے کے محتاج ہوں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب ان کے عقیدے میں انبیاء و اولیاء ذاتی طور پر غیب دانی سے متصف ہیں۔ گو یہ اتصاف انہیں خدا نے دیا ہے — کیونکہ یہ ذاتی طور پر تمام غیبی باتوں کو جاننے کا عقیدہ نہیں۔

(۳) ——— تیسرا ان کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانتا ہے کائنات کا ایک ایک ذرہ ہر وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے سامنے کھلی نہ ہو۔ اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہو گا کہ آپ کا جو جسم پاک ماں کے بطن سے پیدا ہوا وہ جسم پاک جس سے آپ مکہ کی گلیوں میں چلتے پھرتے رہے اور پھر اسی وجود مسعود سے اور جسم پاک سے آپ نے بمعیت حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ کی طرف ہجرت کی یا جس جسد اطہر کو آپ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا وہ جسم مبارک اور جسد پاک آپ کا اصلی وجود نہ تھا اصلی وہ تھا جس سے آپ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(۴) ——— چوتھا عقیدہ ان کا یہ ہے کہ آپ کائنات کے ذرے ذرے پر ہر لمحہ کے نفع و نقصان پر اور دنیا کے ہر خیر و شر پر پوری طرح قادر اور مختار ہیں اور جس کو چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ مختار کل ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں ہر چیز پر قادر اور مختار بنا دیا ہے۔ سب زمین و آسمان اور انفس و آفاق پر آپ ہی کا اختیار چلتا ہے۔ مرض اور موت و حیات اور بیماری اور شفا سب کچھ آپ ہی کے قبضے میں ہے ؎

ان کا حکم جہاں پہ نافذ   قبضہ کل پہ رکھاتے یہ ہیں

(۵) ——— پانچواں عقیدہ ان کے عقائد خمسہ میں یہ ہے کہ ہر کسی کی فریاد رسی میں آپ کے

ہی قبضے میں ہے۔ آپ ہی پریشان حالوں کے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ خدا سے جسے کچھ ملے اسے آپ جھولیاں بھر بھر کر دیتے ہیں۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

اور پھر یہاں تک وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

؎ خدا کے پکڑے چھڑوائے محمدؐ
محمدؐ کے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا

یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سورج کا طلوع و غروب حضرت پیران پیر کے حکم سے ہوتا ہے اور دنیا میں قحط و مرض کی آفات دور کرنے والے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان کے یہ عقائد خمسہ ان کے حلقوں میں اسلام کے پانچ ارکان سمجھے جاتے ہیں اور اسلام کے جو اصل پانچ ارکان تھے انہیں یہ رائے ونڈ والوں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیروؤں نے ان عقائد خمسہ کو جو تیرہویں صدی تک محض جہالت کے اندھیرے تھے، چودہویں صدی میں علمی استناد بخشا۔ مولانا احمد رضا خاں کی کتاب الامن والعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے پر، مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی الاستمداد۔ مولوی محمد یار گڑھی والے کا ایمان محمدی مع مقدمہ مولانا احمد سعید کاظمی، مولوی محمد عمر اچھروی کی مقیاس حنفیت اور مولانا احمد سعید کاظمی کی تسکین الخواطر، مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی اور مفتی احمد یار گجراتی کی تحریرات یہ سب انہی عقائد خمسہ کی صدائے بازگشت ہیں۔

شرک کو یہ علمی استناد اس چودہویں صدی میں ہی ملا ہے۔ پھر ان مولویوں نے اپنی مسجدوں میں محراب پر جہاں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے یا اللہ اور یا محمد ایک دوسرے کے مقابل لکھوائے تاکہ نمازی نماز میں بھی یا محمد کے تصور میں لگا رہے۔

ساتھ ساتھ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید پر بھی یہ برستے رہے کہ انہوں نے کیوں کہا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے صرف ہمت کر کے (توجہ مرکوز کر) اسے اپنے بڑوں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگانا نماز میں اللہ کی تعظیم میں ایک دوسری تعظیم شامل کرنا ہے اور یہ نماز کے لیے ایک

بڑی آفت ہے — یہ مسئلہ انہوں نے کیوں اٹھایا؟ محض اس لیے کہ نماز جیسی عبادت میں بھی یہ حضرات انبیاء و اولیاء کی طرف توجہ باندھنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ تاکہ اسلام کا چشمۂ توحید پوری طرح گدلا ہو جائے۔

کہیں یہ لوگ محراب مسجد میں آگے **یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ** کا کتبہ لگا دیں گے۔ تاکہ عام نمازی بھی اس پر نظر رکھے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ نماز خالصۃً اللہ کی عبادت ہے اس میں کسی اور کی طرف نیت نہ باندھی جائے۔ صرف بہت کسی اور طرف نہ کرے تو اسے نبیوں اور ولیوں کا گستاخ کہہ دیا جاتا ہے۔

الغرض یہ وہ طریقے ہیں جن سے بریلویت نے چودھویں صدی میں پہلی صدیوں (پانچویں صدی سے تیرہویں صدی تک) کے شرک کو علمی انضباط میں لے لیا ہے۔ اب کسی کی کیا مجال کہ اس اندھیرے میں توحید کا نور پھیلا سکے۔

اب شرک و بدعت کے یہ اعمال محض ایک ملنگوں کی کارروائی نہیں بلکہ اب شرک و بدعت کی اس ظلمت نے باقاعدہ ایک مسلک کا روپ دھارا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اب بریلویت کو ایک باقاعدہ مسلک سمجھا جانے لگا ہے۔

چودھویں صدی کی یہ کارکردگی مولانا احمد رضا خان کی محنت کا نتیجہ ہے اور ان کے پیرو انہیں اپنے مسلک کا بانی سمجھتے ہیں۔ یہ خود حضرت کہلاتے ہیں اور انہیں وہ اعلیٰحضرت کہتے ہیں۔

پندرھویں صدی میں دین اسلام سے کھلا مذاق

اب بریلویت اپنے نئے دین پر اتنی بے باک ہو چکی ہے کہ اب انہوں نے کھلے بندوں اپنے عرسوں وغیرہ تقریبات میں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے ساتھ شریک کرنا شروع کر دیا ہے اور اس پہلو سے آپ بریلویت کو ہندو مذہب کا ہی ایک جدید چربہ پائیں گے۔ شام چوراسی ضلع ہوشیار پور کے قطب الاقطاب جناب عبد الغنی کے مزار پر جائیں تو آپ کو وہاں سکھ عورتیں قسم پڑھتی ملیں گی، ہندو مسلمان مل کر مزار پر چادریں چڑھاتے ملیں گے۔ ہندو عرسوں کے متعلق بنے جیسے میلے، کیا یہ اسلام سے کھلا مذاق نہیں؟

ہندومت کی نشأۃ جدیدہ

بریلویت کے سائے میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

ہندو مذہب کی نشاۃ جدیدہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، آللہ خیر اما یشرکون، اما بعد:

اسلام دین فطرت ہے اور دوسرے ادیان انسانی فکر و تجربے پر مرتب ہوئے ہیں۔ فطرت اپنے رستے خود نکال لیتی ہے اور اس کی سوتوں کو کہیں ہمیشہ کے لیے دبایا نہیں جاسکتا۔ اسلام کا تابناک چہرہ جہاں اور جب بھی بے نقاب ہوا، جہل کے اندھیرے یکسر چھٹ گئے اور جب مسلمانوں نے خود منافقت کی قبائیں اوڑھ لیں تو دبے ہوئے سینے سے باطل کی چنگاریاں اٹھنے لگیں۔ مسلمانوں میں دوسری تہذیبوں اور نظریات کے اثرات اسی راہ سے آئے ہیں ورنہ حق اور باطل میں کیسے سمجھوتہ ہو سکتا ہے ——— کبھی نہیں

ایک عالمگیر دین

اسلام عالمگیر دین ہے۔ اس کی دعوت کسی ایک خطۂ زمین، کسی ایک رنگ یا کسی ایک نسل کے لیے نہیں۔ یہ ایک عالمگیر دعوت ہے جو مشرق و مغرب، شمال و جنوب، اسود و احمر اور ہر چھوٹے بڑے فرد انسانی کو شامل ہے۔ ارشاد باری ہے:

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

(سورۃ الفرقان ع ۱)

ترجمہ: بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا، تاکہ آپ تمام جہانوں کو ڈرانے والے ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، نہ ماننے کی صورت میں انہیں تمام رعیت کے گناہوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسلام کی جو دعوت پہلے مرحلہ

یعنی ام القریٰ و من حولہا تک کے لیے تھی۔ اب کنارہ عالم اور اقطار ارض تک پہنچنے لگی۔

اسلام کی یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں کسی ایک علاقے کی تہذیب، عادات اور نظریات کبھی سمو نہ پائیں۔ ورنہ اس کی نسبت پورے اکناف عالم سے یکساں نہ ہوگی۔ علاقائی عصبیت اور آزادی خیالوں میں یہ بڑا فرق ہے جو تاریخ کے ہر موڑ پر اپنی اہمیت رکھتا ہے۔

قوموں کی دینی تہذیب و ثقافت

ہر قوم، طبقے، برادری اور علاقے کی اپنی تہذیب ہوتی ہے۔ عرب سے دریائے فرات تک اسلام ہی حق کی صدا تھی اور دیکھتے دیکھتے پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آگئی کیونکہ یہ ایک عالمگیر دین تھا، ایک عالمی آواز تھی۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ فطرت کی آواز تمام متوازی افکار
پر چھا گئی اور حق سب ادیان پر غالب آگیا۔ یہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا موضوع تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو دنیا کے تمام نظریات و مذاہب پر غالب کردے۔

هو الذي أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله
وكفى بالله شهيدا۔ (پ ۲۶، الفتح ع ۱)

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو باقی تمام دینوں پر غالب کردے۔ اور کافی ہے خدا گواہ۔

جب اسلام جن ممالک میں پہنچا تو وہ لوگ اپنی تہذیب و ثقافت بھی رکھتے تھے۔ جسے یکسر بھول جانا بظاہر آسان نہ تھا۔ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان میں جو کمزور ذہن تھے انہیں اپنی پہلی روایات سے کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رہ گیا اور وہ اسلام اور اپنی تہذیبی روایات میں تطبیق کا راستہ تلاش کرنے لگے اور بات یہاں تک پہنچی کہ ان ممالک کے کمزور ذہن مسلمان اپنے ماحول کی جاہلی رسوم کو کچھ ترمیم کے ساتھ اسلام میں لانے لگے اور ان کے حلقے میں ذہن اب یہی شکل اختیار

ف پ ۷ الانعام ع ۱۹ [illegible] کے لیے

کرنے لگا جس ملک میں یہ دعوت پہنچی وہاں کے اپنے قدیمی خیالات کچھ نہ کچھ اس میں دخل ہوا
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ملک کی بدعات ایک دوسرے سے مختلف رہیں اور ہر ملک کی مذہبی رسوم
نے جدا جدا ترتیب پائی۔ یہ صرف سنت ہے جو بین الاقوامی تعارف رکھتی ہے بدعت ہمیشہ
علاقائی ہوتی ہے۔ اتنی بات سمجھ لینا اس کے ابطال کے لیے کافی ہے۔

ایران کا ساسانی دورِ حکومت

ایرانی لوگ ساسانی بادشاہوں کے ربانی حق
کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کے ہاں عربوں کی طرح عوامی اقتدار کا بالکل تصور نہ تھا۔ جب اسلام یہاں
آیا تو ان لوگوں نے اسی بادشاہوں کے ربانی حق کا عقیدہ یہاں تلاش کیا اور اسے جناب پیغمبر
اسلام کی اولاد کے حق میں تبدیل کر لیا ——— اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں آسمانی امامت نے راہ پائی
یہ لوگ گو اسلام کے نام سے چل رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ اپنی قدیمی روایات کا احیاء بھی کر
رہے تھے۔ ان کا یہ ـــ [illegible] رہا تھا اور ایران میں جاہلی تصورات نے نئی راہ نکالی تھی شیعیت
اس نئی راہ کا نام ہے[1] جو اب تک اسلام کے نام سے چل رہی ہے۔ یہ عقیدے اور نظامِ حکومت کی
بات تھی جو اس طرح ان میں گھس آئی۔ جہاں تک تہذیب، تمدن اور قدیمی رسوم کا تعلق ہے آگ کو
انہوں نے ہمیشہ بڑے احترام سے دیکھا ہے۔ محرم میں کبھی ان کی ایسی تقریبات بھی ہوتی ہیں کہ
عزادار آگ میں اتر کر یہ عبادت بجا لاتے ہیں۔

---

[1] شیعیت میں صرف ساسانی نظریات ہی نے جگہ نہ پائی، مسیحی اثرات بھی ان میں پوری قوت سے
کارفرما تھے۔ وہ محرم میں خون بہانے کو جس طرح اپنے تمام گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰؑ
کے خون کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ مشہور مستشرق ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے۔

حضرت امام حسینؓ کے واقعات کے بعض حصوں سے تو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ
شاید ایرانی شیعہ اور عیسائیوں کے عقائد بعض باتوں میں ایک سے ہیں۔ یہ مشابہت
خصوصیت کے ساتھ کفارہ کے عقیدہ میں نظر آتی ہے جس پر شیعہ اور عیسائی دونوں
ہم عقیدہ ہیں۔ (براؤن جلد ۴ ص ۲۹)

ہیں۔ آئندہ نسلیں قرآن کے لیے پچھلے اثرات سے کیونکر نکل آتا کسی کسی کو فوری طور پر نصیب ہوتا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں کس طرح ہندوانہ اثرات مسلمانوں میں گھسے اور کس طرح ہندوانہ رسوم کی اس نشأۃ جدیدہ نے بریلویت کی شکل اختیار کر لی۔ اسے سمجھنے کے لیے پہلے ایران پر غور کریں کہ کس طرح اسلام میں آنے کے باوجود وہاں آتش پرستی کی روح قائم رہی۔

آتش پرستی کی روح

برمکیوں نے اسلام لانے کے بعد آتش پرستی کی روح کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھا۔ اور مسلمانوں میں اس بدعت کو رواج دیا کہ وہ مخصوص اسلامی راتوں میں اپنے گھروں اور مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کریں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

> علی بن ابراہیم کا بیان ہے کہ چراغاں اور روشنی کرنے کی ابتدا برمکیوں نے کی، جو تنوراً اعتقاداً آتش پرست تھے اور ظاہری اسلام لانے کے بعد بھی انہوں نے ہمارے رسمی اور خیالی امور کو اسلام میں جاری رکھنے کے لیے حتی الامکان کوششیں کیں کیونکہ اعتقادی طور پر ان کو قدیم رواج کے درست ہونے کا یقین تھا۔ نیز اسلام میں قدیم رواج و رسوم کو باقی رکھنے میں ان کی مصلحت یہ بھی کہ اسلام کے پردہ میں چراغ جلا کر اس کو سجدہ کرتے ہوئے وہ آتش پرستی کی روح باقی رکھیں اور خطرہ یہ ہے کہ جاہل ائمہ مساجد نے چراغ و روشنی اور نماز رغائب کی آڑ میں لوگوں کو جمع کرنے کا طریقہ بنایا ہے تاکہ اپنی قیادت اور سرداری قائم کر کے دولت گھسیٹ سکیں، ساتھ ہی قصہ خواں مجالس میں عجیب قصے بیان کریں اور فریبوں سے روپے لیتے رہیں۔[1]

یہ جاہل ائمہ مساجد کون ہیں؟ یہی نام نہاد آج کل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویت اپنے صحیح مفہوم میں اس وقت بھی موجود تھی۔ آج یہ بریلوی علماء، اولیاء اللہ کی خانقاہوں پر کس قدر چراغاں کرتے

---

[1] ماثبت بالسنۃ ص ۲۲

غرض یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

حضرت امام شاطبی (۷۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان الناس ليس ايقادها في المساجد من شأن السلف الصالح ... ومثله
ايقاد الشمع بعرفة ليلة الثامن من ذي الحجة ذكر النووي انها من
البدع القبيحة والضلالة الفاحشة تجمع فيها انواع من القبائح منها
اضاعة المال في غير وجهه ومنها اظهار شعائر المجوس[1]

ترجمہ: اور سلف میں مسجدوں میں چراغاں کرنے کا رواج نہ تھا۔ اسی طرح
عرفہ کی رات (۸ ذوالحجہ کی آٹھویں شب) کو شمعیں جلانا ہے۔ امام نووی نے لکھا
ہے کہ یہ بدترین بدعات میں سے ہے اور ایک کھلی گمراہی ہے جس میں کہ
مال ضائع کرنا اور مجوسیوں (آتش پرستوں) کے شعائر (مذہبی طریقوں) کو پھر
سے لانا جیسی کئی برائیاں چھپی ہیں۔

سو جس طرح ایران میں یہ پیچھے جاہلی تصورات عود کرنے لگے۔ اسی طرح دوسرے ملکوں میں
بھی ان جاہلی تصورات نے پھر سے جگہ پائی۔ جبکہ ایک دفعہ اسلام کا ریلا انہیں پوری طرح بہا کر
لے گیا تھا۔

مصر میں فراعنہ کی جاہ و حشمت

مصر کے لوگ جب تک مرکز سے وابستہ رہے ان میں اسلام کی روح پوری طرح جلوہ گر
رہی اور انہوں نے بڑی علمی خدمات کیں لیکن جونہی ان کی مرکز سے علیحدگی ہوئی تو عہد جاہلی کی جاہ و
حشمت پھر سے ان میں عود کر آئی اب ان کی تہذیب خالص اسلامی نہ رہی بلکہ اس میں ان کے
اپنے جاہلی آداب بہت دور تک گھس آئے۔ حتیٰ کہ ان کا معاشرہ اسلام سے بہت دور ہٹ گیا اور
یہ لوگ اپنی اس تہذیب کو پھر بھی اسلامی کہتے رہے۔ ان کی جاہ و حشمت مرکز کا علمی رعب قبول کرنے
سے انہیں روکتی تھی یہاں تک کہ عرفی تہذیب و ثقافت کے یہ خود سب سے بڑے علمبردار بنے

---

[1] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

گئے اور حق مشتبہ ہو کر رہ گیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) حق پرست بزرگ تھے۔ انہوں نے بریلوی علماء کی طرح یہ نہ کہا کہ شرک وہی ہے جو مندروں اور گرجاؤں میں ہو۔ انہوں نے صاف لفظوں میں بہت سے بریلویوں کو (یعنی مسلمانوں کو) شرک کا مرتکب قرار دیا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

بیماریوں اور تکلیفوں کے دفع کرنے میں بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں رواج پا چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے پتھروں (بتوں) سے اور نہ تراشے ہوئے پتھروں (قبروں) سے حاجتیں مانگنا عین کفر ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہ لوگوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وہ چاہتے ہیں اپنی بات طاغوت کے سپرد کریں حالانکہ انہیں کہا گیا تھا کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان انہیں کھلی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے۔“

عورتیں نادانی جہالت کے باعث اس طرح کی (پتھروں سے) مدد مانگنے میں جس سے اسلام نے منع کیا ہے بیشتر مبتلا ہیں اور فضیلتوں کے ان ناموں سے جن کا مصداق کوئی نہیں ہوتا دور کرنے کی طلب کرتی ہیں اور ان مشرکوں (ہندوؤں) کی رسموں میں گھری ہیں خصوصاً چیچک نکلنے کے وقت کہ جسے ہندی سیتلا کہتے ہیں۔ یہ بات اچھی بری سب عورتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ بکم عورتیں ہوں گی جو شرک کی ان نا پاک رسموں سے بچی ہوں اور ان کی رسوم میں سے کسی رسم میں نہ چلیں۔ مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ بچا لے۔

اور ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور کافروں کی مشہور رسموں کے دن منانا بھی مستلزم شرک اور موجب کفر ہے جیسا کہ دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں ہندوؤں کے طریقہ کو بجا لاتے ہیں اور انہیں عید کی طرح مناتے ہیں اور ہندوؤں کی طرح اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ان موقعوں پر تحفے بھیجتے ہیں[1]

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ صفحہ ۸۷۔ منہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے تو کلیۃً مسلمانوں کو ہندوؤں کے دن منانے سے روکا۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دور میں انہیں اگلے دن منانے کی رعایت پیدا کی اور فرمایا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں بس اتنا فرق کافی ہے کہ دیوالی کے دنوں میں پہلے دن صرف ہندو آپس میں تحفے دیں اور لیں۔ اور مسلمان اتنا فرق رکھیں کہ وہ انہیں دوسرے دن دیں، دکھائیں کھانے پینے کے شائق ان موقعوں پر ہندوؤں سے خوب رابطہ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں نے دیوالی کی مٹھائی کے بارے میں فرمایا:-

اس روز نہ لے۔ ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف اس وقت کے بریلوی مولوی اٹھے اور ان کے خلاف ایک بڑی تحریک چلائی۔ یہاں تک کہ آپ پر کفر کے فتوے دیئے گئے اور وہی حالات پیدا کیے گئے جو آج بریلوی دیوبندیوں کے خلاف کرتے ہیں۔ عبد اللہ خویشگی ان دنوں ان مخالفین کی قیادت کر رہے تھے۔ گویا آپ اپنے وقت کے احمد رضا خاں تھے۔

پنڈت اور جوگی اسلام کے لباس میں

ہندو مذہب میں اسلام کے فطری نکھار سے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ ان کے مذہبی پیشواؤں نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے عوام بھاری تعداد میں اس نئے مذہب کو قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی وہ چالیں چلیں جو ایسے موقعوں پر بزدل دشمن چلا کرتے ہیں۔ اب یہ لوگ منافقت سے مخالف صفوں میں گھس آئے اور مسلمانوں میں فکری شکوک اور عملی اختلاف پیدا کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگے۔

آپ انہیں علماء سوء نہ کہیں لیکن یہ مانیں کہ بہت سے ہندو جوگی اور پنڈت اسلام کے لباس میں مسلمانوں کی صفوں میں آئے اور سنتوں کی بجائے بدعتوں کی محبت دلوں میں پالنے لگے۔ ہندوستان کے جاہلی خیالات مختلف شکلوں میں ابھرنے لگے اور کمزور مسلمان ان کے اوہام کا بری طرح شکار ہوتے گئے اور مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جن کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ

---

[1] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول صفحہ ۱

کہ اسلام سے بہت مختلف تھا

آنحضرتؐ کی پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اب منظر عام پر تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع[1]

ترجمہ۔ ضرور ہوگا کہ تم پہلوں (گمراہ قوموں) کی راہ پر چلو گے ہاتھ بہ ہاتھ بازو بہ بازو۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ جاہلیت پھر سے عود کرے اور تم ان قوموں کی راہوں پر چلو گے جنہوں نے اپنے دین میں زیادتیاں کیں۔ سو ضرور تھا کہ وہ تمام باتیں ظہور میں آئیں جن کی آپ خبر دے چکے تھے۔ آپ نے جو فرمایا ہو کے رہا اور جو اب تک نہیں ہوا ہو کے رہے گا۔ تینوں کی باتیں باقی نہیں ہیں۔

ہندو مذہب کی آمیزش کرکے دین مسلمانوں کو یہاں تک لے آئی کہ ان کے لیے جوگی اور صوفی میں ـــــ ملحد اور مومن میں ـــــ برہمن اور عالم میں فرق کرنا مشکل ہوگیا۔ کتنے عالم ایسے اٹھے ہوں گے جو در حقیقت ہندو تھے۔ اور کتنے صوفی ایسے ابھرے ہوں گے جو اندر سے جوگی ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی ایسی سازشیں ہو چکی تھیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

وقالت طائفۃ من اھل الکتاب آمنوا بالذی ـــــ انزل علی الذین
آمنوا وجہ النھار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون۔

(پ ۳، آل عمران ع ۸)

ترجمہ۔ اور کہا بعض اہل کتاب نے کہ دن چڑھے ایمان لاؤ جو کچھ اترا ہے مسلمانوں پر اور پچھلے پہر اس کے منکر ہو جایا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلمان شک ڈالنے کے اس طریقے سے پھر جائیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کی راہ سے ہٹانے کی سازش پنڈتوں اور جوگیوں نے کی ان

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible]

ہندو مذہب کی گرتی دیوار اور اس کا غلبہ جاہل مسلمانوں پر

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ المجتبیٰ

وعلیٰ من بھدیۃ اھتدیٰ۔ اما بعد:

ہندو مت ہندوستان کا سب سے پرانا مذہب ہے وہ اسے سناتن دھرم کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے اس کے خلاف دو مذہب جین مت اور بدھ مت کے نام سے اُٹھے۔ پھر مسلمانوں کے آنے پر خود ہندوؤں میں ایک فکری بغاوت اُٹھی اور آریہ مت نے سناتن دھرم کے خلاف یکایک بت پرستی کا انکار کر دیا۔ مسلمانوں کی وحدت توحید کی روک تھام کے لیے یہ ان کا ایک بنیادی قدم تھا۔

ہندو مذہب اپنی عمر طبعی ختم کر چکا تھا۔ ان کے بگڑے افکار عصر جدید میں اپنا وزن نہ رکھتے تھے جبکہ توحید میں ایک فطری کشش تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی آمد پر ہندو اقوام جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی ہندوستان پر نظر لگی تھی۔ محمد بن قاسم کے رفقاء یہاں دعوت اسلام لا چکے تھے۔ سلطان محمود غزنوی اور ان کے ساتھی علمائے کرام کے ذریعہ اسلام کا یہاں علمی تعارف ہو چکا تھا اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی عظیم روحانیت نے ان قوموں کو اپنے اندر جذب کرنے کے سائبان دور تک لگا دیئے تھے۔

بعض صوفیہ کرام نے یہاں یہ حکمت اختیار کی کہ ہندوؤں کو مندروں کے اشلوکوں (مذہبی گیتوں) سے ہٹانے کے لیے اپنے روحانی حلقوں میں خدا کی طلب و محبت کے گیت گائے۔ شعروں میں ایک جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ ہندو اس اثر شعری کو پہلے اپنے مندروں کا روحانی اثر سمجھتے تھے۔ اب انہیں پتہ چل گیا کہ اس سے بہتر اثرات مسلمانوں کے نغمۂ توحید میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی اس حسین تعبیر سے اشلوکوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور پھر ایسی ہوا چلی کہ ان صوفیہ کرام کی عشق حق کی حرارت ہر چہار طرف پھیلی اور کفر و شرک کی آماجگاہوں کو یکسر جلانے لگی اور ان حضرات نے ہندو

ہند میں وحدت کا ایسا نعرہ لگایا کہ اس کا نشہ آج بھی سلیم دلوں کو روحانی تازگی بخشتا ہے۔

ہندوازم کی صدائے بازگشت

ہندو سربراہ شروع میں اس صورتِ حال کا جائزہ نہ لے سکے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں ہوش آیا تو انہوں نے بھی وہی چال چلنے کی سوچی جو مسلمان پہلے چل چکے تھے۔ پہلے مسلمانوں نے ہندوؤں کو اپنے قریب کرنے کے لیے خدا کے عشق و محبت کے نغمے اُن کے سامنے ساز و انداز میں گائے۔ ہندوؤں کی اپنے مراکز سے عقیدت توڑ دی۔ اب ہندوؤں نے طے کیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر مسلمانوں کے لباس میں مسلمانوں کو اپنے عقیدے کا معتقد کیا جائے اور اسلام کے رنگ میں ہندو عقائد و افکار ان کے ذہنوں میں اتارے جائیں۔ یہ سازش جب عملاً سامنے آئی تو کئی کمزور ذہن مسلمان دعوئ اسلام کے ہوتے ہوئے عملاً ہندو دکھائی دیئے۔ بہت سے ہندو پنڈت اور جوگی مسلمان مولوی اور پیر بن کر مسلمانوں کی شاہراہوں (مساجد اور خانقاہوں) پر بیٹھ گئے اور مکہ اور مدینہ کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے لگے کہ ان کے اماموں کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

یہ انہی پنڈتوں کی سازش تھی کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں اسلام اور ہندو ازم کو ملا کر ایک نیا دین ترتیب دیا گیا جس کے اپنے اصول و فروع تھے۔ علماء سوء میں ان کے پیچھے ابوالفضل اور فیضی جیسے بڑے بڑے اہلِ علم تھے اور ایسے بدبخت مولویوں کی بھی کمی نہ تھی جو ہر بدعت و رواج کو تاویل کا سہارا دے کر ہر نئی چیز کو جائز ثابت کر سکتے ہوں۔ عوام کو خوش کرنے اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کی یہ چال ان کے لیے بہت مفید رہی ——— جب ضروریاتِ دین تاویل کی بھینٹ چڑھ جائیں تو دین کا کیا باقی رہے گا۔

وهل افسد الدين الا الملوك   واحبار سوء ورهبانها

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بدعات کے مقابلے میں خم ٹھونک کر نکلے۔ اکبری عہد کے بگڑے دین کی اصلاح کے لیے آپ نے بحیثیت مجدد الف ثانی اصلاح کا قدم بڑھایا اور بدعات کے خلاف نہایت مضبوط بند باندھا۔ یہاں تک کہ بدعتِ حسنہ کے لیے بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

این فقیر در ہیچ بدعت از بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید۔ اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطہ ضعف بصارت بطراوت و نضارت بیند فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت و ندامت نتیجہ نداشت[1]

ترجمہ۔ یہ فقیر کسی بھی بدعت میں حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور سوائے اندھیرے اور کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر لوگ بوجہ ضعف بصارت بدعتی کے عمل کو بارونق دیکھتے ہیں تو وہ دن آنے والا ہے (آخرت کا دن) کہ ان کی نظر تیز ہو جائے گی اور وہ جان لیں گے کہ ان کے اس عمل کا نتیجہ نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

پھر لکھتے ہیں:

ہرگاہ ہر محدث بدعت باشد و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود۔[2]

ترجمہ۔ جب (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے تو بدعت کے حسنہ ہونے کے کیا معنی؟

یہ صحیح ہے کہ جہاں الٹی ہی کشتی ہو وہاں کوئی اچھائی اور بہتری کیسے راہ پا سکتی ہے۔

آپ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اجتناب از نام و رسم بدعت تا از بدعت حسنہ مانند بدعت سیئہ احتراز ننماید بوئے ازین دولت بمشام جان او نرسد و این معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیائے سنت لب کشاید اکثر علماء این وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت[3]

ترجمہ۔ بدعت کے نام و نشان سے بھی بچو۔ جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۱۸۶ صفحہ ۱۷۰ [2] ایضاً [3] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۲۳

کی رسموں میں سے کسی رسم پر عامل نہ ہوں، اُن سے وہی بچے جسے اللہ تعالیٰ نے بچایا
ہو۔ ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ہندوؤں کی متعارف رسموں کو بجا
لانا بھی مستلزم شرک اور مستوجب کفر ہے۔ ہندوؤں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل
مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں ہندوؤں کی رسموں کو بجا لاتی ہیں۔

بعض مسلمانوں نے ان تمام اعمال کو جو ہندو اپنے دیوتاؤں کے لیے بجا لاتے تھے بزرگوں
کی نسبت سے اپنے ہاں جاری کرلیا ہے۔ وہ پتھروں کے بتوں کے آگے نذرانے پیش کرتے تھے
یہ بزرگوں کی قبروں پر نذرانے چڑھانے لگے، اور وہاں بکرے جاکر ذبح کرنے لگے۔ حضرت
امام ربانیؒ لکھتے ہیں:۔

حیوانات را کہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات
را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔[1]

ترجمہ۔ جو بکروں وغیرہ سے بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور انہیں ان بزرگوں
کے مزارات پہ لے جاکر ذبح کرتے ہیں، روایات فقہ میں اس عمل کو بھی داخل
شرک قرار دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نقشبندی سلسلہ میں جن حضرات نے شرک و بدعت کے خلاف
بڑی ہمت دکھائی، ان میں سر فہرست حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے بھتیجے حضرت
شاہ اسماعیل شہیدؒ ہیں۔ ان حضرات نے بڑی ہمت سے اسلام میں گھسنے والے ہندو افکار زندگی
کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ ہندو پنڈت اور جوگی جو اسلام کا لباس پہنے اسلام کے عقائد اور سنتوں
کے طریقوں کو تار تار کر رہے تھے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف بڑی ترتیب اور سازش
سے اُٹھے اور مولویوں کے لباس میں پنڈتوں کی نمائندگی کردی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان قبر پرستوں کے خلاف ایک مقام پر یوں

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ ص

رقمطراز ہیں:-

و بعضے از ایشاں ارواح مدبرہ و ملائکہ کہ کار مخلوقات یا ارواح انبیاء و اولیاء و صلحاء و سادات و احبار و علماء را بے ملاحظہ بندگی خدا و محبوبیت او بالاستقلال در محبت برابر خدا مے سازند و نذور و قربانی بنام آنہا مے دہند و احکام ایشاں را بے تامل در ماخذ آنہا برابر وحی و نطق الٰہی مے شمارند بلکہ بعض از ایشاں با صور و ہیاکل و قبور و معابد و مساکن و مجالس آنہا معاملہ کہ در مسجد و کعبہ برائے خدا باید کرد بعمل مے آرند مانند سر بر زمین نہادن و گرد آگرد گشتن و دست بستہ بصورت استقبال آنہا در نماز ایستادن حالانکہ دریں محبت ایشاں مقتضائے ایمان نیست و برائے خدا نیست[1]

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مخلوق کے مختلف کاموں پر مقرر فرشتوں کی ارواح مدبرہ کو یا انبیاء و اولیاء اور عبادت گزاروں اور سرداروں اور علماء و فضلاء کی ارواح کو خدا کی عبادت اور اس کی محبت کا لحاظ کیے بغیر انہیں براہ راست خدا کی محبت کے برابر رکھتے ہیں اور نذریں اور قربانیاں ان کے نام کی بجا لاتے ہیں اور ان کے حکموں کو ان کے ماخذوں کا لحاظ کیے بغیر وحی الٰہی کے برابر شمار کرتے ہیں ـــــ بلکہ بعض تو ان میں سے (انبیاء و اولیاء اور بزرگوں) کی تصویروں، ہیکلوں، مزاروں، ان کی عبادت کی جگہوں اور ان کے رہنے کے مکانات اور ان کی مجالس میں وہ کام کرتے ہیں جو مسجد اور کعبہ میں بجا لائے جاتے ہیں جیسے زمین پر سر رکھنا (سجدہ کرنا) اور ان کے گرد اگرد گھومنا (طواف کرنا) اور جس طرح نماز میں قبلہ کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں ان بزرگوں کے حضور میں ان کے لیے قیام (تعظیمی) کرنا۔ حالانکہ ان کی (ان بزرگوں سے) یہ محبت خدا پر یقین ہونے کے تقاضا سے نہیں ہے اور خدا کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر فتح العزیز ص ۴۹۹

حضرت شاہ صاحب نے بدعتی مسلمانوں کا جس دلسوز پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے اس سے ہر وہ مسلمان جس کا دل توحید کے نور سے منور اور سنّت کی خوشبو سے معطر ہو۔ ان مسلمانوں کی اس حالت زار پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو بزرگوں کی محبت کے دعوے سے ہندوؤں کے ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں اور ایک ایک بدعت پر سنّت کے خلاف چڑھائے جا رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

ہر کہ از مسلمانانِ جاہل باہلِ قبور ایں چیزہا بعمل آرد وفی الفور کافر مے گردد و از مسلمانی مے برآید[1]

ترجمہ۔ جاہل مسلمانوں میں سے جو بھی بزرگوں کے مزاروں پر اس قسم کے اعمال بجا لاتا ہے فوراً کافر ہو جاتا ہے اور اسلام سے نکل جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد بالکل بجا اور صحیح ہے۔ اندھیرا اور روشنی کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ ایمان اور کفر کو کیسے ایک جگہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ اور سنّت اور بدعت کیسے اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ جو اہل بدعت ہیں وہ کسی طرح سنّی نہیں ہو سکتے۔ ہرگز نہیں۔

پھر ایک اور جگہ حضرت لکھتے ہیں :-

منت بزرگان و نذر غیر اللہ مانند گلگلہائے شیخ سدو و سہمنی بوعلی قلندر وغیرہ قریب بحرام است[2]

ترجمہ۔ بزرگوں کی منت ماننا اور اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جیسے شیخ سدو کے گلگلے (ختم میں) دیں گے یا حضرت بوعلی قلندر کی سہمنی (پر ختم) دیں گے۔ اس قسم کی نذریں سب حرام کے قریب ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کے کونڈوں کی نذر ماننا اور یا حضرت پیران پیرؒ کے نام گیارہویں کی نذر دینا کیا یہ سب امور حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد کی زد میں نہیں آتے؟ اور جو مولوی اس قسم کی بدعات کو رواج دیتے ہیں کیا وہ عملی طور پر مسلمانوں کو ہندوؤں کی آغوش میں نہیں لے جا رہے ہیں؟

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد صفحہ [2] ایضاً صفحہ ۹

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

بجائے اس کے کہ یہ مولوی نما ہندو پنڈت، اور مرتی، ہندو جوگی، کچھ شرمندگی محسوس کرتے شرک و بدعت کے بادل چھٹتے اور اسلام کا چہرہ اپنی اصل تابانی میں جلوہ گر ہوتا۔ ان ہندو علماء نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے اور شاگرد حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر اُلٹے الزامات لگانے کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتے۔ انبیاء و اولیاء سے خدائی طاقتوں کی نفی کرتے ہیں اور اس طرح یہ ان کی توہین اور بے ادبی کر رہے ہیں اور معلوم نہیں انہوں نے کن کن القاب سے حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کو نوازا اور ان کی تواضع کی۔

یہ توہین و ذلت کا کام کرنے والے ہندو جو مسلمان علماء کہلاتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے خلاف خوب چلے اور ایسے چلے کہ ملت کا امن تہ کر رہ گیا اور مسلمان فرقے کی دلدل میں بہت گہرے دھنستے چلے گئے۔

ہندو بت پرست تھے اور ابھی پنڈت دیانند نے آریہ سماج کی تحریک شروع نہ کی تھی۔ اور مسلمانوں کو بتوں سے بہت نفرت تھی اور وہ کبھی بتوں اور مندروں کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔ ہندو چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ذہنوں سے بتوں کی نفرت اتاری جائے۔ اچانک یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بت بنانا کفر ہے یا نہیں؟ اس کو نپٹنے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ کی طرف رخ نہ کیا گیا۔ ان علماء کی تلاش کی گئی جو ان محدثین دہلی کے خلاف مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی سند سنبھالے ہوئے تھے مولانا فضل رسول بدایونی ان کے سرخیل تھے اور حضرت اسماعیل شہیدؒ کے خلاف متعدد کتابیں سیف الجبار وغیرہ لکھ چکے تھے۔ آپ نے فتوے دیا جسے مفید الخلائق پریس شاہ جہان آباد نے سنہ [illegible]ھ میں بڑی آب و تاب سے شائع کیا۔

"عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں"[1]

دیکھیے مولانا نے ہندو دھرم کو کس خوبصورتی کے انداز میں سہارا دیا۔ مسلمانوں کو بتوں سے تمام سے نفرت تھی۔ وہ ان سے ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ یہ بابک بنانا کہہ کر انہوں نے مسلمانوں کے ذہن سے

---

[1] فتوے مولانا فضل رسول بدایونی مطبوعہ مفید الخلائق پریس شاہ جہان آباد صفحہ [illegible]

کی طرف آجائے۔ یہ صرف توبہ کافی نہیں غیر اسلامی ملت سے علیحدگی اور بیزاری بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی ہندو بت پرستی سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔ جب تک کہ وہ اس غیر اسلامی ملت سے علیحدگی کا اعلان نہ کرے ـــــ یہ صرف گنہگار مسلمان کا حق ہے کہ اس کی توبہ کے لیے اعلان ضروری نہیں۔

اب دیکھئے مولانا احمد رضا خان کس طرح اس شرط کے بغیر ہندو کی توبہ مقبول فرماتے ہیں۔

> ساجد صنم (بت کو سجدہ کرنے والے) کی توبہ باجماع امت قبول ہے مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزار ہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں [1]

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ بت پرستی بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے کہ توبہ کی اور گناہ مٹ گیا۔ مقام رسالت کو مقام توحید سے اونچا کرنے کے در پے کبھی نہ ہو سکتے تھے۔ شرک سے بچنے کے لیے غیر اسلامی ملت سے علیحدگی انتہائی ضروری تھی۔ مگر معلوم نہیں خان صاحب ہندوؤں کی رعایت کیوں کر رہے ہیں۔

ہندوؤں کو اہل کتاب کے درجہ میں لانے کی کوشش

یہودی اور عیسائی تو اس لیے کہ جو باتیں وہ پیغمبروں کی طرف منسوب ہیں انہی نسبتوں کی وجہ سے انہیں اہل کتاب کہتے ہیں لیکن ہندوؤں اور مجوسیوں کو باقاعدہ انہیں نہیں مانا جاتا اور نہ علماء اسلام انہیں بھی اہل کتاب میں جگہ دیتے۔ اب بریلویوں کو دیکھئے کس طرح اندر ہی اندر ہندوؤں کے کرشن کنہیا کو دوست کہہ رہے ہیں اور کرشن کو ایک پیغمبر یا اوتار ماننے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان کے مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:

> مجھ سے خود ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ مہاتما بدھ، رام چندر جو ہم انہیں کرشن جی کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل کو رام جی [2]

---

[1] حسام الحرمین صفحہ ۳ معلوم نہیں یہاں آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ قول کیوں نہیں بیان کیا

[2] نور العرفان صفحہ ۹۲۴

مفتی صاحب نے اس عقیدہ کی تردید نہیں کی بلکہ اس کے اس قول کو اپنے حاشیہ میں نقل کیا ہے۔ افسوس کہ بریلوی حضرات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کرشن اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ارجن کہتے ان حضرات کی عزت کا کچھ خیال نہ آیا

اس عقیدے کا لازمی نتیجہ تھا کہ بریلوی مذہب والے اب کرشن میں وہ تمام صفات مانیں جو یہ لوگ امتیازی طور پر پیغمبروں میں مانتے ہیں۔ جیسے کئی جگہوں پر حاضر و ناظر ہونا، علم غیب وغیرہ۔ ان حضرات کا عقیدہ کرشن کنہیا کے بارے میں کیا ہے؟ اس میں آپ کے لیے یہ غور کرنے کی بھی گنجائش ہوگی کہ اگر یہ لوگ ان صفات کو کرشن اور رام جی میں بھی ثابت مانتے ہیں تو پھر یہ ان صفات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیوں دعوے کرتے ہیں اور پھر اسے شان مصطفیٰ کیوں سمجھتے ہیں؟

کرشن کنہیا کو حاضر و ناظر قرار دینا

مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:۔

کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا ۔ اسم ریاض

فتح ظاہر سے دراز ہے خرق، فکر بے جا ہے[1]

ہندو ازم کو مسلمانوں کے قریب لانے کی کوشش اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ وہی صفات جنہیں بریلوی مذہب کے لوگ انبیاء و اولیاء کی صفت و شان قرار دیتے ہیں[2] ان پر بحثیں کرتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو انبیاء و اولیاء کی شان کا منکر سمجھا جاتا ہے وہ سب کرشن کنہیا میں ثابت مانی جائیں ——— اس سیاق میں یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندو ازم کی اس نشأۃ جدیدہ کے پیچھے ہند کا کام کر رہے تھے جو مسلمانوں کے عقیدہ توحید و سنت کو پامال کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اسلام کا لبادہ

---

[1] ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ اول ص ۱۱۲

[2] بریلوی مذہب والے اپنے اس دعوے میں ہرگز مخلص نہیں ورنہ وہ کرشن کنہیا اور ابلیس کو ہزار جگہ پر حاضر و ناظر نہ سمجھتے۔ کرشن کنہیا کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ تو آپ کے سامنے ہے ابلیس کے بارے میں ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک کفر و غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

(انوار ساطعہ ص ۳۵۵)

اوڑھ سکتا تھا، ان میں بہت سے ہندو مولوی اور پیر بھی ہوا کرتے تھے اور کہلاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کا یہ فتویٰ دیکھئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ خان صاحب خود کیا ہوں گے؟

یہ درست ہے کہ مولانا احمد رضا خان کرشن کنہیا کو کئی جگہ پر حاضر و ناظر مانتے تھے لیکن اسے کافر بھی کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہندو نہ تھے ورنہ اسے کافر نہ کہتے۔ لیکن ایک سوال یہاں ابھرتا ہے کہ ان کے نزدیک کرشن کنہیا کے کافر ہونے کی دلیل کیا ہے؟ ہمیں ان کے لٹریچر میں اس کی کہیں تصریح نہیں ملی کہ ان کے نزدیک کرشن کنہیا کس وجہ سے کافر تھا۔ عام مسلمان تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بت پرست تھے، بت پرستی کی تعلیم دیتے تھے اس لیے وہ مشرک تھے مگر افسوس کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے ہندوؤں کی بت پرستی کو شرک سے پاک قرار دے کر اپنے پیروں کو اس وجہ پر بھی تو قائم نہ رہنے دیا اور بریلوی مذہب والوں کے پاس کرشن کنہیا کو کافر سمجھنے کی کوئی اصولی دلیل نہ رہی۔

ہندوؤں کی بت پرستی شرک سے پاک

مولانا احمد رضا خان صاحب حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے ہندوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> ان کی بت پرستی کو شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کے مثل بتایا ہے اور بحکم ولکل امۃ رسول ہندوستان میں بھی بعض انبیاء ہوئے اور ان کے بندوں کا مرتبہ کمال و تکمیل رکھنا لکھا ہے۔ مگر رام یا کرشن کسی کا نام نہیں لیا بایں ہمہ فرمایا ہے۔
>
> در شان آنہا سکوت اولیٰ است نہ مارا جزم بکفر و ہلاک اتباع آنہا لازم است نہ یقین نجات شان بلکہ در باب حسن ظن محقق است۔

یہ اس تمام مکتوب کا خلاصہ ہے۔ ان حضرت کا حال قبل اظہار خود معلوم۔ گو یہ مکتوب مرزا صاحب کا ہے اور مگر ان کا بے دلیل فرمانا سند میں پیش کیا جا سکتا ہے قرآن سے بڑھ کر جیسا اجماع و علم

حضرت زبدۃ العارفین سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ "سبع سنابل شریف" میں کہ بارگاہ
رسالت میں پیش اور سرکار کو مقبول ہو چکی، ص ؟ میں فرماتے ہیں:-

مخدوم شیخ ابو الفتح جونپوری در ماہ ربیع الاول بجہت رسول علیہ الصلوٰۃ و
السلام از دہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشین حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول
کردند۔ حاضراں پرسیدند اے مخدوم ہر دہ استدعا را قبول فرمودید و ہر جا
بعد از نماز پیشین حاضر شدن چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کشن کہ کافر بود چند صد جا حاضر
می شود اگر ابو الفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب [1]

ترجمہ: مخدوم شیخ ابو الفتح جونپوری کو ربیع الاول میں آنحضرت کی طرف سے
دس جگہ سے دعوت آئی کہ نماز ظہر کے بعد حاضر ہوں۔ آپ نے ان میں سے ہر جگہ
کی دعوت قبول کر لی۔ حاضرین نے پوچھا اے مخدوم، آپ نے سب دس جگہ
کی دعوت قبول کر لی اور ہر جگہ نماز ظہر کے بعد حاضر ہونا چاہیے یہ کیسے ہو سکے گا؟
آپ نے فرمایا کرشن جو کہ کافر تھا سینکڑوں جگہوں پہ جا پہنچتا تھا۔ اگر ابو الفتح
دس جگہوں پر بیک وقت حاضر ہو، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

گویا یہ بات حضرت مرزا مظہر جان جاناں تک یا حضرت مخدوم ابو الفتح تک محدود نہ رہی۔ مولانا
احمد رضا خان نے اس عبارت میں کرشن کنہیا کے حاضر و ناظر ہونے پر خود حضور کی طرف سے استناد
مہیا کیا اور کتنے ہزار ہی مسلمان ہوں گے جنہیں مولانا نے ہندوازم یا کرشن کنہیا کے قریب کر دیا ہو گا۔
یہ بات تو آپ نے ہندو بت پرستوں کے بارے میں نقل کی۔ اب آگے آریوں کے بارے میں بھی سنیے

آریہ بزعم خود توحید کے قائل ہیں

تمام کافر مشرک قومیں ہنود، نصاریٰ، یہود وغیرہم دنیا بھر کے کفار اور باتوں کے منکر بھی
آخر وجود خدا کے قائل ہیں۔ یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات بلکہ تمام اسلامی
عقیدوں کی اصل الاصول ہے خصوصاً کفار خلاصہ آریہ وغیرہم کہ بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں۔ [2]

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم ص ۹۱   [2] حسام الحرمین ص ۳۳

معلوم نہیں مولانا نے ہندوؤں کو توحید کا قائل کیسے بتلایا ہے؟ اگر ان کے نزدیک وہ توحید کے قائل نہیں صرف بزعم خود خدا کو ایک مانتے ہیں تو مولانا کو ان کے اس زعم کی بھی تردید کرنا چاہیے تھی۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو آہستہ آہستہ ہندوؤں کے قریب لا رہے ہیں اور ان کا اعتقادی حلیف بنانا چاہتے تھے

اسلام میں اوتار کا تصور

اسلام میں اوتار کا تصور کوئی نہیں ہے۔ مسلمانوں کا قطعی عقیدہ ہے کہ خدا کبھی انسانی ڈھانچے میں نہیں آتا لیکن ہندوؤں نے یہاں اب اسلام کے بھیس میں حضرت خواجہ فریدؒ کو خدا کا اوتار، خدا کی تصویر اور اپنا بھگوان مانا ہے۔ یہ ہندو اصطلاحات اور ان کے مذہبی الفاظ یہاں کیوں مسلمانوں کے قریب لائے جا رہے ہیں؟ اگر یہ ہندوازم کی نشاۃ جدیدہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ہندو مذہب کو مسلمانوں میں پھر سے زندہ کرنے کی ایک سازش ہے اور غضب یہ کہ یہ مسلمان پھر بھی مسلمان ہی ہیں مولوی غلام جہانیاں صاحب حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی شان میں لکھتے ہیں:-

فرید فریدون پاریاں   وہ عظیم اوتار ہیں
الٰہی تصویر ہیں!!   ہے بھگوان ہندوستان کے[1]

کیا اس میں یہ صراحت نہیں کہ بزرگ اوتار اللہ کی تصویر ہوتے ہیں؟ ان میں خدا اترا ہوا ہوتا ہے اور وہ ان کی مہربانی مانتا ہے۔ اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ہندوؤں کی بت پرستی کو وہ شرک نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بریلوی مذہب والے اپنے بزرگوں اور پیروں کو خدا کے اوتار اور اس کی تصویر سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ بھگوان یعنی خدا ان کی مہربانی مانتا ہے۔

ہندوازم کو مسلمانوں کے قریب لانے کی ایک اور کوشش

مسلمان حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو عظیم روحانی پیشوا مانتے ہیں جو حق سے محبت رکھنے

---

[1] ہفت اقطاب ص۱۲۳

مسلمانوں کے تشکیک و تذبذب کا موجب ہو جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانا چاہتے ہیں کہ ہندو، حضرت غوث پاک کو مانتے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہندوؤں سے وحشت کم ہو جائے اور وہ مسلم حلقوں میں مقبول ہونے لگیں۔ خان صاحب کو امید تھی کہ شاید اس مانوس و محبت سے مسلمان پھر کبھی ہندو مذہب قبول کر لیں۔ مولانا احمد رضا خاں لوگوں کو وہابیوں اور شیعوں سے دور کرنا اور ہندوؤں سے قریب کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کا یہ شعر پہلے کہیں نقل کر چکے ہیں۔

ستم کوری وہابی رافضی کی   کہ ہندو تک ترا قائل ہے یا غوث[1]

(وہابی، شیعہ اور وہابی بڑے ظالم ہیں لیکن ہندو اے غوث پاک تیرے قائل ہیں۔ تجھے مانتے ہیں تیری نظر کرم ہندوؤں کے بھی شامل حال رہتی ہے۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ ہندو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تک کو نہیں مانتے۔ بلکہ شریعت کے منکر ہیں۔ انہیں حضرت غوث پاک کا معتقد بتا رہے ہیں گویا عشق اولیاء کے لیے مسلمان ہونے کی بھی شرط نہیں۔ (معاذ اللہ) بس انسان وہابی نہ ہو اور کچھ بھی ہو پرواہ نہیں۔ گو ہندو ہو۔

باہمن سے نکاح پڑھوانے کی تجویز

ہندو جب حضرت غوث پاک کے معتقد ٹھہرے تو ضروری تھا کہ انہیں مسلم معاشرت کے قریب لانے کا ایک اور موقع فراہم کیا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے بریلویوں کو مشورہ دیا کہ اگر کبھی باہمن (برہمن) سے بھی نکاح پڑھوائیں تو نکاح ہو جائے گا۔ اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہندو ازم کی وحشت کسی نہ کسی حکمت سے مسلمانوں کے ذہن سے نکالی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر ہندو مذہب قبول کر لیں۔ ہندوؤں کی یہ نہایت خطرناک سازش تھی۔ جب مولانا احمد رضا خاں سے پوچھا گیا وہابی نکاح پڑھائے تو کیسا رہے گا۔ آپ نے کہا۔

نکاح تو ہو ہی جائے گا اس واسطے کہ نکاح نام ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ باہمن پڑھا دے[2]

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۰   [2] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۱۵

بریلوی اس مسئلے کو احکام شریعت میں سے پیش کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ برہمن سے نکاح
پڑھوانے کی تجویز کسی مسلمان کی ہو سکتی ہے یا ہندو کی؟ اور کیا اسے احکام شریعت میں سے کہا جا سکتا
ہے؟

جہاں تک فقہی مسئلے کا تعلق ہے ہم اس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اتفاق نہیں کر
سکتے۔ ہندو اعلانیہ طور پر ایک غیر ملت ہیں اور قطعاً ایک دوسرے دین پر ہیں۔ مسلمان ہیں ان کے کافر
ہونے میں کوئی اختلاف اور شک نہیں۔ اب جو مسلمان ایک مذہبی تقریب میں برہمن کی سربراہی قبول
کرتا ہے۔ وہ، چاہے اس نظریہ کی وجہ سے اس ملت سے رضا کا اظہار کرتا جو ملت کافرہ ہے اور اسلام
کی رو سے رضا بالکفر کفر ہے۔ اب جو مسلمان برہمن سے نکاح پڑھواتا ہے وہ اپنے اس غلط عقیدے
کی وجہ سے اسلام سے فوراً نکل جائے گا اور مرتد ہو جائے گا اور مرتد کا نکاح کسی سے جائز نہیں
دیوبندیوں سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، وہ بہرحال تو ملت اسلامیہ کا ایک حصہ ہیں اور اپنے آپ کو
بھلا مسلمان کہتے ہیں۔

برہمن جب نکاح پڑھائے گا تو آخر پڑھے گا کیا؟ اس نے قرآن کریم تو پڑھنا نہیں، وہ
تو اپنی پوتھیاں ہی پڑھے گا۔ دیوبندی پڑھائے گا تو وہ قرآن کریم کا خطبہ ہی پڑھے گا۔ اب آپ ہی
سوچیں کہ برہمن سے نکاح پڑھوانے کی تجویز کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کی
پوتھیاں بریلویوں کے عقیدے میں وہابیوں اور دیوبندیوں کی قرآن و حدیث کی قراءت سے زیادہ
مقدس ہیں۔ (استغفر اللہ)

ہندوؤں کی پوتھیاں بے خطر ہیں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی دوسرے مسلک کے مسلمانوں سے یہاں تک بیزار تھے کہ
لوگوں کو مشورہ دیتے تھے کہ علماء دیوبند کی کتابوں کی نسبت ان کے لیے ہندوؤں کی پوتھیاں بے خطر رہیں گی:

> اشرف علی اور تمام دیوبندی عقیدے والوں کی کتابیں کتب منطق بلکہ فلاسفہ ہنود
> کی پوتھیوں سے بدتر ہیں۔[1]

---

[1] فتاوےٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۱۵ مطبوعہ لائلپور

علماء دیوبند کی حدیث کی خدمت پوری دنیا میں مسلم ہے۔ کیا ہندوؤں کی پوتھیاں اب حدیث کی کتابوں سے بھی افضل ہو گئیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ آپ سوچیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ہندوؤں کو ہندوؤں کی پوتھیوں سے بدتر کہنا ہندوؤں کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔

ہندوؤں کو اہل کتاب بنانے کی کوشش

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا ہے۔ یہود کے علماء ان کے احبار اور عیسائیوں کے درویش ان کے رہبان تھے۔ قرآن کریم میں عیسائیوں کے بارے میں ہے:

ذلک بان منهم قسیسین ورهبانا وانهم لا یستکبرون۔

(پ ۷)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ ان میں (دانشمند) ہیں، قسیس (عالم) اور رہبان (درویش) ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔

یہاں قرآن کریم میں رہبان عیسائی درویشوں کو کہا گیا ہے اور وہ بے شک اہل کتاب میں سے تھے۔ ان کا صحیح ترجمہ درویش ہے مگر مولانا احمد رضا خاں کو دیکھئے کس دیدہ دلیری سے رہبانهم کا ترجمہ جوگی کرتے ہیں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کے تارک الدنیا سادھوؤں کو جوگی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہندی کا ہے اور جوگی کے معنی ہندی فقیر کے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے رہبان کا ترجمہ جوگی کرکے ہندوؤں کو اہل کتاب میں لانے کی عجیب چال چلی ہے

یا ایها الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل الله۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں: اے ایمان والو بے شک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

یہ آیت اہل کتاب کی بد عنوانیوں کے بیان میں اتری تھی۔ اس میں رہبان کا ترجمہ جوگی کرکے

ط

نکاح کو درست کہنے کے باوجود وہ پنڈتوں سے بہت سے مسائل میں اختلاف رکھتے ہوں گے لیکن یہ
بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ ان کا پنڈتوں سے اختلاف بہت خفیف قسم کا ہوگا۔ اگر کہیں کوئی عالم موجود
نہ ہو تو وہ اپنے پیروؤں کو پنڈتوں سے مسئلہ معلوم کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔

پنڈتوں سے مسائل پوچھنا

مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے پیروؤں کو مشورہ دیتے تھے:۔

اگر کوئی شخص دار الحرب خاص کفار کی بستی میں جسے جہاں مثلاً صرف ہندو ہوں
اور وہ کہے کہ میں جہاں کی سکونت نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ بتاؤ کہ فوری ضرورت کے
مسئلے کس سے پوچھوں تو اس سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ پنڈت سے پوچھ لیا کرو۔[1]

ملاحظہ: آپ نے دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں کن کن صورتوں سے ہندو مذہب کو مسلمانوں کے
قریب لا رہے ہیں۔ کبھی انہیں اہل کتاب قرار دے رہے ہیں کبھی اپنے پیروؤں کو مشورہ دے رہے ہیں
کہ کوئی عالم میسر نہ آئے تو پنڈت سے مسئلہ پوچھ لیا کریں۔

مولانا پر پنڈت ہونے کا فتوے

مولانا احمد رضا خاں نے جب عورتوں کو عرسوں اور میلوں پر جانے سے منع کیا اور فتوے دیا کہ
عورتوں کا مزارات پر جانا منع ہے تو اس پر مزارات کے سجادہ نشین آپ سے بگڑ گئے۔ پھر کیا تھا
انہوں نے مولانا کو خوب سنائیں اور مولانا نے بھی انہیں جواب آں غزل کے طور پر خبیث کہہ دیا۔
یہ بریلویوں کے اپنے گھر کا معاملہ ہے۔ ہم اس میں دخل دینا نہیں چاہتے۔ ہم صرف مولانا احمد رضا خاں
صاحب کی ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا پر پنڈت کا فتوے ان کے
اپنے ہاں بھی لگ چکا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

وہ اجیسی کفرے کو جانے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں۔ انہیں
میں وہ جنہوں نے درمیان فقیروں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سڑک سے برتی

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ لائلپور

آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض غیر مسلم صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں
کو یہ لفظ کہہ سنا کر عالم کرتا ہے۔ سب پنڈت ہیں[۱]

اس پر مولانا احمد رضا اپنی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ لوگ مجھے پنڈت سمجھتے ہیں۔ یہ کیوں؟
اس لیے کہ مولانا کی ساری دینی محنت بھی تو آخر اسی لیے تھی کہ اس ملک میں ہندو ازم پھر سے جاگ اٹھے
اور مسلمان دیوالی کی مٹھائی اگلے دن کھایا کریں۔

ہولی اور دیوالی اگلے دن منانا

ہندو جس دن ہولی اور دیوالی مناتے ہیں، مٹھائی بانٹتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے
پیروں کو مشورہ دیا اسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ مشورہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ہولی کی مٹھائی اس سے
اگلے دن اور دیوالی کی مٹھائی اس سے اگلے دن کھایا کریں۔ یہ اگلے دن کا التزام خود ان کی قربت
نہیں تو اور کیا ہے؟

عرض: کافر جو ہولی اور دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز
ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے[۲]

ہندو اگلے روز تو تبھی دیتے آئیں گے جب انہیں معلوم ہو کہ آج ان کے ہاں بھی ہولی یا
دیوالی کی خوشی ہے ورنہ وہ کیوں دیتے آئیں گے۔ مسلمانو! غور کرو کس طرح ہندو ازم کو مسلمانوں کے
ذہن میں اتارا جا رہا ہے اور یہ سب کوشش اسی لیے ہو رہی ہے کہ ان کے عقیدہ میں ہندو حضرات
غوث پاک مانتے ہیں۔ بریلویوں کے حلقہ عقیدت میں ہندو عام آتے جاتے ہیں۔ اور یہ بریلوی لوگ
ہندوؤں کے تبرک اور ان کے نذرانوں کو پیر کامل کی صحیح تربیت کا صلہ سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں بزرگوں
کی محبت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے۔

---

[۱] [illegible] حقیقہ ص ۵ [۲] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ [illegible]

پنڈت شودت کا مربہ

کہتے ہیں کہ پنڈت شودت کو جناب غوث علی شاہ صاحب سے بہت عقیدت تھی پنڈت جی دہلی میں کمشنر کے سررشتہ دار تھے کمشنر کسی بات سے ان سے ناراض تھا پنڈت جی مربے کا بھرا مرتبان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس پھر کیا تھا کمشنر پنڈت سے راضی ہو گیا ان کے مولانا شبیہ حسن سیرت غوثیہ سے نقل کرتے ہیں :

> پنڈت جی نے ایک مرتبان جس میں مربہ بھرا ہوا تھا آپ کو پیش کیا۔ آپ نے پنڈت جی سے دریافت فرمایا کہ مرتبان میں کیا ہے ؟ پنڈت جی نے عرض کیا حضور کے لیے مربہ لایا ہوں یہ سن کر آپ نے فرمایا بہت خوب مربی بیاد و مربہ بخورد[1] پھر پنڈت جی سے مخاطب ہوئے کہو صاحب ! اب تو کمشنر صاحب تم پر بہت مہربان ہیں[2]

عشق رسالت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم

بریلوی ہر جگہ عاشق رسول ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ عاشقان رسول کے نام سے جگہ جگہ انجمنیں بناتے ہیں لیکن افسوس کہ جہاں بھی ان کا بس چلے وہ عشق رسالت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم کر دیتے ہیں۔ وہ ایسا عشق رسالت چاہتے ہیں جس کے لیے مسلمان ہونے کی کوئی پابندی نہ ہو۔ اس کی غرض اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ماسوائے مسلمین ہندوؤں کو بھی انجمن عاشقان رسول کا ممبر بنا سکیں۔ ان کے مرد می غلام جہانیاں صاحب لکھتے ہیں۔

کچھ عشق محمد میں نہیں شرط مسلماں   ہے کوثری ہندو بھی طلب گار محمد[3]

یعنی جو ہندو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب گار ہیں ان سے سوا یہ سمجھتے ہیں وہ کوثر ہندو صنعت کے الاق میں عشق رسالت کا یہ ایک ایسا مذہب ہے جس کے لیے مسلمان ہونے کی کوئی شرط نہیں۔

---

[1] ترجمہ کسی کو تربیت دینے والا بن اور مربہ کھا تو۔ [2] حجم خانہ تصوف ص۲۲۵

[3] بہشت انقلاب ص۱۲۳

کرتے ہیں:۔

درشن کو ترسے نیناں ترست ہیں لاج کی ماری گائے کیوں
میں برہا کی ماری یہ بپتا یا عبدالقادر جیلانی [1]

ہندو محبوب کو پیتم کہتے ہیں اور برہمن کتھا پاٹھ کرتے ہیں یا مقدس کتابوں کا وعظ کہنا ان کے ہاں کتھا کہلاتا تھا۔ اب دیکھئے مولانا احمد رضا خان کس طرح ہندوؤں کی مذہبی اصطلاح میں اتر کر کتھا پڑھتے ہیں۔

نیناں ترست ہیں درشن کو میرے دکھ کی کتھا پیتم سن لو
اب دور کرو میری بپتا یا عبدالقادر جیلانی [2]

دین کو عربی سے نکالنے کی کوشش

اسلام عالمگیر Universal دین ہے مگر اس کا مرکز عرب ہے خانہ کعبہ جس کی طرف مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہوں نماز میں رخ کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ (عرب) میں ہے۔ اسلام کی تمام اصطلاحیں عربی میں ہیں۔ قرآن کریم کی زبان عربی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی میں کلام فرماتے تھے۔ اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ ملائکہ (فرشتے) بھی اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔ مگر مولانا احمد رضا خان نقل کرتے ہیں:۔

صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہوگا اور کچھ خط بھی بتائے۔ [3]

صحیح حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ بتائے جن سے منکر نکیر قبر میں سوال کریں گے۔ ما تقول فی هذا الرجل [4] یہ عربی الفاظ ہیں۔ اب ان احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے صرف ایک کشف کی بنا پر عربی کو سریانی سے بدلنا دین مصطلحات کو مرکز سے جدا کرنا نہیں تو اور کیا ہے

[1] مذاق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳ [2] ایضاً [3] ملفوظات حصہ سوم ص ۲۳ احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی (ملفوظات حصہ چہارم ص) [4] تمہید الایمان احمد رضا نمبر ص

اور خاں صاحب کا اشارہ کہیں سنسکرت کی طرف تو نہیں کہ دونوں کے حروف چھ ہیں اور دونوں کی ابتدا سین سے ہے۔

شوال کا نام ہند کا مہینہ نام رکھنے کی تجویز

شوال عربی مہینوں میں بہت معروف مہینہ ہے۔ یہ عید الفطر کا مہینہ ہے۔ ناگپور میں ۱۹۴۶ء میں بریلوی مذہب والوں نے اس کا نام بدلنے کی بہت کوشش کی۔ ان کے محدث اعظم (جنہوں نے کبھی کسی جگہ حدیث نہ پڑھائی تھی) نے فرمایا:

> میرے پیارے سنی بھائیو! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اسی ماہ کا نام اہل سنت والجماعت ہند کا مہینہ رکھیں[1]

اس تجویز کو ربع صدی کا عرصہ گزر رہا ہے لیکن بریلوی ابھی تک اس کا نام ہند کا مہینہ نہیں کر سکے۔ ان کی دین کو ہندی بنانے کی کوشش ہر لحاظ سے لائق مذمت ہے۔ ملک میں ہندو ازم کی نشاۃ جدیدہ کے لیے اس راہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

جب ہندوستان میں تقسیم ملک کی تحریک شروع تھی بریلوی مارہرہ شریف اور جناب الاحناف لاہور سے مسلم لیگ کے خلاف فتوے شائع ہو رہے تھے۔ بہت سے بریلوی عوام بھی ان فتاویٰ کے خلاف تھے تو مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں نے بریلویوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان کے بعض علماء سے رجوع کیا اور کہا کہ وہ ان کے اس مطالبہ پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ ایک ملک گیر کانفرنس رکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر بریلویوں کے اسی محدث اعظم نے ان سے گذارش کی کہ یہ کارنامہ بنارس کے مقدس شہر میں سرانجام دیا جائے۔

> ہردوار میں فقیر ہر سال عرس پہ حاضر ہوتا ہے اس جگہ کانفرنس رکھی جائے میں اس کا مخالف نہیں لیکن اس زمانہ میں سنی بھائی بنارس کے مقدس شہر میں اکٹھے ہو کر تاریخی فیصلہ کریں۔ مارہرہ شریف کا مسلم لیگ کے خلاف فتویٰ بہت مشہور ہے[2]

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ص۳۳ [2] اشتہار مارہرہ شریف کا فتوے نہ دینے مسلم لیگ کا فتوے مطبوعہ مراد آباد

بریلوی مذہب کے وہ چند لوگ جو پاکستان کے حامی تھے وہی اس آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا بڑے احترام سے ذکر کرتے ہیں ۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خان کے حلقہ خاص کے لوگ بنارس کی اس کانفرنس سے الگ تھلگ رہے ۔ اس لیے ان پر یہ بیان کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ انہوں نے بنارس کانفرنس میں سے متعدد کہا تاہم ان پر ملا فتوے یہ تھا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کہنا درست نہیں ۔

کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا

قائد اعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا ۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں [1]

اس سے انکار نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کے حلقہ خاص میں انگی تحریک ہمیشہ ہند کی طرف کی جاتی تھی ۔ گو یہ لوگ مقصد دروں پردہ کا پتہ نہیں چلنے دیتے تھے لیکن ان کی مختلف کارروائیوں سے یہ بات ضرور معلوم ہو جاتی ہے کہ بریلوی عقائد و افکار سے ہندوازم کی نشاۃ جدید ہوئی ہے مولانا احمد رضا خان کے مدرسہ کے مشہور نعت خواں حافظ خلیل صاحب کس زور دار انداز میں اپنے ہندی ہونے کا ذکر کرتے ہیں ۔

یہ سائل ہند کا ہے نام جو تمہیں روشن ہے جو منصب ہے جی کا [2]

ترجمہ : آپ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کا منصب کیا ہے کیوں بے خبری کا بہانہ کھیل رہے ہو ۔

ہندوں کی رسمیں فوت شدگان کے بارے میں

قدیم ہند میں فوت شدگان کے بارے میں جو ہندو رسوم رائج تھیں ان میں سے بعض کا تذکرہ علامہ ابو ریحان بیرونی (م ۴۴۰ھ) نے کیا ہے علامہ موصوف سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور ہندو تہذیب کا انہوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا ۔ ہندوؤں کا اعتقاد تھا کہ میت

[1] [illegible] [2] نئے سلم لیگ کی زریں بخیہ دری [illegible]

کہ مولانا احمد رضا خاں کی مثال بیان کرنی تھی مشائخ کہاں جب ہر طرف سے مایوس ہونے تو مسز اندرا گاندھی کے دامن میں پناہ لی۔ ان کے ماہنامہ المیزان بمبئی کے احمد رضا نمبر میں ہے۔

جس طرح ہماری وزیر اعظم نے ملک میں پھیلائی جانے والی ہنگامی صورتحال سیاسی تنگ نظری، اقتصادی بدحالی معاشی ابتری اور قومی بےچینی کے خاتمے کے لیے ایمرجنسی کو ضروری و لازم کہا اسی طرح مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ملت میں پھیلائی جانے والی وہابیت، نیچریت، نجدیت اور قادیانیت کے خاتمے کے لیے اسلامی ایمرجنسی کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا۔

ناظرین کرام پر واضح ہو چکا ہو گا کہ دور حاضر کی قومی ایمرجنسی اور سو سال پہلے والی ایمرجنسی میں کس قدر مطابقت ہے[1]

مولانا احمد رضا خاں کے مسلک کی وضاحت کے لیے کیا بریلویوں کو مسز اندرا گاندھی کی ہی مثال مل سکتی تھی؟ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے لیکن یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بریلوی مذہب والے قومی ایمرجنسی کو اسلامی ایمرجنسی کے مقابل لا کر یہ بات بھی کہہ رہے ہیں کہ ان کے ہاں قوم در ملت میں فرق ہے۔ قوم ان کے ہاں وطن سے بنتی ہے اور دین مولانا احمد رضا خاں سے نسبت رکھتا ہے جیسا کہ آپ نے خود وصیت کی تھی۔

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے[2]

ہندوستان کے مسلمانوں پر یہاں کی ہندو تہذیب نے کیا اثر ڈالا اور بریلوی مذہب اپنی رسوم میں کس قدر ہندوؤں کے قریب ہے۔ اس کی چند جزئیات آپ کے سامنے پیش کر دی گئی ہیں اس سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) بھی مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثرات آنے کا اس دور میں شکوہ کر چکے ہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

یقین واثق ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے دیگر رسوم انجام دینے کی طرح

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ص۱۳۱ [2] وصایا شریف ص

ہندی مسلمانوں نے اس رسم کی پیروی کی ہے جیسے ہندو دیوالی کے تہوار پر اپنے گھروں کی دیواروں، منڈیروں پر دیئے جلاتے ہیں۔ وہ ہندوستان کے ہندوؤں میں کفر کی وجہ سے بعض امور بکثرت رائج ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کے ہندوؤں سے بڑے اختلاط رہے، ہندوؤں نے ہندو عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کی شادیاں کیں اسی اختلاط عام اور رسم رواج کے طریقے اختیار کرنے کے سبب سے مسلمانوں نے بھی روشنی کرنے کی رسم ڈال دی ہے۔ بعض کہتے ہیں اگر ہم بھی کسی سیٹھ سا ہوکار سے کم نہیں جس طرح وہ روشنی کرتے ہیں ویسی ہی بلکہ اس سے اچھی ہم کرتے ہیں۔

بعض متاخرین علماء کا بیان ہے کہ مخصوص راتوں میں بکثرت روشنی کرنا بدعت شنیعہ ہے اس لیے ضرورت سے زیادہ روشنی کرنے کے مستحب ہونے کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے۔[1]

حضرت علامہ شاطبیؒ جن کی مختصر عبارت ہم پہلے دے آئے ہیں لکھتے ہیں:۔

ان المنار لیس ایقادها فی المساجد من شان السلف الصالح ولا کانت مع تنزیہ المساجد ابتداءً ثم احدث التزیین بها حتی صارت من جملة ما یعظم به رمضان واعتقد العامة هذا۔

ومثله ایقاد الشمع بعرفة لیلة الثامن من ذی الحجة ذکر النووی انها من البدع القبیحة وضلالة فاحشة جمع فیها انواع من القبائح منها اضاعة المال فی غیر وجهه ومنها اظهار شعائر المجوس۔[2]

ترجمہ: مسجدوں میں چراغاں کرنے کا سلف صالح کا دستور نہ تھا اور نہ ہی یہ چیزیں تھیں جن سے مسجدوں میں زینت کی جاتی ہے پھر تزئین جاری ہوئی یہاں تک کہ ماہ رمضان کی تعظیم کی جانے لگی اور عوام یہی اعتقاد کرنے لگے۔

اور اسی طرح عرفہ کی رات ذوالحجہ کی آٹھویں کو شمع جلانا ہے۔ امام نووی نے اسے

---

[1] دستور اسلام بحث روشنی کے وہ مسائل [2] الاعتصام جلد ۲ صفحہ [illegible]

کہ یہ بہت بُری بات ہے اور کھلی گمراہی ہے جس میں کئی قسم کی برائیاں جمع ہیں جیسے مال کا اپنے غیر محل پر ضائع کرنا اور مجوسیوں کے شعائر کو اپنانا، وغیرہ۔

مسلمانوں میں ہندو تہذیب کس طرح گھس آئی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

ثانیاً اس میں تشبہ ہے ہندوؤں کی دیوالی کے ساتھ۔ ثالثاً اسراف بے جا ہے
رابعاً اس کی وجہ سے مساجد ایک کھیل تماشا کی جگہ بن جاتی ہیں[1]

مولانا احمد رضا خاں کو بھی احساس تھا کہ دیوالی کی رسم مسلمانوں میں سرایت کر رہی ہے۔ آپ نے اس تشبہ سے نکلنے کی یہ صورت نکالی کہ ہندوؤں سے مٹھائی لے تو لیا کریں مگر کھائیں اسے اگلے دن۔ تاکہ لوگوں کی نظروں میں تشبہ بالہنود سے بچ سکیں۔

افسوس! خاں صاحب نے یہ نہ سوچا کہ جب آپ نے مٹھائی لے لی اور کھائی اگلے دن جب کوئی دیکھنے والا سامنے کھڑا نہ تھا) تو کیا آپ ہندو تہذیب سے بچے رہے اور ہندوؤں نے کیا آپ کو غیر سمجھا ـــــ تشبہ سے نکلنے کی کتنی عجیب صورت آپ نے تجویز کی ہے کہ مٹھائی بھی نہ تم سے نہ جائے اور ہندو بھی آپ سے ناراض نہ ہوں۔

اب مزارات پر ہندو مسلمانوں کے ساتھ کس طرح آتے ہیں اس کے لیے ذرا کچھ وقت نکال کر شام چوراسی ضلع ہوشیار پور میں جناب شیخ عبد الغنی (۱۰۴۹ھ) کے مزار پر حاضری دیکھئے۔ سکھ اور مسلمان وہاں مل کر چادریں چڑھاتے ہیں۔ انسان اس منظر کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ بریلویت کس طرح ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ اب ایک ہوتی جا رہی ہے۔

یہ لوگ کون ہیں؟ یہ لالہ بدھ مل قوم کھتری کے صاحبزادہ ہیں ـــ کیا انہیں ہدایت مسلمان ہونے کے بعد ملی یا یہ ہندو نسل میں ہی تھے جب آپ ولایت کے مقامات کبریٰ اور صغریٰ طے کر چکے تھے۔

لالہ بھوپت رائے کی پیدائش

آپ اکبر بادشاہ کے دور میں ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوئے ـــ جناب محمد سلیم نقشبندی نے آپ کے

---

[1] امداد المفتیین جلد ۲ صفحہ ۵۹

حالاتِ زندگی پر "تذکرے" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپ حضرت لالہ بھوجت رائے کی پیدائش پر لکھتے ہیں:۔

> نومولود نے سارا دن والدہ ماجدہ کا دودھ نہ پیا۔ البتہ شام کو افطاری کے وقت وہ دودھ پیا۔ اس طرح گویا آپ نے پہلا روزہ رکھا۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بچپن میں قوت گویائی عطا فرمائی تھی مگر میں نے کلام نہ کیا کہ مجھے جن یا عفریت نہ سمجھیں۔ آپ کا ہندوانہ نام لالہ بھوجت رائے رکھا گیا۔[1]

بین المذاہب عرسوں کا مظاہرہ

تذکرہ میں شیخ عبدالغنی کے عرس مبارک ۱۹۸۰ء کی تصویر دی گئی ہے جس میں ہندو اور سکھ مل کر رسم چادر پوشی ادا کر رہے ہیں۔ تصویر میں سکھ اپنی پگڑیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور سکھ عورتیں مزار شریف پر ختم پڑھ رہی ہیں۔

عرس مبارک ۱۹۸۰ء کے موقعہ پر پھر ختم شریف پڑھا جا رہا ہے۔ ایک سکھ عورت اور دو سکھ مرد مزار اقدس پر حاضری دے رہے ہیں۔

پھر کتاب کے آخر میں دیکھیں۔ ساجی عبدالمجید چشتی نعت خواں محمد حسین قادری، لالہ بنارسی داس جیسے ہندو اور جتندر کمال بموقع عرس نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

عرس کا متولی گورشرن سنگھ

پھر تذکرہ پڑھنے والا جب آخر میں یہ پڑھتا ہے کہ انڈیا کے علاقہ ریاست پنجاب کا ایک سکھ گورشرن سنگھ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ کی نسبت سے شاہی لکھتا ہے ۱۹۶۰ء سے اس مزار مبارک کا متولی اور عرس چلا رہا ہے تو اس میں کوئی تردد یا شک نہیں رہتا کہ بریلویت ان دنوں ہندو مذہب کی ایک نشاۃ جدیدہ ہے کہ اس دائرہ میں شامل ہونے کے لیے اسلام چھوڑنا ضروری نہیں۔ بریلویت میں

---

[1] تذکرہ شیخ عبدالغنی شاہی ص ۲۴۴ مکتبہ گلشن نوری لاہور طبع ۱۹۸۱ء

جو دو نوں نسبتیں آپ کو بیک وقت ملیں گی۔

یعنی دوسروں کا ہی تصور نہیں بریلویوں نے خود اپنے اور ہندوؤں کے مابین مشابہتیں تلاش کیا جس طرح مسلمانوں دو اصل کتاب ہیں اتنا ساتھی مشترک سرمایہ ایمان ہیں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی مشترک اساس نہیں اور ہندوؤں کی دو جتنے بھی جو کتابیں ہیں ان کو کم از کم مسلمانوں سے کیا غرض ہے

مگر افسوس کہ بریلویوں نے اپنے حاشیہ قرآن پر کرشن کو بھگوان کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشتبہ کر دیا مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

مشرکین عرب کی طرح ہندو بھی آپ کا احترام کرتے ہیں [1]

اب عام لوگ جو گھر پر قرآن پاک ترجمے سے پڑھتے ہیں وہ جب یہ قرآن میں کرشن کا نام دیکھیں گے تو کیا کرشن مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترک متاع نہ بن جائیں گے یہ ہندو مذہب کی طرف نہایت خطرناک قدم ہے ایک دوسرے مقام پر یہ مفتی قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

ہند کے مشرک انہیں کرشن کا جد کہہ کر تعریفیں کرتے ہیں مشرکین عرب بھی اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے [2]

حضرت ابراہیم جیسے موحد کو مشرکوں کی بھی متاع قرار دینا خواہ وہ ہندوستان کے مشرک ہوں یا عرب کے کیا کسی غیر مشرک کا کام ہو سکتا ہے اگر نہیں تو آپ ہی فیصلہ فرمائیں بریلویت ہندو ازم کی طرف ایک کھلا قدم ہے یا نہیں

ہندو تصورات میں اوتار کا جو مقام ہے بریلوی اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں اور افسوس کہ یہ بات بھی بریلویوں نے حاشیہ قرآن پر لکھ دی ہے۔

مجھ سے ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ جنہیں تم ابراہیم کہتے ہو ہم انہیں کرشن کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل کو ارجن [3]

ایسا مفتی آپ کو پاک و ہند میں آپ کو کہیں اور نہ ملے گا جو ہندوؤں کی باتیں اپنے حاشیہ قرآن پر لکھتے اور اس کے پیرو اسے خدا کا کلام سمجھ کر پڑھ رہے ہیں ـــــ افسوس صد افسوس

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

---

[1] نور العرفان حاشیہ قرآن صفحہ ۹۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۹ [3] ایضاً صفحہ ۱۱۱

یہ فقط ہماری رائے نہیں کہ بریلویت ہندو اسلام کی نشاۃ جدیدہ ہے بلکہ انگریز مؤرخین اور مستشرقین جنہوں نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ بریلی کا تقابلی مطالعہ کیا وہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔
یہ کہتے ہوئے کہ بریلویت میں مسلمانوں کے صرف نچلے طبقے کے لیے کشش ہو سکتی ہے فٹ نوٹ میں لکھتا ہے۔

The school adhered to corruption of Islam such as saint worship and intercession at tombs, these were common among converts particularly in rural areas, where often there were considerable similarities between Hindu and Muslim practices.

The Muslims of British India A foot-note on p.268.

ترجمہ: یہ سکول (بریلوی مکتب فکر) اسلام میں تحریف corruption کا مرتکب ہے پیر پرستی اور قبروں کو وسیلہ نجات بنانا یہ اسلام میں تحریف ہے یہ امور نئے مسلمان ہونے والوں خاص طور پر دیہاتی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں حال یہ ہو چکا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے طور طریق میں قابل قدر مشابہتیں موجود ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مدرسہ بریلی دارالعلوم دیوبند کی طرح حنفی فقہ کا دعوے دار ہے لیکن ان کے قبروں پر سجدے اور طواف اور پیر پرستی میں خدائی طاقتوں کے تصورات اور وہ جاہلی عقائد ہیں جو دیوبند والوں کے لیے ایک salemity (لعنت) بنے ہوئے تھے۔ صرف دیوبندی ہی نہیں فرنگی محل کے علماء بھی بریلویوں کی ان حرکات کو وحشت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ P. Hardy لکھتا ہے۔

> اگرچہ بریلی مکتب فکر دیوبند والوں کی طرح فقہ حنفی کا قائل تھا اور اسلام کی کسی نئی تشریح کے خلاف تھا لیکن اس کا قبر پرستوں کی حمایت کرنا اور قبروں کو واسطہ نجات سمجھنا اور ولیوں میں کرامتوں کی ما فوق قوتیں تسلیم کرنا خاص اعتقاد دیوبندیوں کے لیے اصول اسلام سے ایک فطری انحراف تھا۔ فرنگی محل کے علماء بھی ان عقیدوں میں بریلویوں کے مخالف تھے۔

اب ہم محض ان کے دعوائے حنفیت سے انہیں کیسے حنفی مان لیں فقہ حنفی میں تحریف کرنے والوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ اس قدر گر چکے ہیں کہ یہ سب کچھ کر چکے ہیں۔

مسیحیت کا طورِ جدید

بریلوی عقائد کے اندھیروں میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

غیب بیں Seer کہتے تھے۔ تب ساؤل نے اپنے نوکر سے کہا، تُو نے کیا خوب
کہا، آ ہم چلیں۔ سو وہ اس شہر کو جہاں وہ مردِ خدا تھا چلے اور بستی کی طرف
ٹیلے پر چڑھتے ہوئے اُن کو کئی جوان لڑکیاں ملیں جو پانی بھرنے جاتی تھیں انہوں
نے اُن سے پوچھا کیا غیب بیں یہاں ہے؟ انہوں نے ان کو جواب دیا۔ ہاں
ہے۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ اہلِ کتاب کے پہلے تاریک دور میں مردِ خدا کو غیب بیں Seer کہا جاتا تھا
———— پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصلاح فرمائی اور اب انہیں نبی کہا جانے لگا۔ ان کے عقیدے میں وہ
اپنی غیبی قوتوں سے ہونے والے امور کو دیکھ لیتے تھے۔ اسی لیے ان کو Seer کہا جاتا تھا۔ یعنی
حاضر و ناظر۔

اس کتاب کے اسی باب میں حوالہ ۵-۶ اس طرح ہیں۔

ساؤل اپنے نوکر سے جو اس کے ساتھ تھا کہنے لگا۔ دیکھ اس شہر میں
ایک مردِ خدا ہے جس کی بڑی عزت ہوتی ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ سب
ضرور ہی پورا ہوتا ہے۔ سو ہم اُدھر چلیں شاید وہ ہم کو بتا دے کہ ہم کدھر
جائیں۔[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں ان مردانِ خدا کی شہرت لوگوں کو خدا سے ملانے کی
بجائے غیبی خبریں بتانے والوں کے عنوان سے زیادہ تھی۔ لوگ اس لیے ان کے پاس آتے تھے کہ
یہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں ان دنوں کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی خبریں دینے والوں
کو نبی کہتے تھے۔ نبوت کا جو تصور اسلام میں ہے وہ ان کو حاصل نہ تھا۔ پیشگوئی کرنا ان کے ہاں ایک فن
تھا۔ جس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

سموئیل نبی نے ۱۱۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م تک اس فن کے سکول کھول رکھے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک خدا سے اصلاح پانے والے کا ہی نام نہیں، غیبی
خبریں دینے والے کاہن اور نجومی بھی نبی کہلاتے تھے اور لوگ ان سے اس طرح [illegible] ہوتے

۱۔ سموئیل باب ۹ درس ۹۔ ۲۔ ایضاً درس ۵۔۶

تھے۔ اسے غیب جاننے والے۔ اس کی تائید نئے عہد نامے کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

دوسرے دن ہم روانہ ہو کر قیصریہ میں آئے اور فلپس مبشر کے گھر جو ان ساتوں
میں سے تھا اتر کر اس کے ساتھ رہے۔ اس کی چار کنواری بیٹیاں تھیں۔ جو
نبوت کرتی تھیں اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نام ایک نبی
یہودیہ سے آیا۔[1]

اب یہ لڑکیاں جو نبوت کرتی تھیں وہ کون سی نبوت تھی؟ کہانت اور نجوم اور جفر سے غیب کی باتیں جان لینا اور غیبی امور کو تجرد اور کشف سے دیکھ لینا، یہ ان کے ہاں ایک فن تھا۔ اس فن والے کو یہ لوگ Seer (حاضر و ناظر) کہتے تھے غیب جاننے والا، غیب دیکھنے والا اور حاضر و ناظر یہ سب بہ اعتبار خدا کی صفات تھیں۔ جن کے پاس یہ لوگ غیب کی باتیں پوچھنے جاتے تھے۔

اسلام میں نبوت کا مقام

اسلام میں نبی کسی نجومی یا کاہن کو نہیں کہتے۔ نبی وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے۔ کوئی شخص اپنی محنت، ریاضت اور عبادت سے نبی نہیں بن سکتا۔ یہ ایک خدائی موہبت ہے، وہ جسے چاہے اسے۔ نبی کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ لوگوں تک خدا کے احکام پہنچائے۔ غیب کی دنیوی خبریں دینا جو کہ ایک فن بن گیا ہے، ان کا موضوع بعثت نہیں ہوتا۔ علم کلام کی کتابوں میں نبی کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ علامہ سید شریف، علامہ عبدالعزیز، ملا علی قاری اور علامہ طحطاوی علی الترتیب لکھتے ہیں:

انسان بعثه الله الى الخلق لتبليغ الاحكام۔[2]

ترجمہ: رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف اپنا حکم دے کر بھیجے۔

والرسول انسان بعثه الله تعالى الى الخلق لتبليغ الاحكام الشرعية۔ نبراس ص۹۶

والصحيح ان النبي انسان اوحي اليه سواء امر بالتبليغ ام لا والرسول من امر بتبليغه[3]

وهو انسان حر ذكر اوحي اليه بشرع وامر بتبليغه وان لم يؤمر بتبليغه فهو نبي فقط۔[4]

فرمائیں کہ بریلوی حضرات نبی کے نام کو پھر اپنی معنوں میں لے آئے، جس پر کبھی یہودیوں کی شان

---

[1] رسولوں کے اعمال باب ۲۱ [2] کتاب التعریفات ص۲۰۴ [3] شرح نقایہ ص۲ [4] حاشیہ مراقی الفلاح ص۶

تھی۔ نبی کو نبی کہنے کی بجائے یہ حضرات اُسے غیب دان کا عنوان دیتے ہیں۔ نبوت کی جو توہین پہلے کبھی یہود و نصاریٰ کے ہاں ہوتی تھی، یہ مسلمان کہلاتے ہوئے پھر اس کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں قرآن کریم کے لفظ نبی کا ترجمہ نبی سے نہیں کرتے، غیب جاننے والا کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک لفظ نبی اسلام کی کوئی اصطلاح نہیں، اس کا ترجمہ درکار ہے۔

غیب جاننے کے قواعد

غیب کی خبر ہونا اور غیب جاننا دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں۔ غیب کی خبر کسی کے بتلانے سے ہوتی ہے اور غیب جاننا کسی کے بتلانے سے نہیں۔ انسان کا اپنا ہنر ہے جسے وہ عمل میں لاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں، ہاتھوں کی لکیروں میں اور کہانت اور عرافت کے قواعد میں کچھ ایسے اسرار رکھے ہیں کہ ان راہوں سے غیب کی باتیں معلوم کرنے والے کچھ نہ کچھ پا ہی لیتا ہے۔ اس سے حاصل ہونے والا علم گو قطعی نہیں ہوتا، نہ اس پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ محنت اور ریاضت کرنے والے ان راہوں سے غیب کے بہت سے پردوں میں جھانک لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حریم غیب میں ان راہوں سے جھانکنے کو منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا:

من اتی عرافا فسألہ عن شیء لم یقبل لہ صلوة اربعین لیلة۔ [1]

ترجمہ: جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس سے غیب کی بات پوچھی اس کی چالیس دن کی نماز گئی۔

اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ کہانت، عرافت اور نجوم اور جفر سے حاصل ہونے والا علم غلط ہے صرف یہ فرمایا کہ ان راہوں سے غیب کی باتوں کو معلوم کرنا جائز نہیں۔ حضرت رب العزت کی غیرت مقتضی ہے کہ کوئی شخص اپنے قواعد استخراج سے اس کی حریم غیب میں نہ جھانکے۔

غیب کو اس طرح جاننا یا جاننے کی کوشش کرنا غیب کو خود جاننا ہے۔ یہ اپنے ہنر کا استعمال ہے، اپنا استخراج ہے، یہ خبر غیب نہیں۔ انبیاء جن غیوب کی خبر دیتے ہیں وہ اس پر مطلع کئے جاتے ہیں۔ وہ خود کوئی قواعد استعمال نہیں کرتے جس سے وہ غیب کو جان سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کا جاننا کسی کو نہیں دیا کہ جب چاہے اس کے ذریعے غیب کی بات معلوم کر لیا کرے۔

---

[1] مسلم کتاب السلام، مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۳

بنو اسرائیل میں جو غیب بین ہوتے تھے وہ کہانت و نجوم کی مدد سے خود غیبی امور کو دریافت کرتے تھے۔ انہیں کسی سے غیب پر اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ انبیاء کو غیب کی خبریں ملتی ہیں تو وہ نہیں سمجھتے جن سے وہ خود بالاستقلال غیب کی کسی بات کو جان لیا کریں۔

بریلویوں نے انبیاء کو غیب جاننے والے کہہ کر انہیں اپنے مقام سے گرایا ہے۔ وہ انہیں نبوت کے مقام سے اتار کر کاہنوں اور نجومیوں کے درجے میں لے آئے ہیں اور حق یہ ہے کہ لفظ نبی غیب دان، غیب بین یا حاضر ناظر کے الفاظ سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ نبی باعلام الٰہی غیب کی خبریں دیتے ہیں، غیب دانی کے قواعد ان کے پاس نہیں ہوتے۔ بنو اسرائیل کے علاوہ جہاں جہاں بھی نبوت کرتی تھیں، ان میں غیب بینی کے اپنے قواعد کی مشق ہوتی تھی۔ انبیاء اس غیب دانی اور مشق سے پاک ہیں۔

انبیاء کی طرف غیب دانی کی نسبت یہ اسلامی بات نہیں۔ یہود و نصاریٰ کی میراث ہے جسے بریلوی علماء ہر جگہ اٹھائے پھرتے ہیں۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:۔

ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیه الصلوٰة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا الله کذا فی المسایرة۔[1]

ترجمہ: حنفیہ نے صراحت سے اس شخص کی تکفیر کی ہے جو عقیدہ رکھتا ہو کہ حضور غیب جانتے تھے کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے یہ مسایرہ ابن ہمام میں ہے

مگر بریلوی کہتے ہیں کہ آنحضرت کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔[2]

قواعد نجوم سے غیب کو سامنے سے دیکھنے والا یہودیوں میں Seer کہا جاتا تھا۔ بریلویوں کا عقیدہ حاضر ناظر یہیں سے ماخوذ ہے جو انہوں نے کاہنوں اور نجومیوں سے لیا ہے اور انبیاء پر اسے چسپاں کر دیا ہے۔

(ناظر) کو حاضر کیوں نہیں کہا

Seer کے معنی ناظر کے ہیں۔ حاضر کی دلالت ساتھ نہیں۔ اس کی وجہ ان کاہنوں کا عزم تھا کہ انہیں ناظر کہا جائے حاضر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حاضر چھوٹے اور ادنیٰ orderly کو کہتے ہیں۔

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ [2] کا نہرست انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص۳۹۶

استاد بچوں کی حاضری لیتے ہیں تو ہر بچہ اپنے کو حاضر کہتا ہے۔ آنفیسر نوکر کو آواز دے تو وہ اپنے آپ کو حاضر بتاتا ہے: جناب حاضر ہوں) بادشاہ کو حضور کہتے ہیں اور جملہ خدام حاضر ہوتے ہیں۔۔۔ جو اسرائیل میں Seer کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ لوگ خود اس کے پاس حاضر ہوتے تھے، اسے اپنے سامنے حاضر نہ کرتے تھے۔ بریلویوں کا حضور کو اپنے سامنے حاضر و ناظر کہنا ایک بڑی جسارت ہے۔ جس کے دل میں حضور کا کچھ ادب ہوگا وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر نہ کہے گا، یہ صرف خدا کا مقام ہے کہ اسے حاضر و ناظر کہتے ہیں اس کی اس سے ہٹی نہیں۔ جہاں ایک مجلس کے دو فرد ہوں گے بڑا حضور ہوگا اور چھوٹا حاضر یعنی حضور کے پاس حاضر ہیں اور نبی پاک حضور، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاضر اور گواہ میں فرق

گواہ میں ایک اعزاز ہے کہ اس کے بیان پر کوئی حکم سچا یا جھوٹا ٹھہرتا ہے، وہ کسی پر قیمت مرتبے کا گواہ ہے تو یہ بھی ایک اعزاز ہے کہ اس عظیم بات کی خبر اس نے دی ہو، کوئی اس گواہی کے لائق نہیں ہوتا۔ لیکن لفظ حاضر اپنی لفظی دلالت میں اس اعزاز کو شامل نہیں۔
قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد اور صحابہ کرامؓ کو شہداء کہا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے نیک دوں پر اس کے گواہ ہیں اور صحابہ کرامؓ عام احادیث پر حضور کے گواہ ہیں لیکن افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں بھی حضور کے لیے لفظ شاہد نہ رہنے دیا۔ اسے لفظ حاضر و ناظر سے ترجمہ کر ڈالا۔ حالانکہ جو عظمت شان لفظ شاہد میں ہے وہ اعزاز و تکریم لفظ حاضر میں نہیں ہے۔

Seer (ناظر) کی اصطلاح اسلامی علم کلام میں کہیں نہیں

ناظر کی یہ اصطلاح یہی علم کلام کی ہے۔ اسلامی علم کلام میں برگزیدگان خدا کے لیے ناظر کا لفظ کہیں نہیں تھا۔ Seer سامنے سے دیکھنے والے کو نہیں کہتے اپنے سامنے تو ہر بینا دیکھتا ہے۔ اس مرد بینا کو کہتے ہیں جو پردوں کے اندر سے کسی غیب کی بات کو جھانک لے۔
یہ صحیح ہے کہ ارواح کے لیے کہیں لفظ حاضر مل جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ روح کی حاضری سے شریعت میں کہیں کوئی حکم نہیں بنتی۔ گواہی روح مع الجسد سے دیکھنے سے بنتی ہے بریلوی مسلک اللہ خیبر و خیر کر

ظاہراً بشر کہتے ہیں، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صفتِ قدرت اور مختارِ کل ہونے کی شان اس انداز میں مانتے ہیں، کہ ممکن الوجود میں اس کے آنے یا سمانے کی کوئی گنجائش دہریہ جیسا سمجھا ہی نہیں۔

انگریز حکمران سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی خدا یا رب یا اس کا بیٹا ماننے کو تیار نہ ہوں گے۔ جب تک انہیں حضرت خاتم النبیین کے ذاتِ امکان سے بلند و برتر ہونے کا تصور نہ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو حضور کے بارے میں یہی تصور دیا ہے۔

بشر میں صفاتِ خداوندی

غیب کو از خود جان لینے، ایسا ملکہ حاصل ہو کہ جب چاہیں پردہ غیب کی بات معلوم کر لیں، یا پردہ ہی اٹھ جائے اور Seer (بنی) خود دیکھ لے یا خدا نے ایسی چابی دے دی ہو کہ جب چاہیں بلا خدا کے بتائے غیب کے قفل خود کھلتے جائیں یہ بشر میں صفاتِ خداوندی کا اقرار ہے۔ وہ خدا ہے جو بلا کسی کے بتائے خود غیب کی بات جانتا ہے اور اس سے غیب و شہادت کی کوئی بات پردے میں چھپی نہیں ہے۔

بریلوی حضرات انبیاء کو خدا تو نہیں سمجھتے لیکن ان میں صفاتِ خداوندی کا اثر نا معلوم تسلیم کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیب دانی کا ایسا ملکہ دے رکھا ہے کہ جب چاہیں بلا خدا کے بتلانے کے اس ملکہ سے غیب کو جان لیا کریں۔ اسے یہ اپنی اصطلاح میں عطائی علم غیب کہتے ہیں اور عملاً یہ غیب کو از خود اس ملکہ سے جانتا ہے۔

عیسائی اس کے برعکس خدا کے زمین پر اترنے کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ خدا پہلے ایک عورت (حضرت مریم) کے پیٹ میں مجسم ہوا اور پھر اس دنیا میں ظاہر ہوا اور اس میں صفاتِ بشری اتریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس طرح وہ خدا کا بیٹا کہتے ہیں، خدا بھی کہتے ہیں اور آپ کے زمین پر چلنے پھرنے کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ خدا میں صفاتِ بشری اتری تھیں اور اسی جہت سے آپ چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے تھے۔

مولانا آل حسن دوسرے استفسار میں لکھتے ہیں:

ہم نے بعض اہل علم عیسائیوں سے سنا ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

اُن کے جسم اور نفسِ ناطقہ کی جہت سے ہر بشر آدمی کے لیے ہوتا ہے خدا نہیں جانتے
ہیں بلکہ بالکل ایک اور حقیقت کے کرنیاں رکھتا ہے جس کا مرتبہ وہ ہے جب حضرت
عیسیٰ کو خدا جانتے ہیں کہ وہ حقیقت حضرت عیسیٰ کے لیے تھی اور دوں کے
لیے نہیں ہے۔[1]

بشر میں صفات خداوندی ہوں یا خدا میں صفات بشری دونوں عقیدوں کا حاصل اور
مآل ایک ہے کہ خالق مخلوق سے متحد ہے اور یہ عقیدہ کھلا شرک ہے۔

انگلینڈ کے پروفیسر اے۔ جے آربری A. J. Arbury بریلویوں کے اسی عقیدے
کو شیعہ عقیدہ قرار دیتے ہوئے اسے عیسائیوں سے مشابہ کرتے ہیں۔

شیعوں نے مذہب قدیم و دین زرتشت (آتش پرستی) کا تتبع کرتے ہوئے
ایک فرد کو صاحب اقتدار و اختیار قرار دیا یعنی صاحب شریعت بالفاظ دیگر بشر
میں صفات خداوندی دیکھیں اور یوں عیسائیوں نے جو خدا میں اوصاف
انسانی پائے تھے اُن کے الٹ بات کہی۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ عیسویت میں
بعض تحریکات پائی جاتی ہیں جو بدعت پر مبنی ہیں اور حضرت عیسیٰ کی ذات اور
ان کے وجود سے متعلق ہیں۔ ان میں اور شیعی افکار میں کچھ مشابہت ہے۔[2]

مسئلہ بشریت میں بریلوی فکر اور شیعی فکر ایک ہی ہے اور دونوں گروہ بشر میں صفات
خداوندی (جیسے علم غیب، حاضر و ناظر ہونا اور مختار کل ہونے) ثابت کرنے کے قائل ہیں۔ عیسائیوں سے
اُن کے بالکل الٹ بات کہی۔ اور خدا میں صفات بشری ثابت کرنے کا عقیدہ اختیار کیا۔ پروفیسر آربری
کے بیان کے مطابق حاصل تینوں کا ایک ہے اور یہ ایک بات کے تین مظاہر ہیں۔

پادری فنڈر مفتاح الاسرار میں جو ۱۸۴۳ء میں شائع ہوئی لکھتا ہے۔
مسیح از جنس یا نوع بشریت بلکہ مرتبہ شان اعلیٰ است۔[3]
ترجمہ: مسیح بنی نوع انسان میں سے نہیں۔ اس کا مرتبہ بڑے اونچا ہے
پادری فنڈر نے قرآن کریم کی آیت کلمۃ اللہ القاہا الیٰ مریم وروح منہ سے

---

[1] کتاب الاستبصار ص۔ [2] شیعزم بائی ڈونلڈسن انگریزی ص۱۔ [3] مفتاح الاسرار ص۔

بات پر استدلال کیا ہے۔ حضرت مولانا آل حسن اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

روح منہ سے یہ نہ کہنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ خود ہی روح تھے، بلکہ جو مرتبہ جنین
کا جزو مادر کا مرتبہ ہے لہٰذا روح ڈالنے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی گئی
نہ کہ جنین کے بدن کی طرف کہ ہنوز وہ علیحدہ نہ تھا اور جب روح سے حضرت
عیسیٰ کی مباینت ثابت ہوئی تو واجب الوجود کہ روح سے بھی زیادہ تر
وہ مجرد اور منزہ ہے اس کی مباینت حضرت عیسیٰ کے تعین شخصی سے بطریق
اولیٰ ثابت ہوئی۔ بالجملہ حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے[1]

مولانا آل حسن پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے عیسائیوں کے خلاف اس سلسلے میں قلم اٹھایا اور ۱۲۶۵ھ میں کتاب الاستفسار لکھی۔ آپ کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مساعی سے نتائج نکلے، اور پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کا جواب اظہار الحق لکھ کر پوری دنیائے عیسائیت پر اسلام کی حجت تمام کر دی۔

مولانا آل حسن کی اس تصریح سے پتہ چلا کہ انبیاء کے نوع بشر میں سے ہونے کا مسئلہ ان دنوں اہل اسلام میں ہرگز کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا اور مسلمان علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت ثابت کرکے ان کے واجب الوجود ہونے کی نفی آسانی سے کر دیتے تھے اور عیسائی پادریوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب آگرہ میں مسیحی مشنریوں کو للکارا اور پوچھا کہ حضرت عیسیٰ اپنی ذات میں واجب الوجود ہیں یا ممکن الوجود — آپ درجہ واجب میں ظاہر ہوئے یا عالم امکان کے دائرے میں آئے، تو عیسائی پادریوں اور مسیحی مشنریوں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

بشریت انبیاء کا مسئلہ اسلام میں اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ مسلمان علماء نے اس کے سہارے بارہا حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا طلسم توڑا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ۱۳۲۴ھ تک کبھی یہ اختلافی مسئلہ نہ سمجھا گیا، حتیٰ کہ حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانی نے اس موضوع پر ایک رسالہ "سید البشر" لکھا جس پر اس وقت کے قصور کے تمام علماء اور ملک کے بڑے بڑے

---

[1] کتاب الاستفسار، صفحہ ۵

اکابر نے (جن میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی بھی ہیں) جب یہ کہ دستخط کئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس وقت فوت ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی بشریت انبیاء کا انکار نہ کیا تھا اس کے برعکس بہت الفاظ بشریت انبیاء کا اقرار کیا تھا۔

> اجماع اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم مانے اہل سنت سے خارج ہے۔[1]

مگر معلوم نہیں کون انگریز گورنر یا عیسائی پادری مولانا کے پاس پہنچا جس نے ان کے ترجمہ قرآن میں ظاہر صورت بشری کے الفاظ ڈلوا کر مسلمانوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس عقیدے کا آغاز کرا دیا جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں گھڑ رکھا تھا کہ خود اپنی حقیقت اور ذات میں ہرگز بشر نہیں ہیں بشریت آپ کا صرف ظاہری لباس ہے۔ اللہ نے آپ (کی جا) جس نے آپ کو یہاں بھیجا ہے اور معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے آپ سے ملنے کو عرش پر گئے تھے اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ اپنے آپ سے ہی ملنے گئے تھے صریح کفر ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی بشریت پر نص قطعی موجود ہے۔

قرآن کریم کی آیت:

> قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ (پ ۱۶، الکہف۔ آیت)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

> تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

یہ ترجمہ جہاں جہاں پہنچا، اکابر علماء اسلام نے اسے تحریف قرار دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کے داخلے پر پابندی لگ گئی۔ اب تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام صرف ظاہر صورت میں بشر ہوتے ہیں، حقیقت اور ذات میں بشر نہیں ہوتے۔ نامناسب نہ ہو گا اگر ہم سلسلہ نقشبندیہ کے مرشد عالم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا یہ عقیدہ یہاں نقل کریں۔

> انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات باوجود در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است۔[2]

---

[1] دوام العیش صفحہ ۲۸ [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۶ ص ۳۴۹

انبیاء کرام انسان ہونے میں سب برابر ہیں حقیقت (نوع) اور ذات میں سب ایک ہی انسانوں کی فضیلت ان کی (ذات سے نہیں، صفات سے قائم ہوتی ہے۔

آپ ایک دوسرے خط میں (میر محمد نعمان کے نام) لکھتے ہیں:-

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با آں علو شان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متسم بشر از خالق بشر جل شانہ چہ دریابد و ممکن از واجب چہ فرا گیرد و حادث قدیم را حقیقت عظمتہ چہ کند و احاطہ نماید ولا یحیطون بہ علماً نص قاطع است[1]

ترجمہ: اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی اونچی شان کے باوجود بشر تھے اور حادث ہونے اور ممکن الوجود ہونے کے نشان سے نشان دار تھے۔ بشر خالق بشر سے کیا کچھ پا سکتا ہے اور ممکن الوجود واجب الوجود کو کہاں پہنچ سکتا ہے اور پیدا ہونے والا ذات قدیم کا کیسے احاطہ کر سکتا ہے کوئی اس کے علم کو محیط نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن پاک کی نص قطعی ہے۔

قرآن کریم میں کہا گیا ہے قل انما انا بشر مثلکم آپ کہہ دیں میں بھی انسان ہوں جیسے تم۔ لیکن اسلام میں انبیاء کرام کسی دوسری نوع کے انسان نہیں۔ علامہ سید شریف لکھتے ہیں۔

انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام[2]

ترجمہ: رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف اپنا حکم دے کر بھیجے۔

والرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام الشرعیۃ۔[3]
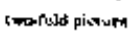
محدث کبیر ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

والصحیح ان النبی انسان اوحی الیہ سواء امر بالتبلیغ اولا والرسول من امر بتبلیغہ۔[4]

اسلام میں نبی کے انسان ہونے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا علامہ طحطاوی لکھتے ہیں

وھو انسان حر ذکر اوحی الیہ بشرع ولم یؤمر بتبلیغہ فان لم یؤمر بتبلیغہ فھو نبی فقط۔[5]

---

۱ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۶۱ ص [illegible]   ۲ کتاب التعریفات ص [illegible]   ۳ [illegible] ص [illegible]

۴ شرح فقہ اکبر ص [illegible]   ۵ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص [illegible]

ان بزرگوں کی ان تصریحات کے بعد اب مولانا احمد رضا خاں صاحب کو کون پوچھتا ہے۔ کوئی شخص نہیں چاہتا کہ قصائد نعتیہ کو اسی قسم کی بے سروپا باتوں سے ضائع کردے یہ صرف عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوہری تصویر (twofold picture) کے داعیدار ہیں کہ آپ اندر سے خدا تھے اور اوپر سے بشر —— مسلمانوں میں سے کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

مولانا احمد رضا خاں نے جب آپ کی ظاہری صورت بشری کا دعویٰ کیا تو پھر ضروری تھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم امکان سے ذرا آگے لے جائیں اور آپ کی ذات گرامی میں کچھ واجب الوجود کا پہلو پیدا کریں —— جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذات واجب کہتے ہیں مگر خدا کو پھر بھی باپ کا درجہ دیتے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ ذات واجب سے کچھ نیچے ہے مولانا احمد رضا خاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب اور ممکن کے مابین ایک مقام دیتے ہیں۔ گویا آپ کے نزدیک حضور کا مخلوق ہونا کوئی قطعی بات نہیں ایک امر موہوم ہے۔ افسوس کہ خان صاحب ایسے یقینی اور قطعی مسئلہ اسلامیہ میں بھی حیرت میں ڈوبے رہے۔ کہا ہے

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں[1]

یہ بھی لکھتے ہیں:

سبحان اسرار علام الغیوب
برزخ بحرین امکان و وجوب[2]

اور پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں:

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے[3]

---

[1] حدائق بخشش حصہ اول ص ۲۹ [2] ایضاً حصہ دوم ص ۱۱ [3] ایضاً جلد اول ص ۱۰

بریلویوں کا حضورؐ کو واضح طور پر حادث اور ممکن الوجود ماننا اور یہی قطعی عقیدہ اسلام میں ایسا ہی
بے دیکنا کفر ہے اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس بیان کے صریح خلاف ہے۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں علو شان بشر بود و بداغ حدوث
و امکان متسم بشر از خالق بشر جل شانہ چہ دریابد و ممکن از واجب چہ فرا گیرد
و حادث قدیم را جلت عظمتہ چہ فرا احاطہ نماید لا یحیطون بہ علماً نص
قاطع است ۔[1]

اب آپ ہی انصاف فرمائیں عیسائیوں میں اور بریلویوں میں کیا فرق رہا۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کو حقیقۃً بشر نہیں مانتے یہی کہتے ہیں کہ وہ ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہوئے بریلوی بھی حضورؐ کو حقیقۃً بشر نہیں مانتے یہی کہتے ہیں کہ آپ ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہوئے عیسائی نبی علیہم السلام کو غیب بین کہتے رہے ہیں مولانا احمد رضا خاں بھی نبی کا ترجمہ کرتے ہیں غیب کی خبریں دینے والے ۔ سے کرتے ہیں عیسائی نبیوں کو seer (یعنی امور کا جاننے والا) کہتے تھے بریلوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مافوق الامکان قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور بریلوی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی بالائی قدرت کے قائل ہیں جو آپ کے ممکن الوجود ہونے کی نفی کرے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں اور بریلوی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے خداوند کہتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہر چیز پر قادر مانتے ہیں اور بریلوی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قدرت کل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ دونوں میں اتنی مشابہتیں موجود ہیں کہ مسلمانوں میں بریلویت عیسائیت سے نکلی ہوئی ایک تحریک معلوم ہوتی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ تم (یعنی تم میں سے بعض) پہلوں (یہود و نصاریٰ) کی راہ پر چلو گے

اور نصیحت فرمائی کہ میرے مقام کو اس طرح نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔[2]

(کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] مکتوبات دفتر اول ص۲۴۲ مکتوب ۱۰۰ [2] مشکوٰۃ ص۴۱۲ عن الشیخین

اسلام میں نبی غیب بین نہیں

کتب مقدسہ کے حوالے سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ یہ لوگ نبیوں کو Seer غیب بین کہتے تھے اس کے بالمقابل قرآن نے واضح طور پر کہا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ آپ غیب بین نہیں اور اللہ رب العزت نے آپ کو اس کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔

ولو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسني السوء ان

انا الا نذير وبشير لقوم يؤمنون ۝ (پ ۹، الاعراف رکوع ۲۳، آیت ۱۸۸)

ترجمہ۔ اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ فائدے اپنے حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان کو جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔

قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله وما يشعرون

ايان يبعثون ۝ (پ ۲۰، النمل آیت ۶۵)

ترجمہ۔ تو کہہ نہیں جانتا جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں چھپی بات کو مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

بریلوی کہتے ہیں اس میں علم ذاتی کی نفی ہے کہ آپ غیب کو ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے علم مطلق کی نفی نہیں —— ہم گزارش کریں گے کہ آپ نے اس نفی علم غیب پر جو عقیدہ مرتب فرمایا کیا وہ تیرے علم مطلق کے اقرار پر مرتب ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر [illegible] کا علم عطائی بھی [illegible] تھا۔ [illegible] اس قدر [illegible] دیکھنے پڑتے۔ جانتے ہوئے تکلیف [illegible]

الٰہی تعالیٰ [illegible] میں جائز نہیں۔

ایک بڑے نقصان کا سامنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چار قبائل کے لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ سے [illegible]

نے اصحاب صفہؓ میں سے ستر انصاری ان کی مدد کے لیے روانہ فرمائے۔ یہ دراصل کافروں کی ایک سازش تھی جس کا اندازہ نہ ہو سکا جب یہ ستر صحابہؓ بیر معونہ پہنچے تو انہوں نے (ستر صحابہ کو) لانے والوں نے ہی انہیں (ایک کے سوا سب کو) قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اور آپ ایک ماہ تک قریب ان غداری کرنے والوں کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔[1]

اس ہونے والے واقعہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مطلق علم نہ تھا، یا ذاتی علم نہ تھا، اگر نفی علم غیب سے ذاتی نفی مراد ہے عطائی علم غیب آپ کو اس ہونے والے واقعہ کا تھا تو آپ نے یہ جانتے ہوئے کہ کافر ستر صحابہؓ کو مار ڈالیں گے انہیں کیوں ان کے ساتھ بھیجا اور اگر آپ کو اس کا مطلق علم نہ تھا تو نفی علم غیب کو مطلق رکھا جائے ہر جگہ ذاتی کی قید نہ لگائی جائے ــــ اگلے خطرناک حوادث سے بچنے کے لیے مطلق علم کافی ہوتا ہے وہ ذاتی ہو یا عطائی ــــ اور اگر نقصان واقع ہو جائے تو پھر اس میں صرف علم ذاتی کی نفی مراد لینا دین کی تحریف ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو کیا اس جگہ آپ تو موجود نہ ہوتے جہاں یہ کفار دھوکے سے صحابہؓ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ آپ علم غیب رکھتے تو بہت سے بچنے کے پہلو تھے آپ کو کوئی ایسا صدمہ لاحق نہ ہوتا۔

ایک اور تکلیف کا سامنا

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ جبریل حضورؐ کو کہہ گئے کہ وہ فلاں وقت آپ کے پاس آئیں گے لیکن وہ وقت موعود پر گھر نہ آئے، باہر منتظر رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچنے لگے کہ اللہ اور اس کے قاصد تو کبھی وعدے کے خلاف نہیں کرتے یہ کیا ہوا آپ دیکھتے ہیں کہ گھر میں کتے کا بچہ ہے وہ کہیں چارپائی کے نیچے آ گھسا تھا جس کا آپ کو علم نہ ہو۔ آپ نے حضرت ام المومنین سے پوچھا، یہ کب آیا تھا، انہوں نے کہا مجھے بھی پتہ نہیں چلا۔ آپ نے اسے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۸۹

نکالنے کا حکم دیا۔ وہ گیا تو حضرت جبریل اندر آئے اور کہا ——— انا لاندخل بیتا فیه کلب ولا صورۃ۔[1]

ترجمہ: ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا کوئی اور (ممنوع) تصویر ہو۔

آپ کو انتظار کی یہ جو پریشانی ہوئی آپ غمگین رہے؛ اور لا یعلم انہ ی عندہ و رسلہ پر سوچتے رہے۔ کیا یہ محض اس لیے تھا کہ آپ کو اس بات کا علم ذاتی نہ تھا کہ کتا وہاں موجود ہے علم عطائی تھا اور آپ یہ علم رکھتے ہوئے کہ کتے کا بچہ چارپائی کے نیچے ہے۔ معاذ اللہ ایسا خیال ہونے ہو سکتے بریلویوں کی اس ذاتی اور عطائی کی تقسیم نے دین کو کیا مذاق بنا دیا ہے۔ پیغمبروں کو غیب دان سمجھ کر ان کے پاس آنا یہ تو عیسائیوں کی بات تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بریلوی کیسے اس رنگ میں رنگے گئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں کہ جبریل نے آپ کو بتایا تھا کہ کتا گھر میں ہے پھر آپ نے تلاش کیا۔ لیکن یہ ترتیب ہمیں حدیث مذکور نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے مولانا احمد رضا خاں نے یہاں بھی اپنی عادت پوری کی ہے جو عبارت بدل دی ہے۔ تاہم اتنا تو کیا ہے کہ اصل واقعہ کا اقرار کر لیا ہے۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر غیب دان ہوتے جیسا کہ نبیوں کے بارے میں عیسائیوں اور بریلویوں کا عقیدہ ہے تو آپ کو کتے کے بچے کے آنے — چھپنے — چارپائی کے نیچے ہونے — اور اس وجہ سے جبریل کے رکے رہنے کا ضرور علم ہوتا ——— افسوس بریلوی یہاں بھی کہتے ہیں کہ یہاں صرف علم ذاتی نہ تھا، علم عطائی سے تو سرکار یہ سب کچھ جانتے تھے ——— استغفر اللہ العظیم

معلوم ہوتا ہے حضرت ام المومنین کا عقیدہ بھی آپ کے غیب دان اور حاضر و ناظر ہونے کا نہ تھا۔ ورنہ وہ آپ کو کتے کی تلاش کرتے یہ کہتیں کہ آپ تو غیب دان ہیں یہیں بیٹھے بیٹھے دریافت فرمالیں تلاش میں یہ محنت کیوں کر رہے ہیں۔

آپ نے ایک دفعہ ام المومنین سے علیحدگی میں ایک بات کہی۔ بات راز کی تھی۔ ام المومنین نے دوسری ام المومنین (حضرت سیدہ حفصہ) سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کر دی۔ آپ نے پھر ام المومنین کو جتلایا۔ انہوں نے فوراً پوچھا۔

من انبأك هذا۔ آپ کو کس نے بتایا؟

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [2] دیکھئے ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۲۱

آپ نے فرمایا:۔

نَبّاَنِیَ العَلِیمُ الخَبِیر۔ مجھے اللہ علیم و خبیر نے اطلاع دی ہے۔[1]

معلوم ہوتا ہے حضرت ام المومنینؓ کا عقیدہ آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا نہ تھا ورنہ وہ اس بات کا تذکرہ حضرت حفصہؓ سے نہ کرتیں ـــــ اور پھر آپ سے بھی نہ پوچھتیں کہ آپ کو کس نے بتایا ـــــ بصورت دیگر آپ کہہ سکتے تھے کہ میں تو خود وہاں موجود تھا۔ جہاں تم اسے یہ بتلا رہی تھیں۔

ایک اور سخت تکلیف کا سامنا

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے سال (سات ہجری) حضورؐ کی خدمت میں کسی نے بکری کا گوشت بھیجا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔[2]

یہ گوشت زینب بنت حارث (ایک یہودی عورت) نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے بھی چند لقمے لیے اور بعض صحابہؓ نے بھی وہ گوشت کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لقمے لینے کے بعد فرمایا۔ اسے نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ حضرت براء بن معرورؓ اس زہر سے شہید بھی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وفات کے وقت اس زہر کے اثرات محسوس کئے۔ اس پہلو سے آپ کی وفات بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ بات لائق توجہ ہے کہ اگر آپ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو جب وہ یہودیہ اس گوشت میں زہر ملا رہی تھی تو کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں تھا؟ اگر دیکھا تھا اور آپ عیسائیوں کی اصطلاح میں Seer (حاضر اور غیب بین) تھے اور بریلویوں کی اصطلاح میں ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو آپ نے زہر والا گوشت کیوں کھایا اور صحابہؓ کو کیوں کھلایا۔ اگر آپ نے جان بوجھ کر انہیں زہر کھلایا تو شرعاً کیا اس کا کوئی جواز تھا۔

بعض نادان بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ حضورؐ کو مقام شہادت دلانے کے لیے آپؐ نے جانتے ہوئے احتراز کیا اور بحیثیت مختار کل ہونے کے آپ کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

---

[1] پ ۲۸ سورۃ تحریم [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱

بنے یا مشتعل اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا آپ کے لیے نا جائز ہوتا، ہم اس کے جواب میں استغفراللہ کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ حیرت جہالت کا دوسرا نام ہے یہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔

ایک اور دردانگیز مصیبت کا سامنا

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ دس صحابہؓ کو حضرت عاصم بن ثابتؓ انصاری کی امارت میں سرحدی اختبار (خبر) معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جب یہ لوگ عسفان اور مکہ کے درمیان مقام ہدہ پر پہنچے تو کافر سو تیراندازوں کی جمعیت سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ سات صحابہؓ تو اسی وقت شہید ہو گئے پھر حضرت عاصمؓ بھی اور انجام کار حضرت خبیب بن عدیؓ اور زید بن دثنہؓ نے بھی اسلام پر جان دے دی۔[1]

سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر غیب دان اور ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو سرحدی اختبار کے لیے ان دس صحابہؓ کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر غیب دان تھے تو آپ کو اپنے دس جانثاروں کے ساتھ پیش ہونے والے سانحہ کا کچھ علم تھا یا نہیں ـــــ اگر تھا تو آپ نے یہ دس قیمتی جانیں یونہی بلا مقصد کسی ملکی یا دینی خدمت کے کیوں ضائع کیں؟ کیا آپ کو اس برے والے انجام کا علم غیب تھا؟ بریلویوں کا یہ کہنا کہ علم غیب ذاتی نہ تھا عطائی تھا کیا ان واقعات کے ساتھ کسی طرح لگا کھاتا ہے۔ نادان دوستو! کچھ تم سوچو۔

کفار کے ایک اذیت ناک سوال کا سامنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے واپسی پر بتایا کہ آپ رات بیت المقدس گئے تھے تو مشرکین مکہ نے پوچھا۔ تو پھر آپ کچھ نشان دیں کہ بیت المقدس میں فلاں فلاں چیز کہاں اور کیسے ہے؟ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں آپؐ نے حضورؐ کو فرماتے سنا۔

لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی الله لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه[2]

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد [illegible] صفحہ [illegible] [2] صحیح بخاری جلد [illegible] صفحہ [illegible]

ترجمہ: جب قریش نے مجھے جھٹلایا میں حجر میں کھڑا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ
میرے لیے روشن کر دیا سو میں اس کے نشان انہیں بتاتا جاتا اور میں اسے
(بیت المقدس) کو دیکھ رہا تھا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ اسے اس طرح روایت کرتے ہیں حضورؐ نے ایک دفعہ اس واقعہ کا اس
طرح تذکرہ فرمایا۔

لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي فسألتني عن أشياء من
بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه
الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء إلا أنبأتهم به[1]

ترجمہ: میں نے اپنے آپ کو حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے اس سفر (معراج)
کا پوچھ رہے تھے سو انہوں نے کئی باتیں مجھ سے پوچھیں جو مجھے یاد نہ تھیں۔ میں
نے اس سے تنگی کلفت محسوس کی کہ ایسی تکلیف مجھے کبھی نہ ہوئی تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے
مجھے اسے (بیت المقدس کو) میرے سامنے کر دیا یہاں تک کہ میں اسے دیکھ رہا تھا وہ
کوئی بات مجھ سے نہ پوچھتے مگر یہ کہ میں انہیں اس کا حال بتاتا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات بیت المقدس جانا اور انبیاء کی امامت فرمانا اس
لیے تو نہ تھا کہ آپ وہاں کے دروازوں اور کھڑکیوں کا مطالعہ فرمائیں۔ اور نہ ایسے موقعوں پر ایسا ہوتا
ہے پھر آپ کا ان کے سوالوں سے پریشان ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ اس وقت حوالی
بیت المقدس میں حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ آپ بلا کسی احساس کرب کے دیکھ دیکھ کر بتاتے جاتے۔

لیکن صورت واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے کر دیا۔
آپ دیکھتے جاتے اور ان کے سوالوں کا جواب ہوتا جاتا ——— اللہ رب العزت کا یہ نقشہ بیت
المقدس سامنے کر دینا بتاتا ہے کہ آپ عیسائیوں کے مذہبی تصور کے مطابق Seer غیب بین ہرگز
نہ تھے ——— سو بریلویوں میں آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر اور غیب بین ہونے کا عقیدہ اسلام سے
ہرگز نہیں، عیسائیوں سے ماخوذ ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۹۶

مدینہ میں ایک وحشت ناک خبر کا سامنا

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں ایک رات مدینہ میں دشمن کی آمد کی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا لیا اور اُدھر جاکر معاملے کی تحقیق کی۔ معلوم ہوا بات کچھ نہ تھی یہ بے اصل افواہ تھی۔[1]

یہاں پر طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر آپ واقعی غیب داں تھے تو آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے کیوں نہ بتا دیا کہ کچھ نہیں ہے ۔۔۔۔ صحابہؓ پر اور آپ پر اس افواہ کی وحشت اور گھبراہٹ اتنا عرصہ کیوں رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں حضورؐ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اس کا تصور تک نہ تھا، یہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ جنہیں   ہو گئے ہیں (غیب داں) اور بریلویوں نے ان سے یہ عقیدہ لیا ہے۔

حضرت انسؓ تو یہ بھی روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد تمرۃ فقال لولا ان تکون من الصدقۃ لاکلتہا۔[2]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رستے میں ایک کھجور گری پائی۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہ ہوتی کہ یہ کہیں صدقہ کی نہ ہو تو میں اسے کھا لیتا۔

ایک ہار کی گمشدگی اور اس کے لیے حضورؐ اور صحابہؓ کا ٹھہرنا

غزوہ بنی المصطلق میں حضرت ام المومنینؓ کا ہار کھو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاش میں رکنا پڑا۔ حضرت ام المومنین روایت کرتی ہیں۔

فانقطع عقدلی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ ولیسوا علی ماء۔[3]

جب ہم نے قافلہ اور آپ چلنے لگے تو جب وہ اونٹ اٹھا جس پر حضرت ام المومنینؓ کا

---

[1] دیکھیے صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸

موجود تھا تو اس کے نیچے سے رہ جاتا۔

اب آپ خود فرمائیں حضورؐ کا اس ہار کی تلاش میں اس جگہ ٹھہرنا جہاں پانی تک دستیاب نہ ہو کس قدر مشکل مرحلہ تھا۔ وہیں آیت تیمم نازل ہوئی اور یہ حضرت ام المومنینؓ کے ہار کی برکت تھی اور یہ اس خاندان کی پہلی برکت نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی غیب دان تھے جیسا کہ عیسائیوں کا انبیاء کے بارے میں عقیدہ ہے تو آپ نے پہلے ہی ہار کا پتہ کیوں نہ بتا دیا۔

بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں ہم حضورؐ کے لیے ذاتی علم غیب کے قائل نہیں عطائی علم غیب کے قائل ہیں۔ ہم جواباً عرض کریں گے کہ اگر آپ ہار کا اونٹ کے نیچے گرا ہونا عطائی علم غیب سے جانتے تھے تو وہاں آپ اتنا عرصہ کیوں ٹھہرے رہے۔ اور گھنٹوں اس کی تلاش کیوں کرتے رہے۔ پھر جب امید نہ رہی اور چلنے لگے تو اچانک ہار مل گیا۔ عطائی علم غیب کے تحت آپ نے کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔

بر سر مطلب آمدیم

ان شواہد کی روشنی میں یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ بریلویوں کے عقیدہ حاضر و ناظر، علم غیب اور انکار نوع بشری کے پیچھے کتاب و سنت کی روشنی نہیں عیسائی عقائد کا اثر ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں عیسائی مشنریوں کی آمد سے پہلے کہیں کوئی شخص بریلوی نہ تھا۔ یہ مولانا احمد رضا خان کی پرو گورنمنٹ پالیسی تھی جس نے ایک پورا نیا فرقہ لا موجود کیا۔

قوم کو بریلویت سے بچانے کی راہ

اب مسلمانوں کو بریلویت سے بچانے کی ایک ہی راہ ہے کہ انہیں رد عیسائیت پہ لگا دیا جائے جو بھی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوع بشری میں سے ہونے پر بحث کریں گے ان کا اپنا عقیدہ خود بخود درست ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ اور تمام انبیاء نوع بشری میں سے تھے اور حضرت آدمؑ کی اولاد تھے۔

جس شخص نے بھی رد عیسائیت میں کوئی قدم اٹھایا اسے حضورؐ کی بشریت کا واشگاف الفاظ

میں اقرار کرنا پڑا۔ آپ کی جدی نوع بشریت کا قائل کبھی عیسائیوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابو البرکات نعمان خیر الدین الآفندی الآلوسی نے عیسائی مصنف عبد المسیح کے جواب میں الجواب الفسیح لکھی تو نہیں واضح طور پر کہنا پڑا۔

فنبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد اللہ ورسولہ وبشر تحلہ العوارض کما قال سبحانہ قل انما انا بشر مثلکم[1]

ترجمہ: سو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول اور آپ بشر ہیں جنہیں بیماریاں اور عوارض پیش آتی ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے آپ کہہ دیں میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔

برصغیر پاک و ہند میں پہلا شخص جس نے رد عیسائیت میں بسط سے قلم اٹھایا وہ فاضل نوگی مولانا آل حسن مہانی ہیں ـــــ انہیں یہ بات کھلے بندوں کہنی پڑی۔ پادری فنڈر نے مفتاح الاسرار میں قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا۔

مسیح از جنس بنی نوع بشر نیست بلکہ مرتبہ او اعلیٰ است چنانکہ در سورۃ النساء بیان گردیدہ است انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ۔

مولانا آل حسن اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ کر تحریر لکھنا کہ مسیح از جنس بشر نیست تحریف کرنا کہلاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اگر جنس بشر سے ہونے کے لیے والدین کا ہونا ضروری ہے تو چاہیے کہ حضرت عیسیٰ بھی آدمیوں کے جنس سے نہ ہوتے ۔ ۔ ۔ ۔ بالجملہ حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے[2]

سو اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ رد عیسائیت میں جن عالموں نے شہرت پائی ان میں سے کوئی بھی بریلوی العقیدہ نہ رکھتا تھا جو بریلویت کے تعارف میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مرقوم ہے۔

---

[1] الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح جلد ۲ صفحہ ۱۱ طبع لاہور۔ تالیف ۱۳۰۶ھ [2] کتاب الاستفسار ص ۳۵ طبع قدیم

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے اور آپ کا سایہ نہ تھا۔ آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے۔[1]

یعنی آپ کا سایہ نہ ہونا بطور خرقِ عادت نہیں نور کی صفت کے طور پر تھا اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ میں بشریت بالکل نہ ہو اور آپ کی پیدائش مٹی سے نہ ہو، یہ عقیدہ بریلویوں کو بالکل عیسائیوں کی گود میں لا بٹھاتا ہے۔ کیونکہ جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے قائل گزرے ہیں وہ آپ میں یہ شان بطور معجزہ اور خرقِ عادت تسلیم کرتے تھے اور یہ خرقِ عادت بھی ہو سکتا ہے کہ آپ عادۃً اس جنس اور نوع سے ہوں جس کا سایہ ہوتا ہے۔

عیسائی بایں طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کے قائل نہیں —— بریلوی حضرات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح بشریت کے قائل نہیں۔ وہ آپ کو صرف بظاہر صورت بشری میں انسان کہتے ہیں اور اہلِ اسلام کے ہاں یہ عقیدہ خاصہ گزرا ہے یہی وجہ ہے کہ بریلویوں میں اب تک کوئی ایسا عالم نہیں ہوا جس کا خاص موضوع رد عیسائیت ہو کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مانے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کا کھلے بندوں دعویٰ نہیں کر سکتا۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بریلویوں کے کچھ اور حقائق بھی لکھے ہیں اور یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے کسی ملک کا انسائیکلوپیڈیا اس کے علمی اور تاریخی موقف کی ایک مستند دستاویز ہوتا ہے۔ اس میں یہ بریلوی عقائد ملاحظہ فرمائیں اور اسے ذہن میں گرجوں کے عیسائی تصورات محفوظ رکھیں۔ انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

> بریلوی مکتبِ فکر کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور وہ بایں طور کہ عالم کا ذرہ ذرہ آپ کی روحانیت و نورانیت کی جلوہ گاہ ہے ایسی روحانیت و نورانیت جس کے لیے قرب اور بعدِ مکانی یکساں ہے کیونکہ عالمِ قلوق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے۔[2]

دیکھئے یہاں آپ کی صرف روحانیت اور نورانیت کا ذکر اور آپ کو مخلوق ہونے کے دائرہ سے ایک ایمان سوز نفیس پیرائے سے نکالا ہے۔ بنی نوعِ انسان روح اور مادے سے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ صفحہ ۴۸۶ [2] ایضاً

بجب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانیت اور نورانیت سے مرکب بتلایا ہے۔ گویا بشریت بالکل مستثنیٰ ہے پھر آپ کو عالم خلق سے نکال کر ہر چیز کا قرب، بعد آپ کے لیے یکساں کر دیا ہے۔ اب دنیا میں کیا کوئی الیا بریلوی ہو سکتا ہے جو ان تمام عقیدوں کو مانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق بشر حضرت عائشہؓ کا خاوند حضرت فاطمہؓ کا باپ اور آپ کو کھانے پینے اور سونے اور اٹھنے بیٹھنے میں تمام امت کے لیے اسوہ حسنہ اور جاننے کی کوشش اپنی جنس میں سے ہی لائق امتثال ہو سکتا ہے حتیٰ کو بشریت سے نکال کر کیا کوئی مسلمان عیسائیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کا مدعی ہو سکتا ہے۔

آگے چلیے اسی انسائیکلوپیڈیا میں اور بریلوی عقائد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

> اور چونکہ آپ حاضر و ناظر عالم الغیب اور نور ہیں اس لیے بریلوی حضرات کے نزدیک آپ سے مدد مانگنا اور آپ کو پکارنا اور یا رسول اللہ کا نعرہ لگانا جائز ہے آپ کو مدد کے لیے جو پکارتا ہے اس کی آپ سنتے ہیں اور مدد کو پہنچتے ہیں[1]

یہ وہ آراء بعبارات ہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بجا لاتے ہیں۔ انہیں نور من نور اللہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ کو خدا کا روحانی بیٹا سمجھتے ہیں۔ یسوع مسیح کا کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں پھیلا ہوا مانتے ہیں اور بیٹے خدا کو باپ کے درجہ میں رکھتے ہوئے اپنی سب مرادات یسوع مسیح سے ہی مانگتے ہیں اسے ہی خدا مانتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی دہائی دیتے ہیں۔ اور یہ وہ پُر نقشہ ہے جو ہمیں بریلویوں کے ہاں ہر دینی تقریب اور عرس اور فاتحہ کے موقعوں پر ایک کھلی کتاب کی صورت میں ملتا ہے عیسائیت اور بریلویت کی یہ وہ مشترکہ تصویر ہے جو ہر شخص ان دونوں امتوں کے قریب ہو کر بآسانی دیکھ سکتا ہے۔

عیسائیوں کی رسم تعظیمی

عیسائیوں کے ہاں فوت شدگان کی یاد تعظیمی قیام سے کی جاتی ہے۔ اسمبلی میں یا مجلس

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص

میں جب کسی بڑے ذی رتبہ کو مزاج عقیدت پیش کرنا ہو تو چند منٹ کے لیے اس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں اور بریلویوں میں اگر کچھ فرق رہ جاتا ہے تو وہ موسیقی اور شعر خوانی کا ہے۔ عیسائی خاموش رہتے ہیں اور بریلوی تعظیمی قیام میں شعر پڑھتے ہیں۔

عیسائیوں کے علاوہ مجوسیوں میں بھی یہ قیام تعظیمی پایا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

عن ابی امامة قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضهم بعضا۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ عصا کی ٹیک لیے تشریف لائے اور ہم آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ایرانیوں کی طرح ایک دوسرے کے لیے تعظیمی قیام نہ کیا کرو۔

ہاں آنے والے کی خدمت کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے۔ حدیث قوموا الی سیدکم اس پر محمول ہے۔ محدث جلیل حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

اذا کان قیامهم للخدمة لا للتعظیم فلا بأس به کما یدل علیه حدیث سعد[2]

ترجمہ۔ اگر آنے والے کے لیے بطور خدمت کھڑے ہوں تعظیم کے لیے نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سعد کے لئے کھڑا ہونا بوجہ خدمت تھا

سیدنا حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں۔

لم یکن شخص احب الیهم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهته لذلک رواه الترمذی۔[3]

ترجمہ۔ کوئی شخص صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا۔ وہ (صحابہ) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتا دیکھتے تو (تعظیماً) کھڑے نہ ہوتے

---

[1] مشکوٰۃ عن ابی داؤد ص [illegible] [2] مرقات جلد [illegible] ص [illegible] [3] مشکوٰۃ ص [illegible]

تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند کرتے ہیں۔

عیسائیوں اور مجوسیوں کی قیامِ تعظیمی کی رسم بریلویوں نے کس طرح اپنا رکھی ہے یہ کسی سے مخفی نہیں ——— بھری مجلس میں ایک نعت خواں پکارتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور جملہ بریلوی کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں گزرتا کہ شاید یہ نعت خواں جھوٹ بول رہا ہو۔

اس وقت یہاں قیامِ میلادی سے بحث نہیں یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مسلمانوں میں مسیحی آدابِ تعظیم کن تاریک راہوں سے آ گھسے ہیں۔ مسیحی قومیں کس اہتمام سے کرسمس مناتی ہیں۔ یہ ان کے عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد شریف ہے۔ مگر آپ انہیں سیرتِ مسیح پر کہیں کوئی اہتمام کرتا نہ پائیں گے مسلمانوں میں بھی اسی طرح یہی بات چل نکلی ہے ——— سیرت کے جلسے ہوں تو اشتہاروں ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ حلقۂ دیوبند کے لوگ اس کے منتظم ہوں گے، مگر ان پڑھ عوام صرف میلاد شریف کے نام سے دکانیں اور بازار سجائیں گے۔ مسیحی قومیں حضرت مسیح کے میلاد پر گرجاؤں میں کیک کاٹتے ہیں اور بریلوی حضور کے میلاد پر مسجد ملاں میں مٹھائی بانٹتے ہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ بریلوی عیسائی ہو گئے ہیں لیکن یہ صورت حال بتلاتی ہے کہ چودہویں صدی کے آخر میں عیسائیت نے بریلویت کا ایک نیا روپ دھار لیا ہے۔ بریلویت ایک ایسا امرت دھارا ہے جس میں آپ کو ہندوؤں اور عیسائیوں اور مجوسیوں کی مذہبی رسوم غیر شعوری طور پر داخل ملیں گی۔

ایران کی مجوسیت اس نام سے اب باقی نہیں رہی۔ اس کے بنیادی عقائد شیعیت میں جذب ہو گئے ہیں۔ شیعیت بایں طور کہ اس کی نسبت اسلام سے کسی درجہ میں باقی ہے شیعوں کا بریلویت کے روپ میں مسلمانوں میں آنا ان کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے دینی تصورات کو تو یہ ساتھ ساتھ لے کر چل سکتے ہیں لیکن ان کا بھائی بھائی کا نعرہ ان کے ساتھ نہیں صرف شیعوں کے ساتھ ہی مل سکتا ہے۔

مناسب نہ ہو گا کہ یہاں ہم شیعیت کے اس طورِ جدید پر بھی کچھ تفصیل سے بحث کریں۔

شیعیت کا طورِ جدید

بریلویت کے رُوپ میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی

[illegible]

شیعیت کا طورِ جدید

شیعیت کی مذہبی دلالتیں جن متوازی نظریات سے متاثر ہوئیں ان میں عقیدہ ثنویت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور ہر خیر اور شر اسی کی حکمت اور تخلیق سے وجود میں آیا ہے ـــــ لیکن یہ عقیدہ پرانے ایرانی ادیان کے خلاف تھا وہ خیر کا خالق یزداں کو سمجھتے تھے اور شر کا اہرمن کو بتلاتے تھے۔ شیعہ کے ہاں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اور یہ عقیدہ ثنویت کی ہی صدائے بازگشت ہے

اسلام جب ایران میں آیا تو دونوں نظریات آپس میں ملے۔ اس امت کے پہلے مجوس قدریہ ہوئے تھے جو انسان کو اپنے افعال کا خود خالق سمجھتے تھے معتزلہ بھی یہی کہتے تھے اور عراق میں ناکام ہونے کے بعد ان کا یہ عقیدہ شیعیت میں جذب ہو گیا تھا

شیعیت کی دوسری مذہبی دلالت مسلمانوں میں ایک نسل کا تفوق اور اس کا آسمانی حق امامت ہے انہوں نے پہلی بات یہودیوں سے لی جو آل یعقوب کے نسلی تفوق کے قائل تھے اور آسمانی حق امامت انہوں نے ایران کے ساسانیوں سے لیا

مختلف ادیان کا یہ اتحاد اور مشترکہ ملغوبہ لوگ قبول کر لیتے اگر شیعیت میں پہلے تین خلفائے راشدین کے خلاف تبرا کرنا ضروری بات مذہب شیعہ میں سے نہ ہوتا یہ وہ سخت گولی تھی جو آسانی سے نہ نگلی جا سکتی تھی نہ اگلی جا سکتی تھی شیعہ نے اسے گوارا بنانے کے لئے اسے تقیہ سے ڈھانپنا اور کئی نادان اس میٹھی غلاف [illegible] گولی کو ہضم کر گئے۔

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر اے جے آربری میراث ایران میں لکھتے ہیں:-

"شیعیت کے اہم ترین مذہبی پہلوؤں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعہ علماء اور فضلاء اس بات کی سعی کرتے رہے ہیں کہ پرانے (ایرانی) ادیان "ثنویت" کی روح کو محفوظ رکھ کر اسلام کو وہ اقتدار اور استناد مہیا کیا جائے کہ عقیدہ ثنویت بے خطا ہے۔ میراث ایران انگریزی ص ۱۵۳

مستشرق موصوف آگے جاکر لکھتا ہے :۔

"اعتزال کا عنصر اپنے زوال کے بعد شیعیت میں جذب ہوگیا تھا"[1]

ہندوستان کا مغل بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران کے صفویوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا تھا اور انہی کی مدد سے اس نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کیا تھا ہمایوں پر توان حالات نے کچھ اثر نہ کیا لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا اکبر اپنے خاندانی مذہب اہل سنت میں متصلب نہ رہ سکا اور ہندوؤں کی تہذیب میں قدر تک کھو گیا اس نے چاہا کہ اسلام اور ہندوازم کے اشتراک سے ہندوستان میں ایک نئی مذہبی ضلالت قائم کی جائے اور سوئے اتفاق سے ایسے کچھ علماء بھی مل گئے کہ وہ جو کچھ کہتا یہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہندوستان میں یہ ہندوازم کی نشاۃ جدید تھی اکبر کے سپہ سالار بیرم خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شیعیت میں ڈھل چکا تھا۔

بیرم خاں نے دیکھا کہ ہندوستان میں شیعیت تبرا کی راہ سے نہیں ملنگوں کی راہ سے ہی آسکے گی اس نے اس کے لئے یہ راہ نکالی کہ پہلے ہندو تہذیب کو زیادہ سے زیادہ اپنایا جائے اور ایسی بدعات رائج کی جائیں کہ آئندہ ان کے رواج سے الحاد اور بداعتقادی کو راہ دی جا سکے اس نے اکبر کی ہر سعی الحاد میں مدد کی پھر آگے جب ملکہ نور جہاں اور جہانگیر کا دور آیا تو ہندوستان میں شیعیت کا پورا تعارف ہو چکا تھا اور بدعات کے کئی اور نقشے بھی بچھ گئے تھے۔

شیعہ کھلے بندوں سامنے آئیں تو بدعت فی العقائد کے رستے آنا پڑتا ہے لیکن خود اہل سنت میں بدعات رائج کرتی ہوں تو بدعت فی الاعمال ایک ایسی راہ ہے جس سے تمام لوگ آسانی سے شیعوں میں لائے جا سکتے تھے شیعہ سنی بھائی بھائی کی راہ بنانے کے لئے ایران سے قاضی نور اللہ شوستری ہندوستان لایا گیا جسے جہانگیر کے حکم سے سولی پر لٹکا دیا گیا شیعہ اسے شہید ثالث کے نام سے یاد کرتے ہیں شیعوں نے اہل سنت میں بدعات پھیلا کر یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ اب شیعہ عقائد و اعمال اور جلوس اور نعرے اس طرح سنی

---

[1] میراث ایران انگریزی ص ۱۵۹۔

حلقوں میں پھیلنے لگے کہ اگر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بعہدہ تجدید میدان میں نہ نکلتے سارے کا سارا ہندوستان ایران بن چکا ہوتا مستشرق آربری لکھتا ہے:۔

شیعوں نے اسلام کے مستحکم قلعے میں ایک دروازہ کھول دیا اس دروازے سے تمام لوگ آجا سکتے تھے اور کوئی فکری ممانعت کسی کی راہ میں حائل نہ تھی[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد بدعت والحاد نے سُنی مسلمانوں پر وہ یلغار کی کہ بارھویں تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مذہبی خاکہ نہایت کریہہ صورت اختیار کر گیا ہندوؤں میں دو انقلابی تحریکیں اٹھیں (۱) سکھ تحریک اور (۲) آریہ سماج تحریک اور مسلمانوں میں ملنگوں اور درویشوں نے محدثین اور فقہاء کے خلاف الحاد کی راہیں بنائیں اسلام میں چور دروازے نکالے جس کی طرف سے انہیں آگے آنے کے لئے شیعیت کے سوا اور کوئی دروازہ نہ ملتا تھا اب اسی دروازے سے مداری اور جلالی اور ان جیسے دوسرے ملنگ عوام میں آتے رہے۔

شیعیت کو عامۃ المسلمین قبول کرلیں یہ ایک ناممکن بات تھی اب ضرورت تھی کہ شیعیت کو طور جدید مہیا کیا جائے جس میں تینوں خلفائے راشدین کے خلاف کھلا تبرا نہ ہو لیکن ایران کا عقیدہ نورین جس طرح بھی ہو ان کے دلوں میں اتار دیا جائے اور گروہ پورے شیعہ نہ بن سکیں تو کم ازکم یہ حاصل تو ہو کہ وہ محدثین دہلی کے سلسلہ سے کٹ جائیں جنہوں نے تین سو سال تک شیعیت کے خلاف سُنیت کی جنگ لڑی ہے یہ وہ دور ہے جب مولانا احمد رضا خاں سامنے آتے ہیں آپ کس خاندان سے تھے اس کے لئے آپ ان کے بزرگوں کے ناموں پر غور فرمائیں یہ تسلسل بغیر کسی پس منظر کے نہیں ہے:۔

آپ کے والد محترم کا نام نقی علی دادا کا نام رضا علی پردادا کا نام کاظم علی تھا[2]

پورے شجرہ میں کہیں عثمان یا عمر یا ابوبکر کے نام آپ کو نظر نہ آئیں گے شیعہ ائمہ کے نام اس تسلسل سے کس صورت حال کا پتہ دیتے ہیں حضرت علیؓ سے حسن عسکری تک گیارہ

---

[1] میراث ایران ص۱۵۶ [2] دیکھئے حیات اعلیٰ حضرت ص۲

تاہم اثناعشری شیعوں کا سلسلہ امامت ہے یہ گیارہ بزرگ اہل سنت عقیدہ کے تھے مگر شیعوں نے انہیں ایک آسمانی حق امامت کے امام بنا رکھا ہے ہم اس پہلو سے اس سلسلہ کے قائل نہیں ہیں اگر یہ گیارہ بزرگ تھے تو حضرت جعفر صادق کے بیٹے اسمٰعیل بھی کیا کوئی کم بزرگ تھے جن سے اسمٰعیلی شیعوں نے اپنا انتساب قائم کر رکھا ہے سیدنا حضرت حسن کے بیٹے ابوبکر اور عمر کوئی کم بزرگ نہیں تھے حضرت حسین کی دوسری اولاد کوئی بدمعاشوں کا سلسلہ نہ تھا سب اپنی اپنی جگہ مردان نیکوکار تھے۔ یہ تسلسل جو حضرت علی سے حضرت حسن عسکری تک پہنچتا ہے یہ اثناعشری شیعوں کی رگ جان ہے اور بلاد پاک و ہند میں یہ شیعیت کی پہچان ہے۔

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں جب غوثیت کبریٰ حضرت علیؓ کو عطا ہوئی تو ان کے بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین ان کے وزیر ہوئے یہ حضرات اب حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مربوط اور فیضیاب نہیں اپنی جگہ مستقل گیارہ امام تھے اور یہ عقیدہ کسی طرح اہل سنت کا نہیں ہو سکتا گیارہ کا یہ تسلسل اثناعشری شیعوں کی رگ جان ہے۔

اب دیکھئے مولانا احمد رضا خاں انہیں کن لفظوں سے ذکر کرتے ہیں کیا یہ اس سلسلے کا شیعی اقرار نہیں؟ فرماتے ہیں:۔

> پھر مولیٰ علی کو (غوثیت کبریٰ عطا ہوئی) اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے [۱]

اس عبارت میں لفظ درجہ بدرجہ اور لفظ مستقل گہرے الفاظ ہیں اور قابل غور ہیں شیعہ عقیدہ میں امام اس طرح درجہ بدرجہ ہوئے ہیں:۔

۱۔ حضرت علی (۴۰ھ) ۲۔ امام حسن (۴۹ھ) ۳۔ امام حسین (۶۱ھ)
۴۔ امام زین العابدین (۹۴ھ) ۵۔ امام باقر (۱۱۴ھ) ۶۔ امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) ۷۔ امام موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ) ۸۔ امام رضا (۲۰۳ھ)

---

[۱] ملفوظات حصہ اول ص۱۲۱ مجموعہ ص۱۳۶

۹. امام تقی جواد (۲۲۰ھ) ۱۰. امام نقی (۲۵۴ھ) ۱۱. امام حسن عسکری (۲۶۰ھ)

ان حضرات کا یہ درجہ بدرجہ سلسلہ ایک خالص شیعی عقیدہ ہے اور انہیں اپنی اپنی جگہ مستقل سمجھنا ان کے آسمانی حقِ امامت کا اقرار ہے مولانا احمد رضا خاں نے انہیں درجہ بدرجہ ذکر کر کے اور انہیں اپنے منصب میں مستقل مانا ہے خاں صاحب یہاں بہت حد تک ظاہر ہو گئے ہیں۔

① اہلِ سُنّت کے جلیل القدر محدث اور مجدد وقت حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) شیعہ کی ایک اور پہچان بھی لکھ گئے ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

وکذا من مفتریات الشیعۃ حدیث
نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب
یفیونک یا محمد بولایتک یا علی [1]

(ترجمہ) اور اسی طرح شیعہ کی نہایت شنیع (بری) باتوں میں سے نادِ علیاً مظہر العجائب من گھڑت حدیث ہے شیعہ اسے دعائے سیفی کہتے ہیں سیفی سے ان کی مراد لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار میں مذکور سیف ہے جو ہر دشمن کو کاٹ دیتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسے لا اصل لہ بما لیعتمد علیہ کہہ کر اس کا رد کیا ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں سے سنیئے فرماتے ہیں:۔

جواہر خمسہ کی سیفی میں وہ جو ہر دار سیف خونخوار جسے دیکھ کر وہابیت بے چاری اپنا ظاہر کرنے کو تیار ہو گیا یعنی نادِ علیؑ کو ایمان علانیہ شرک جلی۔ جواہر خمسہ میں ترکیب دعائے سیفی میں فرمایا نادِ علیاً ہفت بار یا سہ بار یا یک بار بخواند و آں ایں است:

"نادِ علیاً مظہر العجائب ۔۔۔ تجدہ عوناً لک فی النوائب ۔۔۔ کل ہم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی" [2]

"یعنی پکار علی کو کہ مظہر عجائب ہیں تو انہیں اپنا مددگار پائے گا مصیبتوں میں۔ یا علی یا علی یا علی"

---

[1] موضوعات صہ مطبع مجتبائی دہلی۔ [2] الامن والعلیٰ صہ ۱۲، ۱۳

یہ دعا خالصۃً شیعوں کی ہے۔ مختصر ہو تو یہ نادِ علی ہے۔ اور اگر یہ مفصل ہو تو اُسے نادِ علی کبیر کہتے ہیں۔ شیعہ گھروں میں جو مجموعہ ہائے وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ اُن میں درود قبرستان کے بعد دعائے نادِ علی کبیر دی گئی ہے اُسے ہم اس مجموعہ کے صفحہ ۱۵۲ سے نقل کرتے ہیں :-

وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَحْبَابِهٖ

[illegible]

اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

[illegible]

دُعائے نادِ علی کبیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي

[illegible]

النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ اِلَى اللّٰهِ حَاجَتِيْ وَ

[illegible]

عَلَيْهِ مُعَوَّلِيْ كُلَّمَا رَمَيْتُ مُتَقَاضِيًا فِي اللّٰهِ وَ

[illegible]

يَدُ اللّٰهِ لِيْ وَاِنَّ اللّٰهَ لِيْ اَدْعُوْكَ كُلُّ هَمٍّ وَّ

[illegible]

غم سینجلی بعظمتک یا اللہ و بنبوتک یا
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بولایتک
یا علی یا علی ادرکنی بحق لطفک الخفی
اللہ اکبر یا اللہ اکبر انا من شر اعدائک
بری بری بری اللہ صمدی بحق ایاک
نعبد وایاک نستعین یا ابا الغیث اغثنی
یا علی ادرکنی یا قاہر العدو و یا والی الولی
یا مظہر العجائب یا مرتضی علی یا قہار

اس میں شر اعداء سے تین دفعہ بری بری بری کہہ کر تبرا کیا ہے۔ تین خلفاء سے بیزاری کا اظہار ہے۔

شیعہ حاشیہ قرات کالج لاہور کے محمد طفیل کے اس پر تصدیقی دستخط موجود ہیں شیخ محمد حسین بیٹہ منزل والے سے کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا ہے عکسی فوٹو ملاحظہ کیجئے۔

سرٹیفکیٹ تصحیح

میں نے اس مجموعہ وظائف کے جملہ قرآنی آیات مع وظائف کو
اوّل تا آخر حرف بحرف خود پڑھا ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ
اس کے متن میں کوئی اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے (دستخط)
حافظ محمد ظہیر ... (قراءۃ فاضل)
مدرس و منصرم
جامعہ ... لاہور

ناشران قرآن مجید و کتب

شیخ محمد حسین اینڈ سنز - تاجران و ناشران قرآن مجید و کتب

اردو بازار ... لاہور

اب آپ دیکھیں مولانا احمد رضا خاں اس دعائے سیفی کو کس اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور کس فخر سے زبان سے کہتے ہیں کہ اس سے وہابیت کا دم نکلا جاتا ہے۔ اب اس وہابیت اور شیعیت کی بحث میں سنیت کہاں بھی بچی ہے۔ یہ سنیت نہیں شیعیت کا ہی ایک سلسلہ جدید ہے۔

اب آپ ہی کہیں کیا یہ فیصلے سے باہر نہیں آئی ہم آپ سے انصاف کی بھیک مانگنے کے سوا کچھ مطالبہ نہیں کرتے اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل خدارا بتائیے کہ خاں صاحب حضرت ملا علی قاری کے عقیدے کے مطابق شیعہ تھے یا سنی ؟ یہ فیصلہ آپ پر ہے ملا علی قاری کی اس کھلی تردید پر جواہر خمسہ کی کیا حقیقت باقی رہی ہے۔

(۲) شیعہ کے سب سے بڑے محدث علامہ محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب باندھا ہے۔

باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمہ علیہا السلام

اس میں امام جعفر صادق کی زبان سے شیعوں کے لئے ایک ستر گز لمبے جامعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے۔

فیہا کل حلال وحرام وکل شیٔ یحتاج الیہ الناس۔

(ترجمہ) اس میں ہر حلال و حرام کا بیان ہے اور ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت پڑے اس کے آگے لکھا ہے جفر یہ چمڑے کی ایک کتاب ہے جس میں تمام انبیاء و اوصیاء کا علم درج ہے یہ شیعوں کے باہمی علمی مذاکرات ہیں اہل سنت کے ہاں نہ اس جفر کا کوئی تصور ہے اور نہ اس جامعہ کا۔

اب مولانا احمد رضا خاں کی بات سن لیں آپ نے جس طرح ازواج انبیاء کے قبور پر پیش کئے جانے کی بات محمد بن عبد الباقی کے ذمہ لگائی تھی اور حقیقت میں وہ شیعوں کا عقیدہ تھا آپ نے علامہ کلینی کی یہ چمڑے کی کتاب بھی ان کے نام سے متعارف کرائی ہے آپ لکھتے ہیں :۔

"جفر ایک جلد ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لئے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرما دیا ہے"[۲]

---

[۱] اصول کافی ج ۱ ص ۲۳۹ طہران۔ [۲] خالص الاعتقاد ص ۴۵

اس شیعہ عقیدے کو اس کے اصل ماخذ سے نہ لینا اور متاخرین کی کتابوں سے نقل کرنا اور یہ بات کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ سے علیحدہ بھی کوئی ترتیب دیا تھا اور ان کی ایسی کتابوں کو صرف ان کی اولاد ہی جانتی تھی یہ خالص شیعی تصورات ہیں انہیں خواہ کوئی بھی نقل کرے مولانا احمد رضا خاں ایسے شیعہ ماخذ کی بجائے سنی متاخرین سے نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے ہاں شیعی عقائد کی صدائے بازگشت نہ سنی جاسکے۔

الجفر والجامعہ کتابان لعلی قد ذکر فیھا علی طریقۃ علم الحروف الحوادث التی تحدث الی انقراض العالم وکانت الائمۃ المعروفون من اولادہ یعرفونھا ویحکمون بھا[1]

(ترجمہ) جفر اور الجامعہ دو کتابیں ہیں حضرت علی کی لکھی ہوئی ان میں علم حروف کے قاعدہ پر ان تمام حوادث کا ذکر ہے جو قیامت تک ہوں گے آپ کی اولاد میں ائمہ کرام ان دونوں کتابوں کو جانتے تھے اور (بسا اوقات) ان کے مطابق احکام بھی صادر کر دیتے تھے۔

اہل سنت محدثین کے ہاں ایسا تمام علم جو حضرت علیؓ کے نام سے گھڑا گیا ہے ایک جعلی ذخیرہ ہے جس کا حضرت علیؓ سے کوئی تعلق نہیں شیعہ علم جفر کی یہ علیحدہ لکیر محض اس لئے پیٹتے ہیں کہ وہ انہیں دوسرے صحابہ کرام سے علیحدہ کر کے کسی اور روپ میں پیش کر سکیں اور ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اس میں شیعہ کے ساتھ ہیں اہل سنت کے ساتھ نہیں۔

حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس کتاب اللہ اور ایک صحیفہ احادیث کے سوا کچھ نہیں آپ نے فرمایا۔

من زعم ان عندنا کتابا نقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ ... فقد کذب[2]

(ترجمہ) جس نے یہ گمان کیا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ حدیث کے سوا کوئی اور کتاب بھی ہے جسے ہم پڑھتے ہیں اس نے ہم پر جھوٹ باندھا

آپ سے پوچھا گیا اس صحیفے میں کیا ہے آپ نے فرمایا۔

قلت وما فی ھذہ الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر

---

[1] خالص الاعتقاد ص۴۶ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص۴۹۵

وان لا یقتل مسلم بکافر[1]

ترجمہ: میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے آپ نے کہا اس میں خون بہا و فکاک اسیر کے مسائل ہیں اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلے میں نہ مارا جائے۔

مدینہ کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں تھیں اونٹوں کی مختلف عمروں کے احکام بھی اس میں تھے اس میں آنحضرتؐ سے مروی روایات تھیں علم جفر کی کوئی بات اس میں نہ تھی ایک طریق میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

ماعندنا شیٔ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]

ترجمہ: ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے سوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

پھر آپ نے بر سر منبر قسم کھا کر کہا:۔

واللہ ما عندنا من کتاب نقرأ الا کتاب اللہ وما فی ھذہ الصحیفۃ فنشرھا فاذا فیھا اسنان الابل واذا فیھا المدینۃ حرم ...... الحدیث[3]

ترجمہ: بخدا ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں سوائے کتاب اللہ کے جسے ہم پڑھتے ہوں اور یہ ایک صحیفہ ہے آپ نے اسے کھول کر دکھایا اس میں اونٹوں کی عمروں سے متعلق کچھ احکام ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ مدینہ حرم ہے۔

اس کے مقابلہ میں یہ ایک شیعہ روایت ہے کہ آپؓ کے پاس علم جفر کی ایک اور کتاب تھی اور ایک جامعہ تھا آگے پہلے یہ معلوم کریں کہ علم جفر کیا ہے۔ کشف الظنون میں ہے:۔

الجفر عبارت عن لوح القضاء والذی ھو عقل الکل والجامعۃ لوح القدر الذی ھو نفس الکل وقد ادعی طائفۃ ان الامام علی بن ابی طالبؓ وضع الحروف الثمانیۃ والعشرین علی طریق

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ ۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۱ ، ۴۵۰ ، ۱۰۵۱ ۔ [3] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۸۴ ۔

البسط الاعظم فی الجفر .... وھذا علم توارثہ
اھل البیت ومن ینتمی الیھم ویاخذ منھم من المشائخ
الکاملین وکانوا یکتمونہ عن غیرھم کل الکتمان وقیل لا
یقف علی ھذا الکتاب حقیقۃ الا المہدی المنتظر
خروجہ فی آخر الزمان [1]

(ترجمہ) قضا کی تختی کو جفر کہتے ہیں اور قدر کی تختی کو جامعہ۔ لوح المقضاء عقل کل ہے اور لوح القدر خود کل ہے اور ایک فرقے کا دعویٰ ہے کہ امام علی نے اٹھائیس حروف تہجی کو بسط اعظم کے طریق پر ایک جلد میں مرتب کیا اور یہ جفر کا علم ہے جو اہل بیت میں اور جو ان کے ہم اعتقاد ہیں ان میں چلا آرہا ہے مشائخ کاملین یہ انہی سے لیتے رہے ہیں اور وہ اپنے لوگوں (شیعوں) کے سوا اسے ہر ایک سے پورا چھپاتے رہے ہیں اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اس کتاب پہ مہدی منتظر کے سوا جو آخری وقت میں ظاہر ہوں گے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں اگر اس علم کو پا گئے تو آپ ہی فیصلہ کریں وہ کن میں سے ہیں اور اگر ان کا یہ عقیدہ ہو کہ واقعی حضرت علیؓ نے یہ دو کتابیں جفر اور جامعہ لکھی تھیں جسے وہ اور وں سے چھپاتے رہے تو وہ خود کون ہوئے اس کتاب کا مقدمہ شیعہ عالم آیت اللہ شہاب الدین نجفی مرعشی نے بڑے بسط سے لکھا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس گروہ کا یہ عقیدہ لکھا گیا ہے وہ شیعہ ہیں کتاب جفر کو اہل بیت سے خاص کرنا دوسروں سے اسے چھپانا حضرت علی کو لفظ امام سے اس علم کا موجد بتانا امام مہدی کو اس کا وارث جتلانا اور مہدی کے آنے کو لفظ خروج سے بیان کرنا یہ سب امور اس گروہ کے شیعہ ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل سنت روایات کی روشنی میں جو اہل سنت کی کتابوں میں لکھی گئی ہیں حضرت علیؓ کے پاس قرآن اور صحیفہ احادیث کے بغیر اور کوئی کتاب نہ تھی شیعہ روایات کی رو سے حضرت علیؓ اس علم حروف کے موجد ہیں اور ان کے سلسلہ اولاد کے پاس یہ چمڑے کی جلد اور جامعہ دونوں موجود چلے آرہے ہیں امام جعفر بھی اس کے

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۵۹۱

وارث تھے اور آئندہ مہدی اس کے وارث اور ترجمان ہوں گے۔

اہل سنت کے ہاں یہ کتاب یا کتابیں بالکل جعلی ہیں ان کا ان کے ہاں کوئی اعتبار نہیں حضرت علی کے بعد یقیناً کچھ ایسی تحریریں گھڑلی گئی تھیں اور صحابہ اور کبار تابعین انہیں آپ کی تحریریں تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ آپ کی دینی روایات معتبر سمجھی جاتی تھیں جو کوفہ کے دوسرے علمی حلقے (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقے تدریس) کے علماء کے واسطے سے مروی ہوں صحیح مسلم میں ہے :-

عن ابی اسحق قال لما احدثوا تلک الاشیاء بعد علی قال رجل من اصحاب علی قاتلهم الله ای علم افسدوا۔[1]

(ترجمہ) ابو اسحق سے مروی ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت علی کے بعد (ان کے نام سے) یہ باتیں گھڑیں تو اصحاب علی میں سے ایک نے کہا کس قدر قیمتی علم ان لوگوں نے ضائع کر دیا (اسے مشتبہ کر دیا)

پھر حضرت مغیرہ کہتے ہیں :-

لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ۔[2]

ترجمہ : حضرت علی سے مروی کوئی بات مصدق اور درست نہ سمجھی جاتی تھی جب تک اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد واسطہ نہ ہوں

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی وہی بات ان کی ہے جس میں دوسرے اکابر صحابہ ان سے موافقت کریں جو طریق فکر انہیں دوسرے صحابہ سے جدا کرکے پیش کرے وہ اہل سنت کا نہیں شیعہ کا ہے اہل سنت کے ہاں یہ جفر اور جامعہ ہرگز ان کی کتابیں نہ تھیں وہ قسم کہہ چکے ہیں کہ میرے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ احادیث کے سوا کچھ نہیں ہاں ایک فہم سلیم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مرحمت فرماتا ہے۔

(۳) شیعہ اپنے عقیدے میں صرف پانچ تن کو پاک کہتے ہیں اور انہی کے وسیلے سے وہ لینے خیال میں قہر خداوندی کی آگ بجھاتے ہیں اہل سنت کے ہاں یہ حد بندی درست نہیں حضرت مریمؑ

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱ ۔ [2] ایضاً

اللہ رب العزت سے بارش مانگنے میں حضور کے چچا حضرت عباسؓ کو بطور وسیلہ لاتے تھے حالانکہ اس وقت ان پانچ میں سے تین حضرات موجود تھے ان کے ہوتے ہوئے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لانا بتلاتا ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں وباؤں اور بلاؤں کو دور کرنے اور رحمت خداوندی حاصل کرنے کے لئے ان پانچ کی کوئی تخصیص نہیں مگر معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کیوں انہی پانچ سے جلانے والی وباؤں کو بجھانے کا وظیفہ پڑھتے ہیں پنجتن پاک کی اصطلاح انہوں نے اس طرح قائم کر رکھی تھی۔

لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمہ المصطفی والمرتضی وابناہما والفاطمہ[1]

(ترجمہ) میرے لئے پانچ ہستیاں ہیں جن کے وسیلہ میں جلانے والی آفتوں کو بجھاتا ہوں وہ پانچ حضور ہیں حضرت علی ہیں حضرت فاطمہ ہیں اور ان کے دو بیٹے ہیں۔

ممکن ہے ہمارے بعض دوست کہیں کہ شیعہ تو تعزیئے بناتے ہیں اور ان میں برکت سمجھتے ہیں مولانا احمد رضا خاں شیعہ ہوتے تو وہ حضرت حسین کا تعزیہ کیوں نہ بناتے ہم عرض کرتے ہیں انہوں نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا۔

"تبرک کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقبرے کا نمونہ بنا کر گھر کے اندر رکھنے میں کوئی حرج نہیں[2]"

کہنے گیا اب بھی کوئی پردہ رہا ہے۔ ؎

پُخہ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہ ہوا!

(۳) ـــــ مولانا احمد رضا خاں امام رضا کے حوالے سے صرف اہل بیت کو وسیلۂ دعا سمجھتے ہیں یہ ان کی کتاب حیات الموات میں دیکھیں۔

"اے اہل بیت میں اپنے اور مشکلات کے حل کے لئے آپ کو خدا کے حضور سفارشی بنا کر پیش کرتا ہوں اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں[3]"

صحابہؓ کے نام کے بغیر صرف اہلبیت کا ذکر کن لوگوں کا کام ہے یہ آپ خود فرمائیں۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۱۱۰ - [2] بدر الانوار ص ۵۷ - [3] فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۹۹

یہ پیرایۂ بیان ذاکروں کا ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ تو حضرت عباسؓ کا وسیلہ بھی اور خاصتاً اہل بیت کے دشمنوں سے صرف برأت کو کافی سمجھیں۔ جب انہیں ان پانچ حضرات کے سوا کوئی اور نظر آتا ہی نہیں تو ہم کیسے تسلیم کر لیں کہ آپ دل سے عظمتِ صحابہؓ کا عقیدہ رکھتے تھے

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی بیچاری ساری محنت سے اہلِ سنت کو دو مستقل گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور دونوں میں کفر و اسلام کے ایسے خطوط کھینچے ہیں کہ اب قیامت تک یہ ایک نہیں ہو سکتے ـــــ یہ سوال اب ابھر کر سامنے آتا ہے کہ اس تکفیر سے سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوا ہے؟ ہر شخص جواب دے گا شیعوں کو ـــــ کیونکہ سوادِ اعظم اب دو حصوں میں بٹ گیا۔ اب اکثریت اس کی ہوگی جس کے ساتھ شیعہ ہوں گے۔

اس مقام پر ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر خان صاحب درونِ خانہ شیعہ نہ تھے تو انہوں نے شیعہ قوم پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ سوادِ اعظم کے ہمیشہ کے لیے دو ٹکڑے کر دیئے اور اب اہلِ سنت کبھی ان کے سامنے متحدہ طاقت سے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ جب یہ مسلمانوں میں کہیں شیعہ سنی سوال ٹھنتا ہے تو خان صاحب کے ماننے والوں کا ووٹ اس وقت شیعوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ دونوں بھائی بھائی بن کر نکلتے ہیں۔

مسلمانوں میں اگر کوئی پڑھا لکھا اس بات سے ناواقف نہ ہوگا کہ شیعہ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کو کیا پیشوا نہیں مانتے اور ان پر اتنی زہریلی تنقید کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے لیے بالکل ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں جب سنی غیرت میں آتے ہیں تو بریلوی مولوی اپنے عوام کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیتے ہیں کہ ہمارا اختلاف شیعوں سے صحابہؓ پر ہے اور دیوبندیوں سے ذاتِ رسالت پر۔ سو اس تنازعہ میں ہم شیعوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے دیوبندیوں کے ساتھ نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الوہیں کیا کوئی ایسا سنجیدہ اور دردمند مسلمان نہیں جو انہیں سمجھائے کہ شیعہ تو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم پہلے تین خلفائے راشدینؓ کو نہیں مانتے۔ کیا کبھی علمائے دیوبند نے بھی کہا کہ ہم حضور اکرمؐ کی نبوت

علیہ وسلم کو پیغمبر نہیں مانتے یا انہیں اپنا پیشوا نہیں سمجھتے۔ اگر نہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ شیعوں سے ہمارا اختلاف حقیقی ہے اور بریلویوں سے صرف الزامات کا ـــــ اسلام کے اصولی عقائد پر دیوبندی بریلوی دونوں متفق ہیں۔ آئیے ہم اس پر مولانا ابو الحسنات اور پیر کرم شاہ صاحب (وغیرہ) کی شہادات پیش کرتے ہیں،

۱۔ بریلوی علماء دیوبندی کی بعض تحریروں پر معترض ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہے۔ دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابل گرفت یا مورد تنقید خیال نہیں کرتے لیکن اصول دین اسلام میں بریلوی علماء سے سو فی صد متفق ہیں۔[1]

۲۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں ... ضروریات دین پر کلی اتفاق ہے۔[2]

اس حقیقت حال میں کون کہہ سکتا ہے کہ سنی شیعہ اختلاف کم ہے اور دیوبندی بریلوی اختلاف اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں سے بھی سن لیجئے کہ کس جرأت سے کہتے ہیں کہ دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف شیعوں کے اختلاف سے زیادہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ شیعوں کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے ـــــ کیا ایسی بات شیعہ کے سوا کوئی اور کہہ سکتا ہے، یا قوم الیس منکم رجل رشید

جب صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدگویوں سے میل جول کی یہ شناعت ہے تو وہابیہ اور دیوبندیوں کے پاس نشست و برخاست کی آفت کس قدر شدید ہوگی۔ ان کی (شیعوں کی) بدگوئی صحابہ تک ہے اور ان کی (دیوبندیوں کی) انبیاء اور سید الانبیاء اور اللہ عزوجل تک۔[3]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کہیں سنی شیعہ مسئلہ اٹھے تو مولانا احمد رضا خان کے پیرو اتنا ہی شیعوں کے قریب ہوں گے جتنا صحابہ کرام سے حضورؐ کا درجہ اونچا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس

---

[1] روزنامہ نوائے پاکستان، ۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء [2] تفسیر ضیاء القرآن جلد ۱ ص [3] ملفوظات حصہ دوم ص

صورت میں اہل سنت اکثریت میں نہ ہوں گے اکثریت میں شیعہ ہوں گے کیونکہ بریلوی ان کے ساتھ ہوں گے اور وہ یہ نہ جانتے ہوں گے کس طرح ایک شاطر نے انہیں شیعوں کے سامنے جھکا دیا ہے۔

آیئے! دیکھیں بریلوی حلقوں میں شیعہ عقائد کس پیرائے میں چھپے ہوئے ہیں اور ان کے اکابر کی بار بار کی صراحتوں کے باوجود بریلویت کا عوامی انداز شیعوں کے مذہبی پیرائے سے کوئی زیادہ مختلف نظر نہیں آتا اور دونوں بھائی بھائی نظر آتے ہیں۔

① عقیدہ نور من نور اللہ

محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے:

ان اللہ خلقنا من نور عظمته ثم صور خلقنا من طينة مخزونة مكنونة من تحت العرش فاسكن ذلك النور فيه فكنا نحن خلقاً وبشراً نورانيين۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم (اہل بیت) کو اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے پھر اس نے ہماری پیدائش کو مٹی کے اس خزانے سے صورت بخشی جو عرش کے نیچے مکنون تھا اللہ تعالیٰ نے وہ نور مٹی میں ٹھہرایا سو ہم خلق ٹھہرے اور نورانی بشر ٹھہرے

عن ابی عبد اللہ قال قال اللہ تبارك وتعالى يا محمد انی خلقتك وعلياً نوراً يعنی روحاً بلا بدن۔[2]

ترجمہ۔ امام جعفر صادق نے کہا خدا نے کہا۔ اے محمد! میں نے تجھے اور علی کو ایک نور سے بنایا ہے اور بدن سے پہلے اس روح کو خلقت بخشی۔

وهو النور الذی خلق منه محمداً وعلياً فلم يزالا نورين اولين۔[3]

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۴۰ [3] ایضاً صفحہ ۴۴۲

ترجمہ: سب نوروں کا منبع وہ نور ہے جس سے اللہ نے محمدؐ اور علیؓ کو پیدا کیا۔
سو یہ نورین ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں۔

یہ شیعوں میں عقیدہ نورین کا آغاز ہے۔ زرتشتیوں کے ہاں یزداں اور اہرمن کے تصور نے عقیدہ نورین کو وجود بخشا تھا۔ شیعوں کے ہاں نورین کی ایک وحدت سے پیدائش مانی گئی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر براؤن لکھتے ہیں

شیعہ علماء اور فضلاء اس بات کی سعی کرتے رہے ہیں کہ پرانے (ایرانی) ادیان کی روح کو ملحوظ رکھ کر اسلام کو وہ اعتقاد حسیاکیا جائے کہ عقیدہ نورین بے خطر رہے[1]

نوع بشری سے انکار کی ضرورت

پاکستان میں شیعہ علماء عقیدہ نور کی اشاعت میں بہت پیش پیش رہے ہیں ان کا مقصد بریلویوں کو یہ جتلانا ہوتا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اس اصرار میں ان کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بغض کارفرما ہے۔ آپؓ نے حضورؐ کے بارے میں بڑی صراحت سے یہ کہا تھا کہ کان بشراً من البشر[2] اب اس کی تردید میں شیعہ عقیدہ نورین لے آئے اور بریلوی اس بات کو نہ سمجھ پائے کہ شیعہ ان کا ساتھ نہیں دے رہے۔ حضرت ام المومنینؓ کے خلاف محاذ بنا رہے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کو بشر کیوں جانا۔

۳ عقیدہ عالم ماکان ومایکون

ملا محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے۔

ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفی علیہم الشیء صلوات علیہم[3]

---

[1] ہسٹری آف ایرانی لٹریچر انگریزی ص ۱۵۲

ترجمہ: بے شک ائمہ اہل بیت ماکان وما یکون کا علم رکھتے ہیں اور کوئی چیز ان سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

بریلویوں میں حضور کے علم کے لیے عالم ماکان وما یکون کی اصطلاح عام ہے۔ اہل السنۃ کی اصطلاحات میں کسی امام نے یہ باب نہیں باندھا۔ بریلویوں نے یہ اصطلاح شیعوں سے حاصل کی ہے۔ یوں سمجھئے موجودہ بریلویت شیعیت کا ہی ایک طرز جدید ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

حضور کو ــــ تمام ماکان وما یکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے۔[1]

④ عقیدہ لم یکن لہ فیئ

ملا محمد بن یعقوب کلینی امام محمد باقر سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

لم یکن لہ فیئ ــــ آپ کا سایہ نہ تھا۔[2]

یہ بات کہ آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا لم یکن یری لہ ظل فی الشمس یا یہ کہ آپ پر بادل سایہ کئے رہتا تھا اور سایہ زمین پر نہ آتا تھا یہ اور بات ہے۔ اور سرے سے تھا ہی نہیں یہ اور بات ہے۔ بریلویوں کا نفی الفیئ کا عقیدہ شیعیت سے ماخوذ ہے جو عقیدۃً کہتے ہیں کہ آپ کا سایہ تھا ہی نہیں۔ اہل سنت کے ہاں اگر کوئی اس کا ذکر کرتا ہے تو وہ اسے معجزات میں لاتا ہے اور خرق عادت میں شمار کرتا ہے اسے فطرت اور عادت قرار دینا یہ شیعی عقیدہ ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے حضور کو نور ثابت کرنے کے لیے آپ کے سایہ کی سرے سے نفی کی ہے۔ آپ کے اس رسالے کا نام یہ ہے نفی الفیئ عمن بنورہ انار کل شیئ۔

جن علماء نے حضور کا سایہ نظر نہ آنے کی صراحت کی تھی وہ اقرار سایہ بر معجزہ تھا مگر کیا کریں

---

[1] خالص الاعتقاد صفحہ [2] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۴۲

مولانا محمد رضا خاں لکھ گئے :-

ثبوت معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں[1]

کیا اس میں اس کے بطور معجزہ ہونے کا کھلا انکار نہیں۔ یہ معجزات کا منکر کون ہے؟

(۴) شیعہ حضرت ام المومنین کے خلاف جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں آپ کے لباس تک پر اشتعال سے آوازے کسے کہ آپ بے آستین قمیص پہنتی تھیں (استغفر اللہ) آج کل اسے سلیولیس لباس کہتے ہیں اس میں حیاء کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا شیعہ مجتہد اختر حسین نقوی آپ کے لقب حمیرا کا کس بے حیائی سے ذکر کرتا ہے :-

حمیرا کا ترجمہ گوری کیا ہے حالانکہ چھوٹی لال ہونا چاہیئے۔[2]

پھر آپ کے لباس کے بارے میں لکھتا ہے :-

اگر حضرت عائشہ کو بے آستین کپڑے میں جناب ابوبکر نے رخصت کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں[3]

بے آستین تنگ لباس کون پہنتا ہے؟ نقوی نے حضرت ام المومنین کے خلاف جو فحش زبان استعمال کی ہے مولانا محمد رضا خاں بھی اسی زبان میں حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہیں کیا بات اب بھی نہیں کھلی کہ آپ اندر سے کیا تھے۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے برون سینہ و بر[4]

بریلوی علماء بجائے اس کے کہ مولانا محمد رضا خاں کی اس گستاخی کا نوٹس لیں، اعلان کرتے ہیں

---

[1] فی النبی الفی صفحہ [2] الحمیرا صفحہ مؤلفہ اختر حسین نقوی گیلانی الیکٹرک پریس لاہور، شائع کردہ امامیہ کتب خانہ، موچی دروازہ لاہور [3] حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۲

کہ یہ معمولی غلطی ہے قابلِ گرفت نہیں پروفیسر مسعود احمد صاحب کے والد مفتی مظہر اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

اس معمولی غلطی کو شرعاً قابلِ گرفت نہیں کیا ان کی (حضرت ام المومنین کی) ذات کریمہ معاف نہ فرمائے گی اور فرض کیجئے وہ معاف نہ فرمائیں گی تب بھی سائل کو اس سے کیا علاقہ ؟ کیا یہ معاملہ ایک خدمتگار بچے کا اور اس کی مشفقہ ماں کا ہے۔[1]

بریلویوں نے ان شعروں پر جو معافی مانگی ہے اس کی تفصیل آپ کو مطالعہ بریلویت جلد دوم میں ملے گی۔[2]

(۵) شیعہ عقائد میں سے ہے کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبروں میں اپنی بیویوں سے مصروف رہتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں کسی کو نبی کی قبر پر جھانکنے کی اجازت نہیں شیعہ کے جلیل القدر محدث محمد بن یعقوب الکلینی نے اصول کافی میں باب باندھا ہے:

باب النهي عن الاشراف على قبر النبي صلى الله عليه وآله.

ترجمہ: اس باب میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اوپر چڑھنا منع ہے۔

علامہ کلینی جعفر بن المثنی سے روایت کرتے ہیں :-

میں ان دنوں مدینہ میں تھا جب مسجد کی چھت کا وہ حصہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر تھا گرا۔ کام کرنے والے اوپر چڑھتے اور اترتے تھے میں نے اپنے ساتھیوں (شیعوں) سے کہا کہ آج رات کیا تم میں سے کوئی امام جعفر الصادق کے پاس جائے گا۔ مہران بن ابی نصر اور اسماعیل بن عمار الصیرفی دونوں نے کہا۔ ہاں ہم نے انہیں کہا کہ وہ حضرت امام سے پوچھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اونچا چڑھنا کیا جائز ہے ؟ آپ نے فرمایا :-

ما احب لاحد منهم ان يعلو فوقه ولا آمنه ان يرى شيئاً يذهب منه

---

[1] تدمیہ مظہری صفحہ ۲۹ [2] دیکھئے مطالعہ بریلویت جلد ۱ صفحہ ۲۹

ببصره او يراه قائما يصلي او يراه مع بعض اهله۔[1]

ترجمہ: میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی ان میں سے کسی کے اوپر چڑھے اور نہ میں کسی سے بے خوف ہوں کہ وہ کوئی ایسی چیز دیکھے کہ اس کی نظر چلی جاتی ہے یا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا نماز پڑھتا پائے یا یہ کہ آپ کو اپنی کسی بیوی سے مشغول دیکھے۔

شیعوں نے اپنا یہ عقیدہ خود ہی حضرت امام جعفر صادق کے ذمے لگایا ہے [illegible] قرون کے عہد میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ تو ہم اس سے انکار نہیں کہ یہ عقیدہ شیعوں کا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرہ پیش کی جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔[2]

کیا اب بھی کوئی شبہ رہا کہ بریلویت شیعیت کا ایک طرز جدید ہے۔

(۴) شیعہ امام جعفر صادق کے نام کونڈوں کا ختم اسی خوشی میں دلاتے ہیں کہ ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کا دن ہے۔ پھر اس دن وہ اس کھانے کو گھروں میں چھپائے رکھتے ہیں آسمان کے نیچے کھلا نہیں رکھتے۔ یہ ان کے اپنے عقیدہ تقیہ کا نشانہ ہوتا ہے!

اب آپ دیکھیں کیا بریلوی لوگ یہ کونڈوں کا ختم نہیں دلاتے اور کیا یہ بھی چھپ چھپ کر شیعوں کے گھروں میں نہیں جاتے۔ سو اگر بریلویت شیعیت کا طرز جدید نہیں تو اور کیا ہے؟

شیعہ حضرت امام حسین کا ماتم کس زور شور سے کرتے ہیں۔ کیا آج بریلویوں کے جلوس بھی اسی طرح جلوس نہیں نکلتے؟ بریلویوں نے ایصال ثواب کے لیے کیا اسی طرح تاریخوں کی تعیین نہیں کر رکھی۔ اس صورت حال میں اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ موجودہ بریلوی اہل سنت نہیں ہیں۔ یہ شیعوں کی ہی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ سوم صفحہ [illegible]

(۷) اجماع صحابہؓ کا تخطئہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی تجویز ہوئی۔ پھر مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی اور پہلی خلافت عمل میں آئی یہ صحابہؓ کا اجماع تھا جو بطور خود حجت ہے۔ ولا شک ان فعل الصحابۃ حجۃ (رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲)

اسے شیعہ کے سوا کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا محمد احمد کہتے ہیں:-

خلافت پہ اترے تو سنیے لطیفہ　　　　یہ لگتی ہے واسے بھی در خفیفہ
کہ اجماع میں جو کے اہل سقیفہ　　　　بنا نا تھا حضرت حمزہ کو خلیفہ
تو ہوتے نہ اتنے تفرق کے جھگڑے
تشیع کے قصے تسنن کے جھگڑے [۱]

تشیع کے موقف کو واقعات میں شمار کیا ہے قصے کہا ہے اور اہل سنت کے موقف کو جھگڑا کہا ہے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ کیا کوئی سنی ایسا کہہ سکتا ہے یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

(۸) آفتاب رسالت کا زوال

یہ خالص شیعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ علامہ خمینی نے لکھا ہے:

ختم المرسلین جو انسانوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہو سکے [۲]

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا محمد احمد خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور بھی لکھتے ہیں کہ

آفتاب رسالت کو زوال آ گیا (استغفر اللہ)

---

[۱] اوراق غم صفحہ ۵۱　[۲] اتحاد و یک جہتی صفحہ ۱۵ خانہ فرہنگ ایران

آقائے دوجہاں رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم میں بوئے وصال پائی۔ اس لیے کہ بعد کمال زوال ہوتا ہے۔[1]

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال　　مقرر است کہ روئے نہد بسوئے زوال

"جب آفتاب عین دوپہر کو کمال پر پہنچتا ہے تو طے شدہ ہے کہ اب وہ معرضِ زوال میں آئے گا۔"

اہلِ سنت کے پیشوا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس عقیدے کی پرزور تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتابِ رسالت کبھی غروب ہونے والا نہیں ہمیشہ افقِ کائنات پر تاباں رہے گا۔

افلت شموس الاولین وشمسنا　　ابدا علی افق العلی لا تغرب

⑨ صحابہؓ کے نام پر طنزیہ فقرے

اہلِ سنت کے ہاں صحابہؓ سے نسبتیں موجبِ عزت ہیں ان میں سے انہیں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور محدثِ کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی اسی جذبۂ عزت سے اپنے آپ کو عثمانی لکھتے تھے علماء بدایوں جو زیادہ تر مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال رہے ہیں وہ بھی عثمانی النسب تھے مولانا احمد رضا خاں اور علمائے بدایوں کا جمعہ کی اذانِ ثانی پر اختلاف ہوگیا۔ مولانا احمد رضا خاں کا موقف یہ تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر نہ دی جائے اور علمائے بدایوں سیدنا حضرت عثمانؓ کی پیروی میں اس بات کے قائل تھے کہ یہ اذان خطیب کے بالکل سامنے دی جائے۔ اس بحث میں مولانا احمد رضا خاں نے امامِ وقت ہونے کا دعوے کر دیا اور علماء بدایوں کو جاہل قرار دیا اور حضرت عثمانؓ کی اتباع سے عار دلائی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

جمعہ بارہ اذان سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امامِ وقت ہے

---

[1] اوراقِ غم ص۱۲

جاہل وہ مصنف ہیں اور ہزار دس کوشش نام کا ستر چھپا ہے اور جو پدر پرستی پر بنت بڑی
اور ارشادات فقہ کریں پس پشت پھینک دے وہ جاہل سے جاہل ہیں۔ امام اور علامہ
جنہیں رہنا ہے۔[1]

حضرت عثمانؓ کی اولاد ہونے پر اس طرح پدر پرستی کا طعن دینا کیا کسی سنی کا کام ہو سکتا
ہے؟ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔ صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کو برسر عام لئیم (کمینہ) کہلوانا
اور ان سے سیدنا حضرت عمرؓ کے کھاتے میں ڈالنا کسی سنی کے لیے لائق قبول ہو سکتا ہے؟ مولانا احمد رضا
خاں نے تو ان کے کھیل میں صحابہؓ کی عزت تک کو کھیل بنا دیا۔ آپ کچھ سوچیں کیا حضرت عمرؓ اس قدر
فسو فیصلے اور بحث کلامی کے محرک ہو سکتے تھے؟ کیا عجیب قصہ گھڑا ہے اور راویوں کی سند پر چھوڑ
گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ قصہ یہ ہے:۔

ایک مصری، امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا
عرض کی ...... میں نے عمرو بن عاصؓ کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ کی میں
آگے نکل گیا۔ صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے اور کہا میں دو معزز و کریم
والدین کا بیٹا ہوں۔ اس فریاد پر امیر المومنین نے فرمان نافذ کیا کہ عمرو بن العاصؓ مع
اپنے بیٹے کے حاضر ہوں۔ حاضر ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے مصری کو حکم دیا کوڑا لے اور
مار۔ اس نے بدلہ لینا شروع کیا اور امیر المومنین فرماتے جاتے ہیں مار دو لئیموں
کے بیٹے کو۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم جب اس فریادی نے مارنا شروع
کیا ہمارا جی چاہتا تھا کہ یہ مارے اور اپنا عوض لے۔ اس نے یہاں تک مارا کہ ہم
تمنا کرنے لگے کاش اب ہاتھ اٹھا لے۔ جب مصری فارغ ہوا امیر المومنینؓ نے
فرمایا اب یہ کوڑا عمرو بن العاصؓ کی چندیا پر رکھ (یہ وہاں کے حاکم تھے، انہوں نے
کیوں نہ دادرسی کی، بیٹے کا کیوں لحاظ پاس کیا) مصری نے عرض کی یا امیر المومنینؓ

---

[1] مجلی انوار الرضا ص ۱۳۔

> اُن کے بیٹے ہی نے مجھے مارا تھا۔ اس سے میں عرض کر چکا ہوں۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یا امیر المومنین! نہ مجھے خبر ہوئی، نہ یہ شخص میرے پاس فریاد کو آیا۔[1]

افسوس مولانا احمد رضا خاں نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیا کوئی مصری بچہ محض اتنی شکایت کے لیے مصر سے مدینہ آیا ہوگا؟ کیا اس کے سامنے یہ صورت نہ تھی کہ وہ حاکم مصر کے پاس جاتے اور اس سے ان کے بیٹے کی شکایت کرے؟ اور کیا حضرت عمرؓ نے محض اس بچے کے کہنے پر گورنر مصر کو مدینہ طلب کر لیا ہوگا؟ کیا آپ کو کہنا چاہیے تھا کہ پہلے اپنے صوبہ کے حاکم عمرو بن عاصؓ کے پاس جاؤ، اگر وہ انصاف نہ کریں تو میرے پاس آؤ۔ حالانکہ آپ کو نظر انداز نہ کرو۔ اگر ایسا ہوا بھی تو کیا یہ آپ کا فرض نہ تھا کہ پہلے حضرت عمرو بن عاصؓ سے پوچھتے کہ کیا ہوا؟ تب اپنی ذمہ داری کیوں نہ ادا کی؟ یا آپ نے انہیں پوچھے بغیر ان کے بیٹے پر کوڑوں کا حکم دے دیا ہوگا؟ کیا آپ نے بس مصری سے پوچھا تجھے کتنے کوڑے لگے؟ اور کیا آپ نے ان کی گنتی معلوم کیے بغیر حضرت عمرو بن عاصؓ کے بیٹے پر کوڑے برسانے کا حکم دے دیا ہوگا؟ پھر کیا آپ نے محض اس مصری کے کہنے سے اپنی زبان سے حضرت عمرو بن عاصؓ صحابی کو لعین کہا ہوگا؟ کسی غیر صحابی کے کہنے پر صحابی کے لیے اس قسم کا لفظ استعمال کرنا کیا جائز ہے؟ پھر کیا آپ نے اس غیر صحابی مصری کو ایک صحابی کی گردن پر کوڑا رکھنے کا حکم دیا ہوگا؟

ان صورتوں پر اگر آپ غور کریں تو سارے کا سارا قصہ محض ایک جعلی داستان معلوم ہوتا ہے جس سے نہ سیدنا حضرت عمرؓ کے تدبیر اور انصاف کا کوئی اندازہ قائم ہوتا ہے نہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی کوئی عزت قائم رہتی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سارے کا سارا معاشرہ ایک شرمناک حد تک گرا ہوا نظر آتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے عدل فاروقی کو اس بھونڈی شکل میں پیش کر کے اور حضرت عمرو

---

[1] الامن والعلی ص۲۴۲ و ص۲۴۵

بن عاص کو (معاذ اللہ) شیم کہلوا کر عقیدہ اہل سنت کی حفاظت کی ہے یا اس قصہ کا ہر پہلو ایک شیعی داستان بنا ہوا ہے۔ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔

(۱۰) شیعوں نے اذان میں اضافہ کیا تو بریلویوں نے بھی اذان میں صلوٰۃ و سلام کو شامل کر لیا۔ اسماعیلی شیعہ اذان کے آخر میں السلام علی امام الظاہر کے الفاظ کہتے ہیں۔ اثنا عشری شیعہ اذان میں علی ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ کلمہ ولایت علی وسط اذان میں کہا جاتا ہے۔ جب اذان کا آخر اور وسط مصروف ہو گیا تو تعارض سے بچنے کے لیے بریلویوں نے خالی جگہ سنبھالی اور اذان کے شروع میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ کر دیا۔

اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان حقائق پر غور کرنے سے کیا اس میں شک رہ جاتا ہے کہ موجودہ بریلویت شیعہ عقائد کی ہی ایک صدائے بازگشت ہے

(۱۱) آج آپ بزرگانِ دین کی خانقاہوں اور مزارات پر جائیں۔ وہاں آپ ملنگ اور مولا علی مشکل کشا کے نعرے لگانے والے درویشوں کی اچھی خاصی تعداد پائیں گے اور جھومتے جاتے ہوئے کئی ملنگ یہ کہتے سنے جائیں گے

دم دم مست قلندر — علی کا پہلا نمبر

یہ کیا ہے؟ کیا یہ خلفائے ثلٰثہ کے خلاف اظہار تبرا نہیں۔ مگر کیا مجال کسی بریلوی کی کہ وہاں شیعوں کا نعرہ حیدری کے امتیاز سے روکے اور ان سے پوچھے کہ کیا تم نے کبھی حضرت عمرؓ کا نعرہ بھی لگایا ہے؟ آپ یہ پوچھیں تو ان کے چہرے فوراً اتر جائیں گے۔ کیا آپ کو پھر بھی یقین نہ آئے گا کہ مزاراتِ اولیاء پر یہ شیعہ طریق عمل کس بے دردی سے چھایا ہوا ہے

(۱۲) بریلویوں نے رضا خاں کی تعریف میں حضرت عمرؓ پر بھی نیچے کا گولہ پھینکا ہے

کیا عمرؓ سے دس گنا کام میں نے — وہ بس ایک اکیلا ہمارا رضا ہے (الکشف ربی جلد۔)

بریلوی اور شیعہ کس طرح ایک ہو چکے ہیں اسے مولانا ظفر علی خاں سے سنئیے :۔

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج — لکھنؤ میں ہے دونوں کا قارورہ مل گیا

کندھا دیا جنازۂ ملت کو ایک نے — اور ایک جا کے قبر پہ پتھر کی سل گیا
کھل گئی ملت بیضا کی آبرو — اور سنت مطہرہ کا پایہ ہل گیا

غلط فہمی نہ ہو

مولانا احمد رضا خاں کی سوانح حیات میں یہ وہم نہ ہو کہ اگر آپ شیعہ ہوتے تو شیعوں کے خلاف ردالرفضہ نہ لکھتے اس میں آپ نے تمام شیعوں کو کافر کہا ہے ورنہ آپ تو سنی ظاہر کیا ہے۔ اس غلط فہمی سے بچنے کے لیے آپ شیعہ کتب قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ) کے مندرجہ ذیل بیان پر غور کریں۔ ایسے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔

> وچوں علمائے شیعہ ہم بجہت غلبت تمادی ایشاں بہ اصحاب شقاق و نفاق و استیلائے اہل تغلب و نفاق ہموارہ در زاویہ تقیہ متواری و مختفی بودہ اند خود را شافعی یا حنفی می نمودہ اند۔ — مجالس المؤمنین جلد اول ص ۲ طبع طہران ۱۲۹۹ھ
>
> ترجمہ: چونکہ علمائے شیعہ اصحاب شقاق و نفاق کے طرف غلبے اور اہل تغلب و نفاق کے برسر اقتدار ہونے کے باعث ہمیشہ گوشۂ تقیہ میں چھپے اور مخفی رہے لہذا وہ اپنے آپ کو شافعی یا حنفی ظاہر کرتے رہے ہیں

تقیہ کے کئی اطوار ہیں ایک تقیہ اپنی جان بچانے کے لیے ہوتا ہے اور ایک تقیہ اپنی سکیم پوری کرنے کے لیے اور مخالفین کو اپنے پروگرام میں ناکام کرنے کے لیے ہوتا ہے جگہ بجگہ ہو رہی اگرچہ مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن مسلمانوں میں اہل سنت بھاری اکثریت میں تھے، اگر زادہ ملنے پر وہ کسی وقت میں بھی ایک دینی سیاست عمل میں لا سکتے تھے۔ اب سواد اعظم اہل سنت کو دو گروہوں میں تقسیم کرنا اور ایک دوسرے سے الگ کر دینا کہ اب وہ قیامت تک ایک نہ ہو سکیں یہ شیعہ مذہب کی ہی خدمت ہے جو نہ شوستری سر انجام دے سکا نہ باقر مجلسی۔ اور یوں ہندوستان کے اہل سنت دیوبندی بریلوی دو بڑی جماعتوں میں منقسم ہو کر رہ گئے۔

ہمارے اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند جس کے سب سے بڑے مخالف مولانا احمد رضا خاں تھے ان دنوں ایک بڑی سنی درسگاہ کے طور پر معروف تھا، اس کے اکابر محدثین دہلی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ محمد اسحاقؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے وارث سمجھے جاتے تھے اور خود

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ لکھ کر شیعانِ ہند پر حق کی حجت تمام کر چکے ہوئے تھے۔ اب اس عظیم سنی درسگاہ کے خلاف تمنا خود اپنے غیر سنی ہونے کا ایک وبا اقرار تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کو اس سنی مرکز علم سے مخالفت خود مولانا احمد رضا خاں کے اپنے عقائد و نظریات کی اندرونی غمازی رہی ہے۔

علمائے دیوبند پورے اہل السنۃ والجماعت ہونے کی حیثیت سے فرقہ اہل حدیث سے بھی حق تھے۔ یہ حضرات (علمائے دیوبند) اجتہاد امت کے نظریے سے چاروں فقہی مذاہب کو اصولاً حق پر سمجھتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلد حضرات کے جو صرف ایک ہی فقہی طریق کو حق پر سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف دوسرے طریق کے مخالف ہونیکے قائل نہیں۔ علمائے دیوبند گو خود حنفی المسلک ہیں لیکن وہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کو بھی باطل پر نہیں سمجھتے۔ انہیں برابر علمی مقام دیتے ہیں اور خود صرف ترجیح کے قائل ہیں۔ علماء دیوبند کا صحیح کھرا اہل سنت ہونے کا یہ موقف انگریز مستشرقین سے چھپا نہ تھا۔ پی ہارڈی برٹش انڈیا کے حالات میں لکھتا ہے کہ ان حالات مسلمانوں میں علمائے دیوبند کا قابل فخر تعارف انکا سنی ہونا ہی تھا۔ اور وہ اہلحدیث اور بریلویوں کے مقابل ہمیشہ اہل سنت ہونے کے ناطے سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ بات یقین کرنے کے لیے کافی ہے کہ بریلوی کتب فکر والوں کی دیوبند کی مخالفت میں ہرگز اہل سنت ہونے سے معروف نہ تھا۔ یہ لوگ سنی سمجھے جاتے تھے پڑھے لکھے لوگ انہیں دیوبند کے مقابل جدید تیمیری شیعوں اور قادیانیوں کی صف میں جگہ دیتے تھے لکھتا ہے:۔

The Ulama of Deoband prided themselves on being ahl-al-sunna wal-jama, accepting the authority of the four orthodox sunni mazahib, opposed to the Ahl-Hadith, to the ulama of the Barelly Schools, with their acceptance of the intercession of saints and worship at tombs and their ascription of semi divine qualities to the prophet, to the teachings of Sir Syyed Ahmad and the Ahmadiyya.

The Muslims of British India, P. Hardi, P 171

ترجمہ۔ علماء دیوبند اہل سنت ہونے پر فخر کرتے تھے اور چاروں راسخ عقیدہ سنی مذاہب

کو جو اہل حدیث اور دیوبندی (وہابی) سمجھتے تھے وہ (علماء دیوبند) بریلوی مکتب فکر
کے بھی سخت مخالف تھے جو قبروں پر سجدہ کرتے اور ولیوں کو نجات میں وسیلہ سمجھتے
تھے ____ اور حضرت مجدد سرہندی میں نیم خدائی صفات ثابت کرنے کے قائل تھے.
علماء دیوبند سر سید احمد خاں کے (نیچری) نظریات اور شیعوں اور مرزائیوں کی تعلیمات
کے بھی خلاف تھے.

یہ ایک غیر جانبدار انگریز کا بیان ہے جو ہم نے نقل کیا ہے. علماء دیوبند کا ان دنوں اہل السنت و جماعت کے طور پر معروف ہونا اور بریلویوں اور شیعوں کا ان کے اپنے آثار سے ہونا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ہرگز ہرگز اہل سنت میں سے نہ تھے اور ان کا سنی ہونے کا دعویٰ محض اس لیے تھا کہ وہ کسی طرح بڑے مقابل سواد اعظم (اہل سنت) کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے شیعیت کو سنیوں کی اکثریت کے بوجھ سے رہائی دلائیں اور حق یہ ہے کہ یہ مقصد جو انہوں نے لیا تھا وہ انہوں نے پورا کر دکھایا. یہ آپ کی پچاس سال کی محنت کا ثمر ہے کہ آج ایران میں تو شیعوں کی مذہبی حکومت قائم ہو سکتی ہے مگر پاکستان میں کبھی کوئی سنی حکومت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ اہل سنت یہاں دو اصولی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکے ہیں. ان پڑھ طبقہ اپنی بریلویت پر نازاں ہے اور پڑھے لکھے لوگ مسلک دیوبند سے جڑے ہیں اور یہ تفریق یہاں ایک کامیاب مذہبی حکومت قائم ہونے میں وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے.

اس تفریق ملت اور تقسیم اہل سنت کا سارا ثواب مولانا احمد رضا خاں کے کھاتے میں جاتا ہے.
اب آپ ہی کہیں کہ آپ نے اہل سنت میں رہ کر کس کا کام کیا. اگر آپ کا یہ کارنامہ شیعوں کے حق میں ہوتا ہے تو پھر اس کا پس منظر بھی جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں. کیا آپ کو ماننے والے اہل سنت میں سے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ جناب قاری احمد [illegible] پیلی بھیتی مولانا احمد رضا خاں کی اس پچاس سالہ محنت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں.

مولانا احمد رضا خاں پچاس سال اس جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل
مکتب فکر قائم ہو گئے دیوبندی اور بریلوی.[1]

اس تقسیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں کو ایک ایسا فرقہ میسر آ گیا جو اہل سنت کہلا کر ان کا مقصد ادا کرے اور جب بھی بعض سنی شیعہ چپقلش ہو شیعوں کو سنی سٹیج سے بریلوی علماء ہی [illegible] جائیں اور

شیعہ کے خلاف صرف ایک دیوبندی کتب لکھ سکا جائے ـــــ سوائے یقین سے چارہ نہیں کہ اہل سنت کا رد
عمل میں تنہا حیثیت میں شیعہ قیادت کی ایک نمایاں کامیابی ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم مولانا احمد رضا خاں اور ان کے مسلکی تعلقات پر غور کرتے ہیں تو اندر کی بات
یہی سامنے آتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اندر سے ہرگز ہرگز اہل سنت میں سے نہ تھے اور اب صرف [illegible]
. گئے تھے جو شیعوں کے ہم مجلس ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے۔

١٩١٦ء کے قریب مجلس مؤید الاسلام کا ایک وفد جو شیعوں اور ان تمام سنیوں پہ مشتمل تھا
وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تجویز ہوا تھا اس میں شیعوں کے پہلو بہ پہلو کون تھے، مولانا
ولایت حسین الہ آبادی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی P. Hardy لکھتا ہے:

The deputation was to include Shia Mujtahids as well as Wilayat Hussain of Allahabad and Ahmad Raza Khan of Bareily. The Deobandis, characteristically objected to coming in with the Lucknow lot. Ibid, p.265.

ترجمہ: اس وفد میں شیعہ مجتہدین اور ولایت حسین الہ آبادی اور احمد رضا خاں بریلوی
شامل تھے۔ دیوبندیوں نے لکھنؤ کے ان مجتہدین کے ساتھ نکلنے کی مخالفت کی۔

اب آپ ہی بتائیں جن شیعوں میں سر عام حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بغض کا لاوا ابلتا ہو ان
سے سینہ ملا کر چلنے والے کون تھے اور اہل السنۃ والجماعۃ کی اعتقادی سرحدوں سے گرد دیانت و امانت
کا بہرہ و ریا کن کا نصیب تھا۔ ؎ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

بریلوی حضرات کہتے ہیں دیوبندیوں نے شیعوں کے ساتھ چلنے سے اس لیے انکار نہ کیا تھا کہ وہ
شیعوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ ان کے انکار کی اصل وجہ انگریزی حکومت سے عدم تعاون تھا اور وہ
وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ شیعوں کے ساتھ نہ بیٹھنے کو انہوں نے فقط ایک بہانہ
بنایا تھا۔ ہم کہتے ہیں اس وقت ہم دیوبندیوں پر بحث نہیں کر رہے کہ ان کا انکار کس جہت سے تھا یہاں
بات مولانا احمد رضا خاں کی ہو رہی ہے وہ شیعوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار تھے تو محض اس لیے کہ ان کی پچی
انفرادی آواز بھی کچھ ایک بڑی قوت مسلمانوں کی دینی کاوشوں کی منزل بن سکتی کہ جس طرح بھی بن پڑے اہل سنت
کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تا ضرورت کے وقت ایک ان میں سے ہمیشہ شیعوں کے ساتھ آ ملا کرے

بجا میں شہادت پائی[1]

بریلویوں کا عذر لنگ

بریلوی علماء، خالص الاعتقاد کی اس عبارت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہ عبارت اپنی طرف سے نہیں لکھی شرح مواقف سے نقل کی ہے اور وہ سنی عقائد کی کتاب ہے ——— ہم جواباً پوچھتے ہیں کہ یہ عبارت انہوں نے اپنے عقیدے کی حمایت میں نقل کی ہے یا تردید کے لیے؟ اگر اپنی حمایت میں نقل کی ہے تو کیا یہ ان کے شیعہ عقائد کا تحریری ثبوت نہیں؟ کیا اب بھی بلی تھیلے سے باہر نہیں آئی؟ ہمیں گلہ عام بریلویوں سے نہیں وہ بے شک اپنے آپ کو سنی سمجھتے ہوں گے۔ افسوس ان کی نادانی اور جہالت پر ہے کہ کس برتے وہ مولانا احمد رضا خاں کو سنی سمجھے بیٹھے ہیں ——— فاعتبروا یا اولی الابصار۔

شرح مواقف کا حوالہ دیتے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ماخذ کا کہیں پتہ نہیں دیا کہ علامہ سید شریف نے یہ بات کہاں سے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ علامہ سید شریف تو حضرت علیؓ کے دور کے نہ تھے جو ان کو ان مددگاروں کا پتہ دے رہے ہیں تو وہ کون سا ماخذ ہے جہاں سے انہوں نے یہ بات لی۔ ——— بریلوی علماء تو اس تحقیق میں کھوتے کھوتے سو گئے مگر کوئی یقینی الثبوت ماخذ انہیں نہ مل سکا، جس پر وہ اپنے اس عقیدے کی اساس رکھ سکیں۔ اب بریلوی عوام ہیں جو خواہ مخواہ مولانا احمد رضا خاں کو ان عقائد کے باوجود سنی کہے جا رہے ہیں۔ خواصًا علی ضیعۃ العلم وقلۃ الفہم۔

شارح مواقف کا عُذر

علامہ سید شریف صاحب شرح مواقف تو اللہ کے حضور کہہ سکیں گے کہ میں نے تو یہ عبارت

الف لیلیٰ کی داستان ہیں کہ کوئی معقولیت پسند انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں ان عقائد کو تسلیم کر کے جاہلوں کے پیشوا تو ہو سکتے ہیں لیکن انہیں سنی تسلیم کرنا معقولیت پسند لوگوں کے لیے بہت مشکل ہے۔

[1] خالص الاعتقاد مصنفہ مولانا احمد رضا خاں ص۳۳ طبع بریلی

شرح مواقف میں نہ لکھی تھی۔ یہ مولانا احمد رضا خان نے مجھ پر افتراء باندھا ہے اور اہل سنت کو شیعہ عقائد پہنانے کے لیے۔ انہوں نے یہ عقائد خواہ مخواہ میری طرف منسوب کر دیئے تھے۔ مگر ان بریلوی علماء کا کیا بنے گا جو محض خان صاحب کی حمایت کے لیے اب تک اسے شرح مواقف کی عبارت بتلاتے ہیں۔ وہ اس کا کوئی مبحث اور صفحہ نمبر بتائیں تو ہم پتہ دے سکیں گے کہ یہ بات انہوں نے کہاں سے لی ہے اور اگر یہ عبارت شرح مواقف میں کہیں نہ ملے تو قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے بے سروپا عقیدوں کو کیا اہل السنت کا عقیدہ کہا جا سکتا ہے۔

ہم نے ایک دفعہ مولانا احمد سعید کاظمی (ملتان) سے شرح مواقف کے اس حوالے کی نشاندہی مانگی۔ مولانا نے فرمایا یہ اس شرح مواقف میں ہو گی جو اعلیٰحضرت کے پاس تھی۔ اب اگر دیوبندیوں نے اس عبارت کو شرح مواقف سے نکال دیا ہے تو کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ انہیں پتہ نہ تھا کہ اس وقت میرے ہاتھ میں ۱۸۷۶ء کی لکھنؤ کی قدیم مطبوع شرح مواقف تھی میں نے آگے کر دی۔ پوچھنے لگے یہ کب کی طبع ہے۔ میں نے ۱۸۶۷ء کی خبر دی اس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تھا۔ اس وقت تک تو دیوبندی یہ اختلافات نہ چھیڑے تھے۔ مولانا نے اس پر سر جھکا لیا اور دیر تک مراقبہ میں رہے اور فرمایا، پھر کبھی اسے شرح مواقف میں تلاش کریں گے اس وقت فرصت نہیں۔ افسوس کہ مولانا کاظمی چل بسے اور اب ان میں کوئی صاحب علم نہیں جو شرح مواقف کے اس حوالے کا ماخذ بتا کر ہماری پیاس بجھائے۔

اہل سنت کی کتابوں میں شیعہ رواۃ اور مرویات

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اہل سنت روایتِ حدیث میں کبھی شیعہ راوی بھی آ جاتے ہیں اور محدثین ان پر جرح کرتے ہیں اور بعض مقامات پر ان کی مرویات بھی نقل کر دی جاتی ہیں۔ وہ جرح یہ کام علمائے محققین کا ہوتا ہے کہ وہ ان روایات اور مرویات کی تحقیق کریں۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتابوں میں ہر طرح کی رطب و یابس روایات لے آتے ہیں لیکن وہ حوالے دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اب یہ کام اگلے علماء کا ہوتا ہے کہ وہ ان کی تحقیق و تنقید کریں۔ کسی روایت کا ان کی کسی کتاب میں مل جانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اس کی صحت پر مہر فرما دی ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے علامہ دمیاطی کے حوالے سے جیسا کہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں یہ سے حضرت جعفر صادق

کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

الجفر جلد کتبہ جعفر الصادق کتب فیہ لاہل البیت کل ما یحتاجون الیٰ علمہ وکل ما یکون الیٰ یوم القیمۃ۔

ترجمہ۔ کتاب جفر ایک جلد ہے جو امام جعفر صادق نے لکھی تھی۔ اس میں آپ نے اہلبیت کے لیے ہر وہ بات لکھ دی جس کی انہیں قیامت تک ضرورت ہو سکتی تھی اور ہر وہ چیز جو قیامت تک واقع ہو گی۔

یہاں بھی خاں صاحب نے کوئی مستند ہی نہیں کی کہ یہ بات زرقانی نے کہاں سے لی ہے اور کس برتے پر وہ شیعہ عقائد کو اہل سنت میں لا رہے ہیں۔ پھر یہاں مولانا احمد رضا خاں کتاب جفر کو امام جعفر صادق کی تالیف بتا رہے ہیں اور پھر کبھی وہ اسے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تالیف لکھتے ہیں — ٹھیک ہے دروغ گو را حافظہ نباشد لیکن اس دروغ گوئی سے یہ پتہ بھی تو چلتا ہے کہ بات اتنی بے وزن اور کمزور ہے کہ خاں صاحب شیعہ عقائد کڑی کے جالے سے بُن بُن کر انہیں اہل سنت کے عقائد میں داخل کر دیں۔

پھر ابن النجار کے حوالے سے آپ یہ موضوع روایت بھی نہیں بھولتا۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

امیر المومنین ابو الائمۃ الطاہرین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا۔

سلونی قبل ان تفقدونی فانی لا اسئل عن شیء دون العرش الا اخبرت عنہ

مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے سب تحت الثریٰ تک آخر ہے اس سب کو میرا علم گھیرے ہے ان میں سے جو شے مجھ سے پوچھو میں بتا دوں گا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کو ابو الائمۃ الطاہرین بتانا اسی شیعہ عقیدے کا اظہار ہے کہ بارہ امام سب ایک نسل سے تھے اور سب کے سب معصوم تھے — کسے معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ میں سے کوئی بھی حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بھی ان کی اولاد میں سے نہ تھے۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ بھی ان کی اولاد میں سے نہ تھے تو آپ کو ابو الائمۃ الطاہرین کہنا

لہ خالص الاعتقاد صفحہ [illegible]

ایک خاص شیعہ اصطلاح کا ہی ترجمان ہو سکتا ہے۔ اہل سنت عقیدے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے علم کو علم محیط کہنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں پہلے خود کہہ آئے ہیں۔

> علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی ذات باری عزوجل کے لیے ثابت اور اس سے مخصوص ہے۔[1]

اب آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں مولانا احمد رضا خاں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے علم محیط کا اقرار کرکے کیا کھویا اور کیا پایا ـــــ کیا اب بھی انہوں نے شیعیت کی قبا نہیں اتاری۔

اب آپ ہی بتائیں کہ حضرت علیؓ کے علم کو علم محیط ماننا اگر کھلی شیعیت نہیں تو کون سا عقیدہ اہل سنت ہے جو مولانا احمد رضا خاں تقیہ کے پردے سے اہل سنت کی صفوں میں لا رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مخالفت کیا صرف اسی لیے نہیں کہ یہ مدرسہ اہل سنت کے طور پر کیوں معروف تھا اور پھر اہل سنت کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اس کی مخالفت ضروری تھی ـــــ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دارالعلوم دیوبند محض درس گاہ کے طور پر اور مدرسہ بریلی اس کی اپوزیشن میں معروف تھا۔
P. Hardy لکھتا ہے۔

> The prestige of Deoband as the active, confident and watchful guardian of sunni Islam was enhanced by its struggle against a new interpretation of Islam, which appeared in the late nineteenth century — the Ahmadiya — what enraged orthodox opinion was Mirza Ghulam Ahmad's apparent challenge to the fundamental doctrine of KHATM-E-NUBUWWAT (the doctrine of the finality of prophethood of Muhammad, be peace upon him)
>
> The Muslims of British India, p.172.

ترجمہ: سنی اسلام کے مستعد، لائق اور بیدار محافظ ہونے کی حیثیت سے دیوبند کا وقار اس جد و جہد سے اور بڑھا جو اس نے اسلام کی نئی تشریح کے خلاف کی جو (نئی تشریح) انیسویں صدی کے اواخر میں احمدیت (قادیانیت) کے نام سے ظاہر ہوئی۔

---

[1] خالص الاعتقاد صـ۳۲

بریلوی پندرھویں صدی میں اور کھل گئے

مولانا احمد رضا خاں کے پیروؤں میں ایک صاحب مولانا طاہر القادری ہیں۔ آپ سیال شریف کے مولانا محمد اشرف سیالوی کے معتقد خاص ہیں۔ جھنگ میں مولانا حق نوازؒ اور مولانا محمد اشرف سیالوی میں دیوبندی بریلوی موضوع پر ایک مناظرہ ہوا تھا اس میں پروفیسر طاہر القادری اشرف سیالوی کے معین تھے اور ان کی بار بار رہنمائی کرتے تھے۔ جہاں سیالوی صاحب رہ جاتے طاہر القادری ان کی جگہ پوری کر دیتے۔ اب مولانا طاہر القادری صاحب کی شیعیت ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے مولانا حق نواز جھنگویؒ کی مخالفت یا مولانا احمد رضا خاں کی موافقت نے پروفیسر صاحب کو کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ مولانا طاہر القادری کا اعلان سنئے :۔

> جو جماعت میں بنا رہا ہوں وہ محض اہلسنت کی جماعت نہ ہوگی بلکہ شیعہ سنی سبھی شامل ہوں گے ہمارے نزدیک شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں۔[1]

کیا اب بھی ہمارے قارئین نہیں سمجھے کہ بریلویت شیعیت کا ہی ایک طور جدید ہے۔

علامہ خمینی کی وفات پر بریلویوں نے کیا کہا اسے بھی طاہر القادری صاحب کی زبان سے سنئے۔

> امام خمینی تاریخ اسلام کے شجاع اور جری صوفی حق میں سے ہیں جن کا جینا علیؓ کی طرح اور مرنا حسینؓ کی طرح ہے خمینی کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہر بچہ خمینی بن جائے۔[2]

بریلویوں کی اس شیعیت نے بریلوی عوام کو بہت پریشان کر رکھا ہے مگر افسوس کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جہالت کا کوئی علاج نہیں بریلوی عوام اس کے خود ذمہ دار ہیں۔ وہ اپنے ان علماء کو خواہ جناب احمد رضا خاں ہوں یا مولانا طاہر القادری چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ـــــ ادھر نسبت سرکار بغداد سے ظاہر کرتے ہیں اور ادھر جا کر خمینی کی چوکھٹ پر اپنی سب متاع ایمان لٹاتے ہیں۔ ـــ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

۱؎ چٹان لاہور ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء　　۲؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ جون ۱۹۸۹ء

جاہلی مُسلمانوں کا تارِیک ماضی

بدعات کے گہرے سائے میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

جاہلی مسلمانوں کا تاریک ماضی

بدعت کے گہرے سائے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءَاللّٰهُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ

موجودہ بریلویت کا تاریخی پس منظر آپ کے سامنے ہے یہ اپنا نام کچھ رکھیں اور ماضی میں یہ کس کس نام سے معروف رہے ہوں ان حالات کی مشترکہ دلالت یہ ہے کہ ان کے حلقوں میں ہندو مذہب پھر سے ابھر رہا ہے اور رسومات نے ان کے دل و دماغ میں شرک اور توحید کے بہت سے بھوت کھڑے کر رکھے ہیں توحید و سنت اسلام کے دو امتیازی نشان تھے انہی دو کو انہوں نے گدلا کیا اور شرک و بدعت دو تاریک راہیں تھیں اور انہی میں یہ چلے اور بڑی بے دردی سے چلے۔

ان تاریک راہوں کا دوسرا سرا کدھر کھلتا ہے عیسائیت کی طرف جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ کے نورِ ذات سے بنا مانتے ہیں یا ہندو ازم کی طرف اور اس کے لئے واضح دلائل ان کے گرد و پیش موجود ہیں یا دین زرتشت کی طرف جس کے سائے میں بریلویت شیعت کا ایک طور جدید بن کر سامنے آتی ہے دین سے ناواقف مسلمان انہی راہوں سے بھٹکے ہیں اور انہیں راہوں کا دوسرا سرا کفر کی طرف کھلتا ہے شرک اور قبر پرستی ایک ساتھ چلے ہیں بریلوی حضرات اس تلخ حقیقت کو مانتے نہیں وہ شرک کو ہندوؤں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور قبر پرستی کو اپنا نصیب بتلاتے ہیں ہم اس دعوے پر کہ شرک اور قبر پرستی کی تاریخ ایک ہے اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت پیش کر چکے ہیں اس موضوع پر آپ فقہ حنفی کا یہ فتوے شامی سے دیکھ آئے ہیں۔ دیکھو رد المحتار شامی ج ۱ ص ؟

ان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد

ترجمہ: بت پرستی کی ابتداء اس سے ہوئی کہ لوگوں نے بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

ہندو ازم کی نشأۃ جدیدہ کن رستوں سے ہو رہی ہے آپ اس کے خد و خال بریلویت میں دیکھ چکے ہیں دین زرتشت کس طرح شیعیت کی راہ سے بریلویت میں جلوہ گر ہوا آپ اس تاریک راہ کو بھی دیکھ آئے ہیں اب آپ ذرا بریلویت کی داخلی حدود دیکھیں بدعات ان کا اپنا میدان ہے اور یہی ان کا اپنا خصوصی کارنامہ ہے شرک انہوں نے ہندوؤں سے لیا[1] الحاد انہوں نے شیعیت سے لیا ہے اور مافوقی عقیدت انہوں نے عیسائیوں سے لی ہے جن میں کفر محبت کی راہ سے آیا تھا بریلویوں کی اپنی محنت صرف بدعات پر ہے اور یہی ان کا خصوصی دین و مذہب ہے جس کی وصیت مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے ۱۷ منٹ پہلے کی تھی۔

بدعات نے اسلام کے درخشاں چہرہ کو کس طرح غبار آلود کر رکھا ہے اور شریعت میں انہوں نے کیا کیا اضافے کر رکھے ہیں اور کس اصول اور کس ضرورت پر کر رکھے ہیں یہ تاریخ بریلویت کا ایک وسیع باب ہے مولانا احمد رضا خاں نے اپنی زندگی اسی باب کو علمی استناد مہیا کرنے پر صرف کی ہے اور بدعات کی رگوں کو تازہ خون مہیا کیا ہے۔ دالی اللہ المشتکی۔

یہ بدعات کی تاریخ موجودہ بریلویت سے پہلے کی ہے جب تک مسلمان خلافت کے سائے میں رہے ان پر اللہ کا ہاتھ رہا سواد اعظم بدعات سے محفوظ تھا۔ اہل بدعت الحاد میں آتے ہی اہل سنت سے الگ ہو جاتے تھے معتزلہ و قدریہ خوارج و روافض اور جہمیہ و مرجئہ کی صفیں علیحدہ تھیں اور اہل السنۃ والجماعۃ اصل اسلام کے وارث سمجھے جاتے تھے یہ حضرات صحابہ کے ساتھ تھے اور ما انا علیہ و اصحابی ان کا امتیازی نشان تھا صحابہ کے انتساب سے بدعت فی العقائد ان میں سرایت نہ کر سکی جونہی خلافت بغداد کو زوال آیا مسلمان

---

[1] مشرکین مکہ سے نہیں کہ اب یہ ام بائدہ ہو چکے ہیں عرب میں ان کا نام و نشان تک نہیں سب حرف ایکے تاریخی تذکرے ہیں شرک اپنی اصل صورت میں اب صرف ہندوؤں میں ہے اور انکے زیر اثر ان جاہل مسلمانوں میں جو آج بریلوی کہلاتے ہیں۔

ایک جھنڈے تلے نہ رہے تو بدعت اعمال نے بھی ان میں سر اٹھایا اصولاً تو یہ لوگ اہلسنت سے نہ نکلے لیکن بدعت فی الاعمال کی نحوست انہیں بڑی بے دردی سے شرک کی سرحدوں پر لے آئی پاکستان کے مرکزی روحانی پیشوا حضرت علی بن عثمان جلابی لاہوری (۴۶۵ھ) اپنے وقت کے اہل بدعت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اما ہر کہ بخدا وند تعالیٰ راہ داند از خلق حاجت نخواہد کہ حاجت بخلق دلیل بے معرفتی بود کہ اگر بقاضی الحاجات عالم ستے از جول خویشتن حاجت نخواہد استعانت المخلوق من المخلوق کاستعانت المسجون من المسجون[1]

ترجمہ :۔ جس کو خدا کی راہ پتہ ہے وہ مخلوق کی راہ نہیں دیکھتا مخلوق سے حاجتیں طلب کرنا خدا کی معرفت سے دوری کا نشان ہے بندہ کو اگر علم ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی الحاجات ہے تو اپنے جیسے مخلوق سے کیوں سوال کرے کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مانگنا ایسا ہی ہے جیسا قیدی کا قیدی سے رہائی مانگنا۔

یہ معتزلہ اور خوارج کی شکایت نہیں اہل مسلمانوں کا المیہ ہے جو اپنے آپ کو سواد اعظم اہل سنت کہتے ہیں لیکن عقیدہ توحید میں بہت ضعیف الاعتقاد ہو چکے ہیں حضرت علی ہجویری ان کو بالکل اسی طرح سمجھا رہے ہیں جس طرح علماء دیوبند آج کل بریلویوں کو نصیحت کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اُس وقت میں اور اِس وقت میں اگر فرق ہے تو یہی کہ اسوقت یہ طریق عمل صرف جاہل عوام کا تھا اور انکی پشت پر کوئی طبقہ علماء نہ تھا لیکن آج کل اس قسم کی خرافات اور بدعات کو سند جواز دینے کے لئے مولویوں کی اچھی خاصی بھیڑ ہر شہر اور گاؤں میں موجود ہے۔

یہی حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

از جملہ مخلوقات کسے را قدرت آں نیست کہ کس را نجدا ئے تعالیٰ رساند مستدل از ابوطالب عاقلتر نباشد و دلیل از محمد صلی اللہ علیہ وسلم بزرگتر نہ وے را سود نداشت[2]

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۴۹۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۷

(ترجمہ) ہماری مخلوق میں سے کس کے بس میں تھا کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے حضور پہنچا دے رہنمائی کرنے والا ابوطالب سے زیادہ سمجھدار کون ہوگا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ سے بڑا کون ہوگا لیکن آپ ابوطالب کے کام نہ آسکے جالے ایمان نہ دے سکے!

آہ! جو بزرگ ان زوردار لفظوں میں یک خدا کو داتا سمجھتے تھے اور اسی ایک سے مانگنے کی تلقین کرتے تھے ان کو اس دور کے ضعیف الاعتقاد خود داتا کہہ کر پکارتے ہیں اور ایک مخلوق ان کے مزار کو دادرس کا دربار سمجھ ڈیرہ لگائے بیٹھی ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست ——— کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے حضرت کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے نہیں تو کشف المحجوب اٹھا کر دیکھ لیجئے۔

یہ سنی جو مخلوق سے سوال کرنے اور قبر والوں کو پکارنے میں شرم کی لعنت پاتے تھے کیا وہ ان بزرگوں کو ذاتی طور پر حاجت روا سمجھتے تھے یا ان بزرگوں۔ وہ اصحاب مزارات کو عطائے الٰہی کی امداد میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علی ہجویری کے درجات اور بلند فرمائے آپ نے اہل جہالت کے اسی طریق عمل کو کسی درجہ میں جائز نہیں سمجھا اور ان کی عطائی کی تاویل کسی درجہ میں گوارا نہیں کی آپ نے اس آہ و فریاد کو جو یہ لوگ ان بزرگوں کی قبروں پر جا کر کرتے ہیں صریح شرک قرار دیا ہے بزرگان دین تو اپنی جگہ رہے آپ نے ابوطالب کی بات درمیان میں لا کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختار کل ہونے کی نفی کی ہے ہماری اصلاح اسی طریق میں ہے جو حضرت ہجویری نے اختیار فرمایا ہے عوام کیلئے ذاتی اور عطائی کے فرق میں سمجھنا بہت مشکل ہے اور شرک میں جا گرنا بہت آسان ہے خدا کرے علماء کسی بدعت کے حق میں زبان نہ کھولیں اور تاویل کی راہ نہ ڈھونڈیں اس سے بہت سوں کا نقصان ہوگا اور حضرت بریلوی تھا پر بھاری ہوتی جائے گی جو ان تمام خرافات کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں۔

اب مولانا احمد رضا خاں کی جرأت و ہمت دیکھئے کس دیدہ دلیری سے یہ سارا بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں ——— الامان والحفیظ لکھتے ہیں

آدمی اگر عقل و ہوش سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے تو غیر ذاتی کا لفظ آتے ہی

شرک کا خاتمہ ہو گیا کہ جب عطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی

خاں صاحب کی بات اگر مان لی جائے تو دنیا میں شرک نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے اور نہ یہ اب دنیا کے کسی گوشہ میں پایا جاتا ہے اس لئے کہ عطائے الٰہی کا سہارا تو ہر ایک مشرک نے لے رکھا ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ خاں صاحب کو صحیح مسلم کی اس حدیث کا علم نہ ہوگا جس میں اس بات کا بیان ہے کہ مشرکین کا تلبیہ عطائے الٰہی کی اوٹ میں ہی چلتا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ پھر بھی انہیں مشرک ہی سمجھتے تھے اور اس وقت کوئی احمد رضا خاں نہ تھا جو انہیں یہ کہہ کر ٹوکتا کہ جب عطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی۔ مشرکین کا وہ تلبیہ (لبیک پکارنا) جسے وہ عطائے الٰہی کی اوٹ میں شرک نہ سمجھتے تھے یہ تھا

لبیک لا شریک لک الا شریکا تملکہ وما ملک[1]

(ترجمہ) اے اللہ ہم تیرے حضور حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ان کے جو تیرے ہی ماتحت ہیں اور ان کی ہر ملکیت تیری ہی ملک ہے۔

سو یہ بات کسی شبہ میں نہیں کہ مشرکین عرب کا سارا کاروبار اسی عطائے الٰہی کی اوٹ میں چلتا تھا اور وہ اپنے معبودوں کو خدا کی دی ہوئی قوتوں سے ہی اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھتے تھے خدا کی حاکمیت کلی کا عقیدہ ان کے ہاں پورے اقرار توحید سے قائم تھا

اب آپ سوچیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں لبیک لا شریک لک پر روکیں کہ اگلی بات نہ کہو مگر مولانا احمد رضا خاں کہیں کہ جب عطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی؟ کیا انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مقابلہ کرتے ہوئے خدا کا کوئی خوف اور حضورؐ کی بے ادبی کا کوئی اندیشہ مانع ہوا؟ نہیں ہرگز نہیں اور پھر دیکھیں ایسے لوگوں کو کیا کسی پہلو سے بھی اہل السنۃ والجماعۃ مانا جا سکتا ہے؟

حضرت علی ہجویریؒ نے اپنے وقت کے ان مسلمانوں پر بجا تنقید کی ہے جنہیں دین سے جہالت یہاں تک لے آئی تھی کہ وہ شرک کی سرحدوں پر جا بیٹھے اور عطار کے اس سہارے کا روبار کو عطائے الٰہی کی اوٹ میں جائز سمجھنے لگے آپ نے ان لوگوں پر کھلی تنقید کی ہے اور اپنے موحد ہونے کا حق ادا کیا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ دہلی

ہے اور اس وقت کے اعمال بدعت کی پوری قوت ایمانی سے نشان دہی کی ہے خدا کا شکر ہے اس وقت احمد رضا خاں نہ تھا جو انہیں یہ کہتا کہ حضرت جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی ؟ اس وقت ان بدعات اور قبروں پر آہ و زاری کی شرکیہ فریادوں کو علمی استناد مہیا کرنے والا کوئی نہ تھا سو اس دور میں بدعت تو تھی لیکن بریلویت (اپنے موجودہ معنی میں) نہ تھی بدعت اور بریلویت میں یہ جوہری فرق ہے جس کی تفصیل آپ کو آگے ملے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ پانچویں صدی ہجری میں بدعت فی الاعمال نے اہل سنت حلقوں میں بھی سر اٹھا لیا تھا اور یہ لوگ شرک کی سرحدوں پر آپہنچے تھے کہ اہل السنۃ کے ان اکابر نے انہیں بروقت ٹوکا اور بہت سوں کو شرک کی دلدل میں گرنے سے بچا لیا اور یہ صحیح ہے کہ انہیں ان دنوں ایک علیحدہ فرقے کی شکل دینے والا کوئی احمد رضا خاں نہ تھا۔

مولانا احمد رضا خاں چودھویں صدی میں اٹھے یہ وقت ہندوستان میں برطانوی عملداری کا تھا آپ شرک و بدعت کی حمایت میں بڑی علمی قوت سے اٹھے اور کسی نئے مسلک و مشرب سے نہیں ایک مستقل دین و مذہب سے لوگوں کے سامنے آئے اسی دین و مذہب نے آگے جاکر بریلویت کا نام پایا بدعات کے تاریخی ارتقاء کی یہ آخری منزل تھی اب اسے ایک علمی سہارا مل گیا تھا آپ نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو اپنے اس مذہب کا اس طرح پابند کیا —

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم

رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ [1]

یہاں دین و مذہب سے شریعت مراد نہیں آپ اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں کہ حتی الوسع اس پر عمل کریں لیکن اپنے دین و مذہب پر قائم رہنے کو آپ نے جملہ فرائض سے اہم فرض بتلایا ہے اعلیٰ حضرت کا وہ خاص دین و مذہب کیا ہے جس کی اس آخری وقت میں تلقین کی جارہی ہے؟ اگر یہ کتاب و سنت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہو رہا ہے تو وہ کیا چیز تھی جس کا اس آخری وقت میں ذکر کیا جارہا ہے۔

---

[1] وصایا شریف صہ

جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق ہے مولانا احمد رضا خان کے اس خاص دین و مذہب کے دو حصے ہیں (۱) ایک سیاسی اور (۲) دوسرا مذہبی۔ آپ کا سیاسی عقیدہ کیا رہا ہے انگریزوں کی غیر مشروط حمایت اور آزادی پسند تحریکوں کی مخالفت اور مذہبی دائرہ میں آپ کا طریقہ کیا رہا ہے لیجئے آپ کی ہی زبان سے سُن لیں ان کے ہاں یہ دین کی اصل اصیل ہے اور بریلویوں کا سارا کاروبار اب اسی پر چل رہا ہے مولانا احمد رضا خاں اپنے اس خاص مذہب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا حکم نہ دیا نہ منع فرمایا وہ مباح ہے
اور بلا حرج ــــــ وہابی اس اصل اصیل یعنی بڑے قانون سے جاہل ہو
کر ہر جگہ پوچھتے ہیں خدا اور رسول نے اس کو کہاں حکم دیا ہے !
جب نہ حکم دیا نہ منع کیا تو جواز رہا ــــــ تم ایسے کاموں سے
منع کرتے ہو اللہ و رسول پر افتراء کرتے ہو۔ شارع حضور نے تو منع نہیں کیا
اور تم منع کرتے ہو مجلس میلاد مبارک قیام و تعظیمی، فاتحہ سوم ، تیجہ ،
چہلم ۔ سب مسائل بدولت اسی اصل یعنی قانون سے طے ہو جاتے ہیں[1]

اس عبارت سے مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب معلوم ہو گیا ہے ان کے ہاں مسائل اختلافیہ میں قرآن و حدیث کی ضرورت نہیں منع نہ ہونا ہی ان کے جواز کے لئے کافی ہے وہ بتانا چاہتے ہیں اپنے مذہب کے طور طریقے ہم خود تیار کریں گے ضروری نہیں کہ ہم اپنے طریقوں کو سُنت اور صحابہؓ سے ہی لیں ــــــ منع نہ ہونا ہی ہمارے دین کی اصل اصیل ہے اور دلیل کا نہ ہونا ہی ہماری سب سے بڑی دلیل ہے اور منع کا نہ ہونا ہمارا سب سے بڑا علمی سرمایہ ہے جو لوگ ہمارے مذہبی طور و طریق کا ثبوت سُنت اور صحابہؓ سے مانگتے ہیں وہ وہابی ہیں اور ہمارے اس مذہبی اصول سے ناواقف ہیں ہمارے مذہب کے طور طریقے کیا ہیں اور دین و مذہب کا فکر کیا ہونا چاہئے ایسے طے کرنے کا حق ہمیں ہے جو لوگ یہ کہیں ان اعمال کا ثبوت صحابہؓ سے لاؤ انہیں کہہ دو تم منع کی دلیل لاؤ منع نہ ہونا ہی ہمارا سب سے بڑا ثبوت ہے صحابہؓ کی بات کیا لئے پھرتے ہو

---

[1] الامن والعلیٰ صـ ۱۵۷ ، صـ ۱۵۸ ملخصاً

یہ وہ مخصوص دین و مذہب ہے جس کی تلقین مولانا احمد رضا خان نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹوں کو کی اور آپ نے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسی سہولت مہیا کر دی کہ اب انہیں اپنے دین و مذہب کے لئے سلف صالحین اور ائمہ دین سے کوئی سند لانے کی ضرورت نہ رہی۔ جہاں غلط ہو جائے کہ حضور نے اس خاص کام سے منع نہیں فرمایا تو فوراً اس سے اپنے مذہب کا تانا بانا بُن لو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض بریلوی احباب کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان کا دین عام امت سے کوئی علیحدہ نہیں تھا یہ وصیت کے الفاظ کہ میرے دین و مذہب پر چلو ان سے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے نکل گئے تھے کیا کوئی عالم ربانی بوجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے سکرات کے وقت بہت سی باتیں زبان سے بے ارادہ نکل جاتی ہیں آپ نے اگر کوئی دین علیحدہ ترتیب دیا ہوتا تو آپ اس کی نسبت اپنی طرف کسی اور موقعہ پر بھی تو کرتے صرف وفات سے پہلے ہی نہ کہتے کہ میرے دین و مذہب پر چلو اس کا کیا کوئی اور ثبوت بھی ہے؟

ہم نے جواب میں خان صاحب کا ایک اور حوالہ پیش کیا جہاں آپ نے برملا اپنے دین و مذہب کو مذہب رضا سے تعبیر کیا ہے۔

تو کی نسبت گفتم از من لفظ محی الدین مخواہ
زانکہ در دین رضا ہم دین و ہم ایمان تو ئی شد[1]

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی پر ایمان لانا مذاہب اربعہ میں کسی کے ہاں ضروریات دین میں سے نہیں مگر دین رضا میں اسے ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے اب آپ ہی بتائیں کیا یہ ایک نیا دین و مذہب ہوا یا نہ؟

حق بر زبان جاری

دین اسلام کی شان امتیاز ہے کہ جب بھی کسی نے اس کے مسخ کرنے کی کوشش کی اللہ رب العزت کے لاشریک ہاتھوں نے خود اس کی پیشانی کر دی اور بے ساختہ حق اس کے

---

[1] حدائق بخشش حصہ ص

نیکی کرنے والے انہیں صرف رسم یا شوقِ طبع یا ایک علاج کے انداز میں لاتے تھے یا اپنے مشائخ کی نسبت سے ان اعمال سے محبت کرتے تھے انہیں حکم شرعی نہ سمجھتے تھے انہیں شرعی احکام بنانے کے لئے انہوں نے قرآن و حدیث میں کہیں تحریف نہ کی تھی نہ کبھی مذہب حنفی کا چہرہ مسخ کیا تھا مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے پورے دائرہ بدعات کو یہ علمی استناد مہیا کیا اور منع کا سارا بوجھ معترضین پر ڈال دیا اس بڑے کام کے صدقے ان کے پیرو انہیں اعلیٰحضرت کہتے ہیں آپ کی اس تحریک سے سوادِ اعظم کے قلعے میں پہلا شگاف آیا اور بریلویت ایک فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت مستقل طور پر دو حصوں میں بٹ گئے ایک پرانے اہل سنت اور ایک نئے اہل بدعت۔

مناسب ہوگا کہ ہم تاریخ بدعات پر بحث کرنے سے پہلے اسلام کا صراط مستقیم آپ کے سامنے پیش کر دیں وہ کیا ہے؟ جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے ہوں ــــ یہ نہیں کہ اس پر منع وارد نہ ہوئی ہو ضروری ہے کہ وہ اسلاف کا عمل بھی ہو اور اگلوں نے پچھلوں سے اسے متوارث پایا ہو۔

اسلام کا صراطِ مستقیم

صحابہ کرام اسلام کا صحیح عملی پیکر تھے ان کا اختلاف بھی اسلام تھا اور ان کی روایت اور درایت بھی سند تھی اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف پر عمل کرنے کی گنجائش تھی صواب و خطا میں ان میں سے ہر ایک ماجور و مثاب تھا۔

صحابہ اسلام کی وسعت کے عملی نمونے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل کیا اکملت لکم دینکم میں دین کی اضافت انہی کی طرف ہے اسی دین کو خدا نے اپنی نعمت کہا نعمتی میں نعمت کی اضافت خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور اس کو خدا نے پسندیدہ دین کہا ہے۔ ورضیت لکم الاسلام دینا ــــ یہی سبیل رسول ہے جس کی طرف حضور دعوت دیتے تھے اور یہی سبیل المؤمنین ہے جس سے پھرنے والا جہنم کی طرف لوٹتا ہے۔

قل ہذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ پ۱۳ یوسف

ترجمہ: آپ کہدیں یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری سمجھ بوجھ سے میں اور جو میرے پیچھے چلے ہیں۔

یعنی خدا نے مجھے ایک نور دیا ہے جس سے میرے ہمراہیوں کے دماغ روشن ہو گئے ہیں اور میرے ساتھی اس سیدھے رستے پر حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ

وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ پ النساء آیت ۱۱۵۔

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق رستہ اس کے سامنے کھل چکا ہو (اس وقت کے) مسلمانوں کی راہ سے کسی اور راہ پر چل نکلے ہم اسے ادھر پھیریں گے جدھر وہ پھرا اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

یہ مومنین (صحابہ کرام) سب تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے اس لئے ان کی راہ کے خلاف ہر راہ ناقابل اختیار قرار پائی آئندہ آنے والے مسلمانوں کو اسی راہ کا پابند کیا گیا اور یہی راہ صراط مستقیم ہے صحابہ سابقین اولین ہوں یا فتح مکہ کے بعد ساتھ ہونے والے ــــ اللہ تعالیٰ نے سبھی کو نعمت حسنیٰ کا وعدہ دیا اور جس سے بھی اس نے حسنیٰ کا وعدہ کیا وہ بہرحال آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ

أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ۔ پ الحدید آیت ۱۰۔

ترجمہ: تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور وعدہ تو حسنیٰ کا سب سے ہے

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ۔ پ الانبیاء

صحابہ کے عہد میں کیا کبھی کوئی ایسا مسئلہ اٹھا جس کا شریعت میں نہ حکم تھا نہ اس سے

منع کیا گیا تھا تو ایسے مسائل میں صحابہ کی راہ کیا تھی کیا وہ اسے اس اصل پر اپنا لیتے تھے کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا یا اسے دین سمجھے کو وہ واشگاف الفاظ میں بدعت کہتے اور لوگوں کو اس سے روکتے تھے ؟ اس باب میں صحابہ کی راہنمائی یقیناً راہ نجات اور دیوبندی بریلوی کے نزاع میں ایک فیصلے کی راہ ہو گی

۱ــــ فجر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے قنوت پڑھی اس وقت مسلمان ایک مصیبت میں گھرے تھے لیکن اس صورت حال کے بغیر فجر میں قنوت پڑھنا کیسا ہے ! یہ نہ سنت تھی نہ حضور نے اس سے منع فرمایا تھا اگر عبادات میں بھی اصل یہ ہوتی کہ جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو سب جائز ہے تو ظاہر ہے کہ کسی مصیبت کے بغیر قنوت فی الفجر بالکل جائز ہوتی کیونکہ اس کے خلاف منع کہیں وارد نہیں. حضرت ابو مالک اشجعی کے والد اپنے بیٹے کو مسئلہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں.

یا بنی انہا بدعۃ اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے[1]

اچھا ہوا اس وقت مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ صحابی رسولؐ سے بھی پوچھتے منع کی دلیل کہاں ہے حضور نے اس سے منع تو نہیں فرمایا. اب یہ بدعت کیسے ہو گی؟

۲ــــ اذان ہو جانے کے پھر کسی کو نماز کے لئے بلانا یا نماز کا بتلانا تثویب کہلاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اسے مسنون بتایا نہ اس سے منع فرمایا حضرت مجاہد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ظہر یا عصر کے وقت ایک مسجد میں تھے اذان ہو چکی تھی ایک شخص نے لوگوں کو نماز کو پھر سے بتلایا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے ٹوکا کہ یہ عمل پہلے سے چلا نہیں آرہا اس کے لئے ہم نے صرف اذان کو کافی سمجھا ہے ۔ خدا کا شکر ہے وہاں مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ کہتے حضور نے اس سے منع تو نہیں کیا. تم منع کی دلیل لاؤ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجاہد سے کہا مجھے یہاں سے لے چل یعنی میں بدعتیوں کے ماحول میں نہ رہوں. حضرت مجاہد سے روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا.

اخرج بنا فان هذه بدعة. ہمیں یہاں سے لے چل

---

[1] سنن نسائی ج ۱ صـ ۱۲۲ حلبی ملتان

یہ عمل (اذان کے بعد پھر سے نماز کے لئے کہنا) بدعت ہے۔ [1]

حضرت علی مرتضیٰؓ کے سامنے بھی ایک شخص نے عشاء کی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے کہا آپ نے فرمایا:-

أخرجوا هذا المبتدع من المسجد [2]

(ترجمہ) اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو (بدعتیوں کا مسجد میں کیا کام)

اس سے یہ پتہ تو چلتا ہے کہ بدعتیوں نے ان دنوں بدعات کا آغاز کر دیا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان دنوں کوئی احمد رضا خاں ان بدعات کو علمی سند دینے کے لئے کھڑا نہیں ہوا تھا کہ حضورؐ نے اس سے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ۔۔۔۔

۳۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ختنہ کے موقع پر نہ کسی کو دعوت کا حکم دیا نہ منع کیا حضرت عثمان بن ابی العاص کو کسی نے ختنہ کے موقع پر کھانے کی دعوت دی آپ نہیں گئے اور فرمایا حضورؐ کے زمانے میں ہم ایسی دعوتوں پر نہیں گئے نہ ہمیں ان موقعوں پر بلایا گیا تھا آپ کے الفاظ

انا كنا لا ناتى الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له [3]

(ترجمہ) بے شک ہم حضورؐ کے عہد میں ختنوں کی دعوت پر نہ جاتے تھے اور نہ ان دنوں ان دعوتوں کا رواج تھا۔

ہم پھر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان دنوں کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھا جو حضرت عثمانؓ کو ٹوکتا اور کہتا منع کی دلیل لاؤ حضورؐ نے اس سے کہاں منع کیا ہے جب حکم دیا نہ منع کیا تو یہ جائز کیوں نہ ہوگا۔

۴۔۔۔ ایک شخص نے چھینک ماری اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں موجود تھے آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ (یعنی میں سلام کا منکر نہیں ہوں حضورؐ پر سلام بھیجتا ہوں) لیکن حضورؐ نے ہمیں اس موقع پر چھینک

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۸۰ [2] البحر الرائق جلد ۱ ص ۲۶۹ [3] مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۱۷ .

کے موقع پر اس طرح کہنا نہیں سکھایا ہمیں الحمد للہ علیٰ کل حال کہنا ہی بتلایا ہے۔
اس روایت کی سند پر تو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اس کے متن پر اب تک کسی محدث نے اعتراض نہیں کیا نہ کوئی اعلحضرت بنا جس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کہا ہو کہ اس طرح سلام سے منع کرنا حضورؐ نے ہمیں نہیں سکھایا اور ظاہر ہے کہ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا عمل بھی نہ تھا پس عبادات میں اصل عمل ہے کہ پہلوں سے ایسا ثابت ہے یا نہیں! یہ کوئی اصل نہیں کہ منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ۔
۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:

وانظر السجع من الدعاء فاجتنبه فانی عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه لا يفعلون الا ذلك۔[2]

(ترجمہ) اور دیکھو دعا مانگنے میں قافیہ بندی مذکر دیں نے حضورؐ کا اور آپ کے صحابہؓ کا عہد پایا ہے وہ ایسا نہیں کرتے تھے
اس وقت مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہتے حضرت! منع کی دلیل لاؤ جب حضورؐ نے اس سے منع نہیں کیا تو تم کون اس سے منع کرنے والے ہو۔
جو اعمال حضورؐ یا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں وہ تو ایک طرف رہے جو اعمال ثابت بھی ہوں مگر لوگ انہیں کسی اجتماعی صورت میں لے آئیں ان کا اہتمام ان کے اصل مقام سے زیادہ ہونے لگے تو صحابہؓ انہیں بھی بدعات میں شمار کرتے تھے چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) کسے معلوم نہیں کہ اس کی اصل موجود ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اس کے لئے مسجدوں میں بڑے بڑے اجتماع دیکھے اور لوگوں کو اس کا اہتمام کرتے پایا تو آپ نے اسے بھی بدعت ٹھہرایا کسی مولانا احمد رضا خاں نے نہ کہا کہ اس اہتمام اور اجتماع سے منع کرنے کی دلیل لاؤ اس سے منع کہاں وارد ہے۔

---

[1] ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۸ دہلی صفحہ ۲۶۳ لکھنؤ۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۳۸۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان (۳۶ھ) نے یہ اصول بیان فرمایا ہے:۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا ۔[1]

ترجمہ: دین کا جزوہ عمل جسے صحابہؓ نے دین نہیں سمجھا تم اسے دین سمجھ کر ہرگز نہ اپنانا۔

صحابہؓ کے اسلام پر پہلی واردات

صحابہؓ سب کے سب ہدایت کے ستارے تھے کوئی زیادہ چمکنے والا تھا کوئی مدھم لیکن ہر ایک کی پیروی میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ لیکن مسلمان جونہی عرب سے نکلے انہیں متوازی تہذیبوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان تہذیبوں میں ایسی تہذیبیں بھی تھیں جن کے پیچھے یہود و نصاریٰ کی سازشیں تھیں۔ یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود مختلف ادیان کے حامل اور مختلف تہذیبوں کے داعی تھے ان کے زیر اثر مسلمانوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف بغاوتیں اٹھیں اور سیاسی اختلاف نے پھر نظری اختلافات کی شکل اختیار کرلی صحابہؓ کی راہ سے جدا ہونے والے بدعتی فرقے علیحدہ علیحدہ شکلیں اختیار کرگئے جو لوگ صحابہؓ کی راہ پر چلے وہ تابعین (پہلوں کی پیروی کرنے والے) کہلائے سو جو ان کی راہ پر نہ چلا گو اس نے بعض صحابہؓ کی زیارت بھی کی ہو وہ تابعین میں شمار نہیں ہوگا۔ تابعین وہی ہیں جو صحابہؓ کی راہ پر چلے اور تبع تابعین بھی صرف وہی ہیں جو ان تابعین کی راہ پر چلے ہوں اور انہوں نے اس مسلسل سلسلہ سے انحراف نہ کیا ہو۔

صحابہؓ کے دور میں جو بدعتی قائم ہوئے ان میں معبد الجہنی، واصل بن عطا، ابو الہذیل، جہم بن صفوان، غیلان اور ہشام بن حکم سے کون واقف نہیں یہ اس دور میں ہونے کے باوجود تابعین میں سے نہیں ہیں اور جو شخص اس دور کے بدعتی قائدین کو صف تابعین میں شمار کرتا ہے وہ اس نام کی لفظی دلالت سے بے خبر ہے

یہ بدعتی فرقے معتزلہ جبریہ، قدریہ، روافض، خوارج اور حشویہ و مرجئہ کے

---

[1] الاعتصام ج ۱ ص۵۴

کے ناموں سے جانے جانے لگے یہ لوگ بدعت فی العقائد کے موجب ہوئے اور ان کے مقابل صحابہؓ کی پیروی کرنے والے اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے جانے جانے لگے اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بھی فرقہ نہ تھا اہل السنۃ اور اہل بدعت اس دور کے متقابل الفاظ ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بدعت فی الاعمال نے ابھی کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی جو فرقے بنے وہ بدعت فی العقائد پر بنے تھے۔ امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة
قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اہل السنة
فیوخذ حدیثھم وینظر الی اہل البدع فلا
یوخذ حدیثھم[1]

(ترجمہ) پہلے لوگ اسناد کے بارے میں پوچھے نہ جاتے تھے جب اعتقادی فتنے پیدا ہوئے تو لوگ اب پوچھنے لگے اپنے راویوں کا نام لو پھر اہل سنت کو دیکھا جائے ان کی حدیث قبول کر لی جائے اور اہل بدعت کی روایت قبول نہ کی جائے۔

یہاں اہل بدعت سے مراد بدعت فی العقائد کے مجرمین ہیں۔ بدعت فی الاعمال کے معتقدین جیسی ابھی ان لوگوں نے کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ جہاں کسی نے بدعت کی صورت اختیار کی صحابہ انہیں ڈانٹ دیتے تھے اور بس ——— کوئی شخص ان کی حمایت میں نہ نکلتا تھا کہ اس میں حرج کیا ہے؟ تم منع کی دلیل لاؤ۔ اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھا ——— حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ حلقہ ذکر بنائے بدعت میں ملوث دیکھا تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور مسجد سے نکال دیا اس وقت اہل السنۃ کے دائرہ میں علمائے سوء نے کوئی جگہ نہ پائی تھی جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے منع کی دلیل پوچھتے اور کہتے اس میں حرج کیا ہے؟ سنن دارمی میں ہے:

صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد

---

[1] صحیح مسلم مقدمہ ص۱۱۔

يهللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم جهرًا
فقال لهم ما اراكم الا مبتدعين [1]۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک جماعت کی جماعت کو مسجد سے نکال دیا یہ لوگ اونچی آواز سے کلمہ شریف اور درود پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا تم تو بدعتی ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بدعت فی العقائد، بدعت فی الاعمال سے زیادہ سخت [2] ہے۔ بدعت فی العقائد عام طور پر کفر کی سرحدوں کو چھوتی ہے۔ لیکن بدعت فی الاعمال جہالت کے اندھیروں میں چلتی ہے بدعت فی العقائد کے حق میں دلائل دینے والے تو اسی دور میں پیدا ہو گئے تھے لیکن بدعت فی الاعمال کو علمی استناد مہیا کرنے والے اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کہیں ایک گروہ کی صورت میں نہیں ملتے نہ ان کی کوئی جمعیت العلماء ان ادوار میں کہیں پائی گئی ہے مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی پچاس سالہ محنت سے اہل السنۃ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔

مولانا احمد رضا خاں کے سوانح نگار قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں :-

مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جد و جہد میں منہمک رہے
یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی [3]

سواد اعظم کے قلعہ میں یہ پہلا شگاف آیا اور بریلویت ایک مستقل فرقہ کی صورت میں سامنے آئی اس معرکہ آرائی میں انہوں نے دوسروں کا نام دیوبندی رکھا حالانکہ وہ کبھی ایک فرقہ ہونے کے مدعی نہ ہوئے تھے نہ انہوں نے اہل سنت ہی تھے لیکن بریلویوں نے انہیں ایک فرقہ کے طور پر ہی متعارف کیا بدعت فی العقائد کی صفیں تو پہلے ہی مختلف ناموں سے اہل سنت سے جدا ہو چکی تھیں لیکن اہل سنت کہلا کر بدعات کی آبیاری یہ ایک

---

[1] سنن دارمی مشکوٰۃ شامی ج ۵ ص ۴۲
[2] فاسق من حیث الاعتقاد و فاسق من الفاسق من حیث العمل حلبی کبیر ص۵۱۵ [3] سوانح اعلیٰحضرت ص

جہالت کی آندھی تھی جو بدایوں سے چلی اور حزب الاحناف لاہور آکر رک گئی درمیان میں جو بھی اس کی لپیٹ میں آیا وہاں اس نئے مذہب کے نقش ابھرتے گئے مولانا احمد رضا خاں نے اہل بدعت کو ایک مستقل فرقہ کی شکل میں لا کھڑا کیا اور بنا اصل الاصول یہ ٹھہرایا کہ ہر وہ طریق عبادت جس پر شرع میں منع وارد نہیں اسے رضاء اپنی سمجھ کر اختیار کرنا بالکل جائز ہے ضروری نہیں کہ وہ طریقہ خیر القرون سے منقول ہو منع نہ ہونا اس کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے جو لوگ کہتے ہیں ان اعمال کی صحابہ کرام سے سند لاؤ وہ سب گمراہ ہیں اور دیوبندکا ہیں ان سے بچو۔

حضرت علی ہجویریؒ لاہوری (۴۶۵ھ) کا اعلان حق آپ سن آئے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی مختار کل نہیں کہ جو چاہے کر سکے توحید کلی اختیار کرو اور اسباب کے ماسوا جو بھی مانگو اللہ تعالیٰ سے مانگو آپ کا یہ سبق بدعت فی العقائد کے مجرمین کو نہیں بدعت فی الطاعات کے مرتکبین کو بھی ہے جو اس وقت اہل حق سے نسبت رکھتے ہوئے بدعات کی دلدل میں پھنس رہے تھے جہاں لوگ جاتے تو دیکھے جاتے ہیں لیکن واپس آتا کوئی کوئی خوش قسمت دیکھا جاتا ہے[1]

حضرت علی ہجویریؒ کی یہ صدا پانچویں صدی کی ہے۔ ۴۸۰ھ میں نماز رغائب کی بدعت بیت المقدس میں جاری ہو چکی تھی بدعتی لوگ ۲۷ رجب کو جماعت سے سو رکعت نفل پڑھتے تھے علماء حق اس بدعت کے خلاف کوشاں رہے یہ بدعت ساتویں صدی کے آخر تک جاری رہی اس وقت علماء حق کے سامنے کسی نے یہ استدلال نہ کیا کہ حضورؐ نے اس سے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ عبادات میں بھی اصل اباحت ہے۔

---

[1] حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ تحیل ان توبة المبتدع غیر مقبولة وفیئته الی الحق غیر مأمولة (دیکھئے تبیین کذب المفتری ص ۲۲) ترجمہ کہا گیا ہے کہ بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور اس کا حق کی طرف لوٹ آنا اس کی امید نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر رحم کرے تو یہ عمل دیگر ہے۔

سیدنا ملا علی قاری لکھتے ہیں اس وقت کے بعض اولیاء اللہ بدعات کے اس شیوع کو دیکھ کر زمین میں دھنس جانے کا خطرہ محسوس کرنے لگے تھے[1] حضرت علی ہجویری کی یہ آواز اسی دور کی ہے۔ اہل حق کے ہاں یہ کوئی معیار نہ تھا کہ اس کے منع پر کوئی دلیل وارد نہ ہو وہ عبادات و طاعات میں صحابہؓ و تابعین کی راہیں دیکھتے تھے اور ان کے ہاں اہل سنت کا یہی مفہوم تھا کہ رضائے الٰہی کی طلب میں وہ سنت و جماعت کی راہ پر چلیں یہ چور دروازہ نہ نکالیں کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا۔

اب آئیے ذرا چھٹی صدی میں چلیں اور دیکھیں کہ کیا وہاں اس غلط اصول کا کہیں کوئی اشارہ ملتا ہے۔ جی نہیں۔ صاحب ھدایہ (۵۹۳ھ) اس صدی کے ہیں آپ بدعت فی الاعمال سے روکتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر
من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیہا
مع حرصہ علی الصلوٰۃ[2]

ترجمہ: اور فجر کا وقت ہو جائے تو دو سنتوں کے علاوہ کوئی نفل نہ پڑھے یہ مکروہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نماز سے اتنی وابستگی کے باوجود ان سنتوں پر کوئی اور نفل زیادہ نہیں کئے۔

خدا کا شکر ہے اس وقت مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ صاحب ہدایہ کو ٹوکتے اور کہتے تم منع دکھاؤ یہ بھی کوئی اصول ہے کہ حضورؐ یا صحابہؓ ایسا نہ کرتے تھے ہم اس اصول کو نہیں مانتے ہم بریلوی ہیں۔ آگے کسوف (سورج گرہن) کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

ولیس فی الکسوف خطبۃ لانہ لم ینقل[3]

کسوف میں خطبہ اس لئے نہیں کہ یہ حضورؐ اور صحابہؓ سے منقول نہیں۔ اس لئے نہیں کہ اس سے حضورؐ یا صحابہ کرامؓ نے روکا ہے کہاں گیا مولانا احمد رضا خاں کا اصل الاصول کہ تم منع کی

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۸۔

[2] ھدایہ ج ۱ ص ۸۰۔ [3] ھدایہ ص ۱۵۶۔

دلیل لاؤ پھر استسقاء کی بحث میں لکھتے ہیں کہ وقت دعا لوگ اپنی چادروں کو نہ اُلٹائیں کیونکہ یہ کہیں منقول نہیں کہ حضورؐ یا صحابہؓ نے اس کا امر کیا ہو۔

ولا یقلب القوم اردیتھم لانہ لم ینقل انہ امر

بذلک ۔ (ہدایہ ص ۱۵۷)

عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نوافل ممنوع ہیں اس لئے نہیں کہ حضورؐ نے ان سے منع فرمایا ہے بلکہ اس لئے کہ آپ نے نماز کے شوق و اخر کے باوجود عیدگاہ میں کبھی نوافل نہیں پڑھے۔ ولا یتنفل فی المصلیٰ قبل العید ..... لانہ علیہ السلام لم یفعلہ۔ [1]

اب آیئے ساتویں صدی میں جلیں امام نووی (۶۷۶ھ) تصدیق فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں قبر پرستی راہ پاچکی ہے اور مسلمان یہود و نصاریٰ کی راہ پر چل کر شرک و بدعت کی غار زرداری میں پھنس چکے ہیں حضورؐ نے فرمایا تھا یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا تھا [2] اور یہ بھی فرمایا تھا تم بھی پہلوں کی راہ پر چلو گے [3] یعنی اس امت میں بھی قبر پرستی راہ پاجائے گی۔ اس پر امام نووی لکھتے ہیں:

وفی ھذا معجزۃ ظاھرۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقد وقع ما اخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم [4]

(ترجمہ) اس خبر میں حضورؐ کا کھلا معجزہ ظاہر ہوا ہے کیونکہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔

حضورؐ کا غیب کی خبر دینا واقعی ایک معجزہ ہے کیونکہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ کوئی بھی جب غیب کی خبر دے تو وہ اللہ کے بتلائے بغیر نہیں ہو سکتی۔

یہاں یہود و نصاریٰ کی راہ پر چلنے سے مراد ان کی کفر میں موافقت نہیں بدعات و معاصی میں ان کی راہوں پر چلنا ہے اور بزرگوں کی قبروں کو شرک و بدعت کے مرکز بنانا ہے

[1] دیکھئے ہدایہ ص ۱۵۲ ۔ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۲ ۔ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۸۸
[4] شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۹

ہے یہ صحیح ہے کہ وہ افراط و تفریط کی راہوں سے راہ راست سے بھٹکے تھے اور ظاہر ہے کہ بریلوی آج ان کی راہوں پر ہی گامزن ہیں۔ آپ شرح مہذب میں بھی لکھتے ہیں:۔

یکرہ ان یقال فی الاذان حی علی خیر العمل
لانہ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
والزیادۃ فی الاذان مکروھۃ۔[1]

ترجمہ: مکروہ ہے کہ کوئی شخص اذان میں حی علی خیر العمل کہے کیونکہ یہ حضورؐ سے ثابت نہیں اور اذان میں کسی چیز کو داخل کرنا حرام کے قریب ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے کہیں حی علی خیر العمل کہنے سے یا اذان میں اضافہ کرنے سے منع کیا ہے؟ اگر نہیں تو امام نووی اسے کیوں مکروہ کہہ رہے ہیں اس وقت کسی نے نہ کہا کہ حضورؐ نے اس سے کہیں منع تو نہیں کیا۔

اب آیئے ذرا آٹھویں صدی میں چلیں اس دور میں کوئی قاعدہ کلیہ تھا کہ منع کی دلیل لاؤ ورنہ ہر بدعت کو جائز کرتے جاؤ بریلوی مذہب کی اصل آپ کو یہاں بھی نہ ملے گی۔ دین وہی ہے جو صحابہؓ اور تابعین سے ملے یا اس پر دلیل شرعی موجود ہو ــــــ یہ نہیں کہ صرف اس پر منع کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ علامہ فخر الدین الزیلعی (۷۴۳ھ) اس بحث میں کہ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہ؟ لکھتے ہیں کہ یہ بالاتفاق جائز نہیں مکروہ ہے گھر میں نماز عید سے پہلے نفل پڑھ سکتا ہے یا نہ اس میں کچھ اختلاف ہے جمہور اہل اسلام کے ہاں نماز سے پہلے یہ بھی مکروہ ہے اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی نفل مکروہ ہیں علامہ زیلعی اس کی دلیل یہ پیش کرتے

---

[1] ماخوذ از البحر الرائق ج ۱ ص ۲۷۵ ابن نجیم کا اسے نقل کرنا بتاتا ہے کہ اس مسئلہ پر حنفیہ اور شافعیہ دونوں متفق ہیں۔ عبادات میں کوئی اباحت اصلیہ کا قائل نہیں کہ حضورؐ نے اس سے کہیں منع تو نہیں کیا اس وقت بریلویوں کی یہ اصل اصیل وجود میں نہ آئی تھی نہ مولانا احمد رضا خاں اس وقت کہیں پیدا ہوئے تھے شرح مہذب میں اسے جلد ۳ صفحہ ۹۸ پر دیکھئے۔

ہیں۔ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خرج یوم الاضحیٰ فصلّی
رکعتین ولم یصل قبلھما ولا بعدھما [1]

ترجمہ: حضور عید کے دن نکلے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی نہ اس سے پہلے کوئی نفل پڑھے نہ بعد میں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں

ان البدعۃ المذمومۃ ھو المحدث فی الدین من
غیر ان یکون فی عھد الصحابۃ والتابعین
ولا دل علیہ الدلیل الشرعی [2]

ترجمہ: بری نئی بات وہ ہے جو دین میں پیدا کی جائے بغیر اس کے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے دور میں ہو اور اس پر کوئی شرعی دلیل بھی موجود نہ ہو۔

مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو پکار اٹھتے یہ کیا کہہ دیا ہے جو کہ جو بات دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور عہد صحابہ و تابعین میں نہ پائی جائے وہ بدعت ہے یہ غلط ہے بدعت صرف وہ ہے جس کے منع پر شریعت میں دلیل موجود ہو جس کا نہ شریعت نے حکم دیا نہ منع کیا وہ سب کام جائز ہیں۔

امام حنبلی کے علامہ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) بھی لکھتے ہیں۔

اما المراد بالبدعۃ ما احدث مما لا اصل لہ فی
الشریعۃ یدل علیہ [3]

ترجمہ: بدعت وہ عمل ہے جو نئے سرے سے قائم کیا جائے جس کی شریعت میں کوئی اصل۔ نہ جو اس پر دلالت کرتی ہو۔

کسی نے بھی بدعت کی یہ تعریف نہیں کی کہ جس کے منع پر شریعت میں دلیل وارد ہو وہاں ہی صرف وہی کام ناجائز ہے جس سے منع کیا گیا ہو عبادات کے جو نقشے تم وضع کرو

---

[1] تبیین الحقائق ص ۲۲۵ ج ۱، [2] شرح مقاصد ص ۲۷۱ ج ۲ [3] جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳

اگر شریعت میں ان سے منع کیا گیا تو سب جائز ہوں گے یہ کیوں کہتے ہو صرف وہی کام دین کے نام پر کئے جا سکتے ہیں جو حضور یا صحابہؓ اور تابعین سے منقول ہوں پہلوں کے مطابق چلتا یہ دین کا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ استغفر اللہ۔

یہ آٹھویں صدی کی شہادت ہے دیکھا جائے تو شریعت میں کوئی چیز مسکوت عنہ ہے ہی نہیں آٹھویں صدی کے مشہور محقق علامہ شاطبیؒ مالکی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں۔

اذ لیس ثمّ مسکوت عنہ بحال بل ھو اما منصوص

واما مقیس علی منصوص والقیاس من جملہ الادلۃ الشرعیۃ

فلا نازلۃ الا ولہا فی الشریعۃ محل حکم فانتفی

المسکوت عنہ اذاً [1]

(ترجمہ) کیونکہ دین میں کوئی مسئلہ اب ایسا نہیں جس پر سکوت ہو ہر مسئلہ یا منصوص ہے۔ (قرآن وحدیث میں) یا کسی منصوص پر قیاس شدہ ہے (فقہ میں) اور قیاس خود ادلہ شرعیہ میں سے ہے سو کوئی ضرورت ایسی نہیں پڑتی مگر اس کے لئے شریعت میں حکم موجود ہے (قرآن وحدیث سے ہو یا فقہ سے) سو امر مسکوت عنہ سرے سے جاتا رہا کوئی مسئلہ ایسا ہی نہیں جس میں شریعت ساکت ہو۔

اب ذرا نویں صدی میں چلئے حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

والبدعۃ فی الاصل احداث امر لم یکن فی

زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2]

(ترجمہ) بدعت اصل میں اس (دین) کام کی ایجاد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو

خدا کا شکر ہے اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھے جو علامہ عینیؒ کا گلا پکڑتے کہ بدعت کی یہ تعریف صحیح نہیں بدعت صرف وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو جو کام

---

[1] الموافقات ج ۱ ص ۱۴۳ ۔ [2] عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۵۶

شریعت میں ثابت نہ ہو لیکن اس سے منع بھی نہ کیا گیا ہو وہ بدعت نہیں۔ ہو سکتا بریلوی بھتے ہوں گے علامہ عینی مولانا احمد رضا خاں کو کوئی جواب نہ دے سکتے اگر مسئلہ خانصاحب پر بیان کرتے یہ راز شاید پہلے کے کسی محدث اور فقیہ پر نہ کھلا ہو۔

صبح کی نماز سے پہلے کسی کو نماز کے لئے اٹھانا یا سحری کے لئے اٹھانا اذان کے کلمات سے نہیں ہوتا تھا ظاہر ہے کہ اس میں شریعت میں کسی اضافے کا گمان نہیں اور شریعت نے اس سے منع بھی نہیں کیا مگر اس عمل نے جب یہ صورت اختیار کر لی کہ اسے ایک مسئلہ سمجھا جانے لگا تو علامہ عینی پکار اٹھے کہ یہ بدعت ہے آپ لکھتے ہیں :۔

ان النداء قبل الفجر لم یکن بالفاظ الاذان وانما کان تذکیرا او تسحیرا کما یقع للناس الیوم وھذا مردود لان الذی یصنعه الناس الیوم محدث قطعا وقد تظافرت الطرق علی التعبیر بلفظ الاذان فحمله علی معناه الشرعی مقدم قلت لفظ الاذان یتناول معناه اللغوی والشرعی [1]

(ترجمہ، فجر سے پہلے اعلام اذان کے الفاظ سے تھا یہ محض یاد دلانے یا سحری کے لئے تھا جیسا کہ لوگوں میں یہ آج بھی رائج ہے یہ بات لائق قبول نہیں آج کل لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ قطعا بدعت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں :۔

الاذان معناہ الاعلام لغة وخصه الشارع بالفاظ مخصوصة فی اوقات مخصوصة فاذا وجدت وجد الاذان وما زاد علی ذلك من قول اوفعل او ھیئة یکون من مکملاته ویوجد الاذان من دونھا ولوکان علی ما اطلق لکان ما احدث من التسبیح قبل الصبح و قبل الجمعة ومن الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم من جملة الاذان ولیس کذلك لا لغة ولا شرعا [2]

(ترجمہ) اذان لغۃ اطلاع دینے کو کہتے ہیں حضور نے اسے مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ سے خاص کیا ہے جب یہ کلمات پائے جائیں گے اذان ثابت ہو گی اس سے زیادہ جو بھی ہو وہ اس کے مکملات میں سے ہو گا اور اذان ان کے بغیر وجود پا جائے گی۔ اور اگر یہ بات مطلق ہوتی تو صبح کی اذان سے پہلے اور جمعہ سے پہلے حضور پر درود و سلام پڑھنے کی جو رسم قائم کی گئی ہے وہ اذان ہی سمجھی جائے گی اور بات اس طرح نہیں ہے۔

---

[1] عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۱۳۵ [2] فتح الباری ج ۲ ص ۶۳

اب دسویں صدی میں چلیے دسویں صدی کے جلیل القدر محدث اور محقق الفکر فقیہ علامہ حلبی (۹۵۶ھ) سے پوچھا گیا تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد مقتدی اپنی دو رکعت اکیلے پڑھے اور پھر امام کے ساتھ اگلی دو رکعت میں مل جایا کرے تو یہ کیسا ہے کیا یہ جائز ہے؟ ظاہر ہے کہ شریعت میں اس عمل کے لئے کوئی منع وارد نہیں مولانا احمد رضا خاں کے مذہب پر تو یہ جائز ہونا چاہیئے کیونکہ شرع نے اس سے منع تو نہیں فرمایا لیکن حنفیہ کے ہاں یہ بدعت ہے کیونکہ صحابہ ایسا نہ کرتے تھے علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں :-

ادخال ما لیس بعبادة فی العبادة مکروه ومن المکروه ما یفعله بعض الجهال من صلوٰة رکعتین منفرداً بعد کل رکعتین لانها بدعة [1]

(ترجمہ) جو چیز شرعاً عبادت نہیں اسے عبادت میں داخل کرنا (عبادت ٹھہرانا) مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے) اور یہ جو بعض جاہل لوگ ہر دو رکعت تراویح کے بعد اپنی دو رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں یہ بھی حرام کے قریب ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔

شریعت میں اس سے روکا تو نہیں گیا تھا نہ اس پر کوئی منع وارد تھی پھر فقہائے حنفیہ اسے بدعت کیوں ٹھہرا رہے ہیں۔؟

قبر پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے ظاہر ہے کہ شریعت نے اسے نہ مسنون بتایا ہے نہ اس سے منع کیا ہے۔۔۔ اس کے منع پر شریعت میں کوئی دلیل وارد نہیں سو مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب میں یہ جائز ہونا چاہیئے تھا لیکن احناف کے ہاں اسے صریح لفظوں میں بدعت کہا گیا ہے علامہ حلبی لکھتے ہیں :-

ولا شک انه بدعة لا سنة فیه ولا اثر عن صحابی ولا عن امام ممن یعتمد علیه فیکره [2]

(ترجمہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بدعت ہے اس میں نہ کوئی سنت کا ثبوت ہے نہ کسی صحابی سے ماثور ہے اور نہ کسی امام سے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو سو یہ عمل مکروہ ہوگا

---

[1] حلبی کبیر ص۴۰۴ [2] ایضاً ص۶۰۸

اسلام میں سجدے پانچ ہیں (۱) سجدہ فرض (۲) سجدہ سہو (۳) سجدہ تلاوت (۴) سجدہ نذر (۵) سجدہ شکر، سجدہ شکر کسی حصول نعمت یا دفع مصیبت کے لئے مستحب کہا گیا ہے لیکن اس کے بغیر ہو تو یہ نہ عبادت ہے نہ مکروہ ہے۔ شریعت نے اس سے روکا نہیں لیکن عوام اگر اسے ضروری یا مسنون سمجھنے لگیں تو یہ بھی مکروہ ہو جائے گا ظاہر ہے کہ شریعت میں اس سجدہ شکر پر کہیں منع وارد نہیں لیکن لوگ اگر اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں تو پھر یہ مباح بھی نہیں رہتا نہ مولانا احمد رضا خاں کو یہ کہنے کا حق ہے کہ منع کی دلیل پیش کرو شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا علامہ حلبی (۹۵۶ھ) میں لکھتے ہیں

امّا بغیر سبب فلیس بقربۃ ولا مکروہ وما یفعل
عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقدونہا
سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ[1]

(ترجمہ) لیکن بغیر کسی سبب نعمت کے ہو تو یہ نہ عبادت ہے اور نہ (اپنی ذات میں) مکروہ اور یہ جو لوگ نماز کے بعد سجدہ کرتے ہیں تو یہ مکروہ ہے کیونکہ جاہل اسے سنت یا واجب سمجھنے لگے ہیں اور ہر مباح جو سنت یا واجب سمجھا جانے لگے مکروہ ہو جاتا ہے مباح نہیں رہتا

یہ سجدہ شکر کے بارے میں ہے باقی چار سجدے، سجدہ نماز، سجدہ تلاوت، سجدہ سہو اور سجدہ نذر ہیں۔ یہ کل پانچ قسم کے سجدے ہوئے ان میں کوئی بحث نہیں۔ مگر معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں سجدہ نذر کا انکار کیوں کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

سجدہ چار قسم ہیں (۱) سجدہ نماز (۲) سجدہ تلاوت (۳) سجدہ سہو (۴) سجدہ شکر[2]

شاید یہ اس لئے ہو کہ سجدہ تو کسی نیت سے بھی اللہ کے سوا جائز نہیں مگر نذر لغیر اللہ کے لئے یہ دروازہ کھولنا اس مسلک میں ضروری تھا اس لئے آپ نے سرے سے سجدہ نذر کا انکار کر دیا ہو ـــــــ قبر کے پاس سونا اور وہاں قضائے حاجت بیٹھنا مکروہ ہے اس کے ساتھ ہر وہ عمل جو مسنون و معہود نہیں مکروہ ہے کہاں گئے یہ شور اٹھانے والے کہ منع تو نہیں کیا منع کی دلیل پیش کرو اس پر علامہ حلبی لکھتے ہیں۔

---

[1] حلبی ص۶۱۶۔ [2] ملفوظات حصہ اول ص۹۸۔

ویکرہ النوم عند القبر ..... وکل مالم یعہد
فی السنۃ والمعہود منہا لیس الا زیارتہا [1]

ترجمہ، قبر کے پاس سونا مکروہ ہے .... اور ہر وہ چیز جو سُنت سے ثابت نہیں
یہاں مکروہ ہے اور جو ثابت ہے وہ صرف زیارت ہے اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر
دُعا کرنا جائز ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتے تھے جب آپ بقیع تشریف لے جاتے تھے

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات میں اصل اتباع ہے یہ نہیں کہ اس کے
خلاف کوئی منع وارد نہ ہو دنیا کی چیزوں میں تو یہ بات ہو سکتی ہے کہ اصل اباحت ہو لیکن
عبادات میں اصل حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کی پیروی ہے اتباع سے تھوڑا
عمل بھی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند آتا ہے بمقابلہ اس عمل کے جسے کوئی شخص اپنی پسند سے
اختیار کرے علامہ حلبی لکھتے ہیں:۔

والکمال لا یحصل بمجرد المشقۃ مالم یکن فیہا
اتباع سنۃ وھو المراد بنحو افضل الاعمال احمزہا
ولم یرو انہ علیہ الصلوۃ والسلام زاد علی
ثمان بتسلیمۃ واحدۃ فلا یکون فیہ
اتباع سنۃ فیکون مکروھا وان کان مشقا
وھذا ھو الاصل ذلک من فعل یسیر یزید ثوابہ بما فیہ
من اتباع السنۃ علی فعل اشق منہ باضعاف لخلوہ
عن الاتباع [2]

ترجمہ، اور کمال صرف ریاضت سے نہیں ملتا جب تک کہ اس میں سُنت کی اتباع
نہ ہو اور افضل الاعمال احمزہا جیسے فرامین سے یہی مُراد ہے اور حضورؐ سے یہ کہیں نہیں ملتا
کہ آپ نے کبھی ایک سلام سے آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں پڑھی ہوں پس اس زیادتی
میں اتباعِ سنت نہ پائی جائے گی اور یہ عمل مکروہ قرار پائے گا اگرچہ اسمیں مشقت زیادہ ہوگی۔

---

[1] غنیۃ المستملی ص ۶۰۹ [2] حلبی کبیر ص ۴۰۵

دین میں یہی اصل ہے کہ سنت کی اتباع کی جائے، کتنے ہی فعل ہیں جو عملاً آسان ہیں اور ان کا ثبوت ان کاموں سے کئی گنا زیادہ ہے جو اُن سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ان پہلے کاموں میں اتباعِ سنت ہے اور دوسرے (زیادہ سخت) کام اتباعِ سُنت سے خالی ہیں۔

اب آپ ہی کہیں عبادات میں اصل کیا ہے؟ نقل ہے یا وہ دین و مذہب جو مولانا احمد رضا خاں نے ایجاد کیا کہ سلف صالحین کے طریقے کی بات نہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا۔ علامہ حلبی نے هذا هو الاصل کہہ کر علمائے دیوبند کی تائید کی ہے یا مولانا احمد رضا خاں کی؟ یہ آپ سوچیں۔

علامہ ابن نجیم (۹۷۹ھ) بھی اسی صدی کے ہیں آپ لکھتے ہیں حضرت علیؓ نے مسجد میں اذان کے بعد کسی شخص کو نماز کی دعوت دیتے دیکھا تو فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

ان علیاً رای موذنا یثوب فی العشاء فقال
اخرجوا هذا المبتدع من المسجد[1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے دیکھا ایک موذن عشاء کے وقت (اذان کے بعد) پھر سے نماز کے لئے بلا رہا ہے آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں اذان کے بعد نماز کے اس بلاوے سے روکا ہے شریعت میں اس پر کہیں منع وارد نہیں اگر نہیں تو پھر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے کیوں منع کیا۔ بریلوی افسوس کرتے ہیں کہ اس وقت مولانا احمد رضا خاں موجود نہ تھے وہ ہوتے تو ان دونوں حضرات کو بھی بتاتے کہ دین کیا ہے۔ دونوں صحابیوں کو ٹوکتے کہ تم منع کی دلیل لاؤ ـــــ ہم سے اس عمل کا ثبوت کیوں پوچھتے ہو؟

یہ اسلام کی دس صدیوں کا نقشہ آپ کے سامنے ہے اس میں کہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ جن امور سے شریعت ساکت ہے ان میں اصل اباحت ہے ـــــ آپ جو چاہیں کرتے جائیں اور کوئی بدعت نہ بتلائے اور اگر کوئی کہے تو فوراً کہہ دو کہ اس سے منع تو نہیں کیا ـــــ

---

[1] البحرالرائق ج ۱ ص ۲۶۵۔

علامہ ابن نجیم پھر فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے مزید تائید سے لکھتے ہیں :

لا یمنع من ذکر اللہ بای شیٔ الالفاظ فی شیٔ من الاوقات
بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ فقال ابوحنیفۃ رفع
الصوت بالذکر بدعۃ ویخالف الامر من قولہ
تعالٰی واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون
الجہر من القول فیقتصر علی مورد الشرع ...... لان
ذکر اللہ تعالٰی اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون
وقت اوبشیٔ دون شیٔ لم یکن مشروعاً حیث
لم یرد بہ الشرع ...... فالحاصل ان الجہر
بالتکبیر بدعۃ فی کل وقت الا فی المواضع المستثناۃ
...... وتمنع الصوفیۃ من رفع الصوت والصفق
وصرح بحرمتہ العینی فی شرح التحفۃ وشنع علی من
یفعلہ مدعیاً انہ من الصوفیۃ [۱]

(ترجمہ) اللہ کے ذکر سے چاہے کن لفظوں میں ہو اور کسی بھی وقت ہو روکا نہ جائے ہاں اسے
اس طرح کرنا کہ بدعت بن جائے یہ ممنوع ہے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اُونچی آواز سے ذکر کرنا
بدعت ہے اور اللہ تعالٰی کے اس حکم کے خلاف ہے کہ "اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرتا رہ
عاجزی اور خیفت سے ...... اور یہ کہ جہر نہ ہونے پائے زبان سے (پ الاعراف آخر) پس جہاں
کہیں ذکر جہراً ثابت ہوگا اسے اسکے اس مورد پر خاص رکھا جائے گا (اس سے اسے عام کرنے
کی راہ نہ کھلے گی) ...... اللہ کا ذکر اگر کسی خاص وقت کے ساتھ مقصود بنایا جائے کہ اور
وقت میں یہ نہ ہوسکے یا ذکر میں کسی خاص وظیفے کو لازم کیا جائے تو یہ جائز نہ رہے گا کیونکہ اس
(خاص تخصیص) پر شریعت وارد نہیں ہوئی ...... سو حاصل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر

---

[۱] البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۲ .

کہنا کسی بھی وقت ہو بدعت ہے سوائے ان مقامات کے جہاں پر جہر ثابت ہے (وہ مواضع مستثنیٰ سمجھے جائیں گے) صوفی قسم کے لوگوں کو ذکر میں آواز بلند کرنے سے اور ہاتھ بجانے سے منع کیا جائے گا علامہ عینی نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور جو لوگ اسے اس زعم میں کرتے ہیں کہ وہ صوفی ہیں ان کی بڑی تشنیع اور توضیح کی ہے

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری بھی لکھتے ہیں:-

فما یفعلہ المؤذنون الآن عقب الاذان
من الاعلان بالصلوٰۃ والسلام مرارًا اصلاسنۃ
والکیفیۃ بدعۃ لان رفع الصوت فی المسجد
ولو بالذکر فیہ کراھۃ لہ

(ترجمہ) سو آج کل جو موذن اذان کے عقب میں بار بار صلوٰۃ وسلام ملاتے ہیں، سو صلوٰۃ وسلام کی اصل تو سنت تھی لیکن یہ کیفیت (کہ اسے اذان کے ساتھ پڑھا جائے اور بلند آواز سے پڑھا جائے) بدعت ہے کیونکہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا وہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو بالکل مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے)

پھر فرماتے ہیں:-

المانع لا یطلب منہ الدلیل ؎

(ترجمہ) جو شخص کسی عمل سے روکنے والا ہو اس سے (منع کی) دلیل نہ پوچھی جائے گی.

دلیل قائم کرنا مدعی کا کام ہوتا ہے وہی اثبات مدعا کے درپے ہوتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ اپنے دعوے پر دلیل لائے جو شخص کہے کہ اس عمل کا کہیں ثبوت نہیں اسے کہنا کہ تم منع کی دلیل لاؤ یہ اس اصول کے خلاف ہے جو سیدنا ملا علی قاری نے بیان کیا ہے مولانا احمد رضا خاں کے اس مذہب کی کہ منع کرنے والے سے دلیل مانگو کوئی اہل علم تائید نہیں کرتا ملا علی قاری ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:-

---

ؔ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ صفحہ ؎ مرقات ج ۵ صفحہ ۱۳۶

وما احدث في ليلة النصف من شعبان الصلوٰة الالفية...... وكان للعوام بهذه الصلاة افتنان عظيم حتى التزم بسببها كثرة الوقيد وترتب عليه من الفسوق وانتهاك المحارم ما يغني عن وصفه حتى خشي الاولياء من الخسف وهربوا فيها الى البراري واول حدوث هذه الصلاة ببيت المقدس سنة ثمان واربعين واربعمائة ثاني وقد جعلها جهلة ائمة المساجد مع صلوٰة الرغائب ونحوها شبكة لجمع العوام وطلباً لرياسة التقدم وتحصيل الحطام ثم انه اقام الله ائمة الهدى في سعي ابطالها...... وقد انكر الطرطوسي الاجتماع ليلة الختم في التراويح ونصب المنابر وبين انه بدعة منكرة قلت رحمه الله ما افطنه ثم

(ترجمہ) اور یہ جو لوگوں نے شب برات میں صلوٰۃ الفیہ کی بدعت نکالی سب عوام اس سے بڑے فتنے کا شکار ہو گئے ہیں اس سے کثرت چراغاں لازم ٹھہرائی جانے لگی ہے اور اس پر وہ فسق اور انتہاک حرمت عمل میں آ رہے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا بعض اولیاء اللہ ڈرنے لگے ہیں کہ کہیں زمین نہ دھنس جائے اور انہوں نے جنگلوں کے رُخ اختیار کر لئے ہیں اور صلوٰۃ الفیہ کی بدعت پہلے بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں قائم ہوئی اور جاہل ائمہ مساجد اسے صلوٰۃ الرغائب کے ساتھ ملانے لگے ہیں ایسے انہوں نے عوام کو اپنے گرد جمع کرنے کا ایک جال اور اپنی سرداری قائم کرنے اور مال دنیا اکٹھا کرنے کا ایک حیلہ تیار رکھا ہے پھر اللہ تعالے نے علما ہدی کو کھڑا کر دیا کہ وہ ان بدعات کا ابطال کریں اور علامہ طرطوسی نے تراویح کے ختم پر اجتماع کرنے اور اس موقعہ پر منبروں کے مسجدوں میں نصب کرنے کو منکرات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت منکرہ ہے میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے کتنی سمجھ کی بات کہہ گئے ہیں۔

لہ مرقات ج ۲ صفحہ ۱۹۸

اب آپ سوچیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دین و مذہب کی جو اصل قائم کی ہے کہ اس سے شریعت نے روکا نہ ہو اور اس پر شریعت نے کوئی منع وارد نہ کی ہو وہ سب طریقہ مذہب میں داخل کئے جا سکتے ہیں کتنی بے بنیاد اور بے اصل بات ہے اباحت اصلیہ کی بحث ہم انشاء اللہ العزیز آگے چل کر کریں گے یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر جس کی آپ نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی آپ کے شاگردوں نے اس پر کیا کیا گل کھلائے ہیں ان کے مفتی احمد یار صاحب گجراتی میلاد و قیام تعظیمی تیجا، دسواں گیارہویں بارہویں، چالیسواں وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے[1]

چونکہ اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں[2]

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اسی طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ اور رکوع ؛ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر کرنا چاہیے دیکھو کلوا واشربوا میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو تو بریانی، زردہ، قورمہ سب ہی حلال ہوا خیر القرون میں ہو یا نہ ہو ایسے ہی تو فقروہ دتم اس نبی پاک کی عزت کرو کا امر مطلق ہے خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو سکے[3]

بات عبادات کی ہو رہی ہے کہ جو چیز نموناً عبادت نہیں اسے عبادت سمجھ کر یا ثواب سمجھ کر عمل میں لانا اس کا ثبوت خیر القرون سے چاہیئے۔ عبادات اور طاعات میں نقل اصل ہے یا یہی بات کہ منع تو نہیں کیا ——— بات مسائل کی ہو رہی تھی۔ بریانی اور قورمے کی نہیں مگر بریلوی مفتی عجیب ہیں موقع ہو یا نہ ہو ہر جگہ بریانی اور قورمے کی بحث لے آتے ہیں اور ختموں کی رونق پر محض اس لئے دلائل قائم کئے جاتے ہیں کہ ان میں بریانی، زردہ اور قورمہ عام ہوتا ہے جو مفتی صاحب کے دل کی جان ہے

---

[1] جاء الحق صہ ۲۳۰ [2] جاء الحق صہ ۲۵۴ [3] جاء الحق صہ ۲۵۴

یہاں مفتی صاحب نے اپنا بریلوی عقیدہ بالکل کھول دیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں جو طریق چاہیں وضع کر سکتے ہیں۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو ہم پر اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

قارئین کرام مطالعہ بریلویت کا یہ مقام نازک موڑ ہے اسے نوٹ کریں اور پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ دین کو خیر القرون سے لینے والے اہل السنۃ والجماعۃ ہیں یا خیر القرون سے جان چھڑانے والے۔ اور کیا نبیوں اور ولیوں کی تعظیم و تکریم کے طریقے خود گھڑنے والے کسی طرح اہل سنت ہو سکتے ہیں ؟ فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون۔

اپنے طریق (جن سے خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو) گھڑنے والوں کو اہل بدعت تو کہا جا سکتا ہے اہل سنت نہیں۔ سنت وہی ہے جو خیر القرون سے اگلوں تک پہنچے، نہ یہ کہ اسے مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیروؤں کی پسند اور ناپسند پر چھوڑ دیا جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس کے جواب میں کہتے ہیں :۔

سنت یہی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کے صحابہ سے منقول ہو نہ اس میں خیر القرون کی شرط ہے ہم جو طریقے قائم کر جائیں وہ بھی سنت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم جیسے ہر امتی کو اچھے مقاصد کے لیے نئی نئی سنتیں قائم کرنے کا حق دیا ہے کیا شافع روز جزا نہیں فرما گئے ہیں من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا۔

کیا یہ حکم عام نہیں اور کیا ہم اس عام میں داخل نہیں ؟ سو ہمارے قائم کردہ طریقے گو وہ خیر القرون سے ثابت نہ ہوں سب کے سب سنت ہیں ہم اس تفصیل کی رو سے اہل سنت ہیں نہ یہ کہ ہمارا ایک ایک دینی کام سنت سے ثابت ہو[1]

---

[1] استبدار طیب صہ ۱۹ آپ نے تقویۃ الایمان کے رد میں جو کتاب لکھی یہ اسکا اشتہار ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم یہاں اس حدیث کی کچھ شرح کردیں جو مفتی صاحب نے پیش کی ہے۔ امام مسلمؒ نے اسے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے بعد ہم حدیث ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن کی بھی کچھ شرح عرض کریں گے۔

گو مفتی صاحب نے یہاں وہ پیش نہیں کی لیکن مفتی احمد یار صاحب گجراتی بار بار اس سے اپنی بدعات کے حق میں استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کی بھی کچھ تشریح کی جائے گی کہ یہ امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی

شرح حدیث حضرت جریر بن عبداللہؓ۔ دربارِ سنت اسلام

حضرت جریر (۵۱ ھ) کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیٔ ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیٔ[۱]

(ترجمہ) جس نے اسلام کے اندر کوئی اچھی بات قائم کی اسے اس کا بھی ثواب ملے اور جس جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا ان کا ثواب بھی اسے ملے گا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام کے اندر کوئی بُری راہ قائم کی اس پر اس کا بھی بوجھ ہوگا اور جس جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا ان کا بوجھ بھی اس پر ہوگا، بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

اس حدیث میں دونوں جگہ فی الاسلام کے لفظ وارد ہیں، اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے جو انسانی ضرورت کے تمام دائرں کو شامل ہے اس میں کسی نئی چیز کے داخل کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کسی مسئلے کو انسانی سوسائٹی سے نکالا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی اضافے کی گنجائش ہے نہ کمی میں آئے کوئی نسخ وارد ہے نہ کوئی ثبوت

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

صادر ہے۔ سو فی الاسلام سے دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ اس کا اچھا ہونا یا بُرا ہونا پہلے سے اسلام میں واضح اور ثابت ہے مثلاً نماز کا فرض ہونا یا شراب کا حرام ہونا دین اسلام میں پہلے سے ثابت اور واضح ہے اب اگر کوئی شخص کسی ایسے معاشرے میں رہتا ہے جہاں کے لوگ دین سے غافل ہو چکے ہیں وہ اس سوسائٹی میں نماز قائم کرتا ہے اور کچھ دوسرے لوگ بھی اسے دیکھ کر نماز پڑھنے لگتے ہیں تو اس نے اپنی نماز کو ان کی نمازوں کا ثواب بھی پالیا۔ اور اگر کوئی شخص کسی سوسائٹی میں شراب پینے کی طرح ڈالتا ہے تو اسے اپنے عمل اور ان تمام لوگوں کے عمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث میں فی الاسلام کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس عمل کا حسن یا سیئ ہونا اچھا یا بُرا ہونا پہلے سے اسلام میں واضح اور ثابت تھا۔ یہ نہیں کہ اس حدیث میں اپنے خیال اور رجحان سے کسی اچھے یا بُرے عمل کے قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ یہاں سنّت سنة حسنة فی الاسلام سے مراد چھوڑی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنا ہے کوئی نیا عمل ایجاد کرنا نہیں اور سنة سیئة سے مراد کسی نا پید برائی کو نئے سرے سے معاشرے میں لانا ہے۔

ایک جگہ مسجد بنانے کا مشورہ چل رہا ہے بے نماز لوگ اس کی اہمیت نہیں سمجھتے ایک شخص بڑھ کر کہتا ہے کہ مسجدوں کی کیا ضرورت ہے کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اب یہ شخص ہے جس نے اس موقع پر سب سے پہلے ہونے والی نیکی کو رد کا وہ اپنا اور سب کا گناہ ساتھ لے گیا۔ ایک شخص نے وہیں نیکی کی اپیل کر دی اور ایک بڑی رقم سامنے رکھ دی پھر اور لوگ بھی دینے لگ پڑے وہ وہ اپنا اور دوسرے سب معاونین کا ثواب بھی ساتھ لے گیا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو۔

جو لوگ اس حدیث سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں دین اسلام میں نئے نئے اعمال کو داخل کرنے کی گنجائش نکلتی ہے اور اس بنا پر صحابہ اور آئمہ نے دین اسلام میں بڑے بڑے اضافے کئے وہ غلطی پر ہیں۔ دین کامل اور مکمل ہے اس میں کسی نئے

دسانے کی گنجائش نہیں ہاں چھوڑی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنا اور اسلام کے کاموں کو نئے سرے سے قائم کرنا جیسے ملک یا معاشرے میں عورتیں پردہ نہ کرتی ہوں تو ہاں اسلامی پردے کو قائم کرنا یہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فِی الْاِسْلَامِ کا مصداق بنتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حدیث ارشاد فرمائی تو اس کا کچھ سیاق و سباق بھی تھا اسے سامنے رکھنے سے مراد حدیث بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے لہٰذا ہم صحیح مسلم سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں :۔

حضرت جریر کہتے ہیں دن کے پہلے حصہ میں ہم حضورؐ کے پاس موجود تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن چیتوں کی کھالیں اوڑھے گردنوں میں تلواریں لٹکائے آئے یہ قبیلہ مضر کے تھے حضورؐ کا چہرہ ان کے اس فاقہ کو دیکھ کر ان کے لیے پریشان ہو گیا آپ گھر گئے اور پھر چلے آئے۔ نماز کا وقت ہوا اور بلال نے اذان دے دی۔

(نوٹ: حدیث میں فامر بلالاً فاذّن کے الفاظ وارد ہیں آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا سو آپ نے اذان بھی فا تعقیب کے لیے ہے سو اس حکم میں :لہٰذا اذان بلال میں کوئی اور عمل داخل نہیں اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا اگر معمول ہوتا تو یہاں اس کا ذکر ہوتا مقام ذکر میں عدم ذکر، ذکر عدم کا فائدہ دیتا ہے) بلال نے اذان دی اور اقامت بھی نماز ہوئی اور حضورؐ نے نماز کے بعد خطبہ دیا اور قرآن کریم کی دو آیتیں پڑھیں۔ سورہ نساء کی پہلی آیت اور سورہ حشر کی اٹھارہویں آیت پڑھی اور لوگوں کو ان مساکین پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ پہلی آیت کا ترجمہ ہے :۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دو سے اس نے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام

پر بند گئے ہو، اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھ رہے ہیں (پ ۴ سورہ النساء پہلی آیت)

دوسری آیت کا ترجمہ ہے :۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے (پ ۲۸ الحشر ع ۳)

پہلی آیت میں ایک خونی رشتے کی طرف توجہ دلائی کہ تم سب ابتداء میں ایک ماں اور باپ کی اولاد تھے اور دوسری آیت میں اس جہان کو اگلے جہان سے متصل بتایا اور فرمایا کہ اس جہان کے لیے کوئی زاد یہیں سے لے کر جاؤ۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔

تصدق رجل من دیناره، من درھمه، من ثوبه، من صاع بره من صاع تمرة ولو بشق تمرة۔

ترجمہ: صدقہ کرے آدمی اپنا دینار، اپنا درہم، اپنے کپڑے، گندم کے صاع اور کھجور کے صاع (پیمانے) خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی۔

آپؐ کی اس اپیل پر ایک انصاری ایک بڑی تھیلی جو اس سے اٹھائی نہ جاتی تھی لے آیا پھر لوگ لگاتار صدقات لاتے گئے۔ یہاں تک کہ اناج اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے اور حضورؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا کہ جیسے اس پر سونے کا پانی چڑھا ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا :۔

مَن سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الخ

ترجمہ: جس نے اسلام کی کوئی بات کہیں قائم کی اسے اس کا اجر ملے گا اور ان تمام لوگوں کا جو اس پر عمل کرتے چلے جائیں گے

اب آپ ہی بتائیں کہ یہ حدیث کسی سنت اسلام کو نئے سرے سے زندہ کرنے کے بارے میں ہے یا اسلام میں کسی نئے عمل (بدعت) کو داخل کرنے کے لیے۔ یہ سنت

۱ؑ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷

حتیٰ اب نئے سرے سے قائم ہوگی یا پہلی سنت پر نئے سرے سے کھڑا ہوتا ہے جیسے
کہ وہ انصاری اس موقع پر پہل کر گیا۔

مراد حدیث اب آپ کے سامنے واضح ہوگئی۔ افسوس کہ بریلوی حضرات نے اس راہ سے اسلام کے کامل قلعہ میں نقب لگانی شروع کی اور اپنے دمغ کردہ نئے اعمال وقتوں اور تاریخوں کی ذہنی تعینات اور تخصیصات سے اسلام میں داخل کردیئے یہ حدیث مذکور کا ہرگز محل نہ تھا۔ ایسے مسائل بنانا تو نئے سرے سے کسی کو مسند نبوت پر بٹھانا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حدیث مذکور پر بریلوی علماء کے بیانات بھی آپ دیکھیں اور پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ فہم حدیث سے ان کا ذہن اور دل اللہ کے خوف سے کہاں تک خالی ہے:

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة   وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت ابوہریرہؓ نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لفظوں سے بھی روایت کیا ہے:-

من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل
اجور من تبعه لا ینقص ذالک من اجورهم
شیئا ومن دعا الی ضلالة کان علیه من
الاثم مثل آثام من تبعه لا ینقص ذالک
من آثامهم شیئا ۔۱

ترجمہ جس نے کسی کو ہدایت پر آنے کی دعوت دی اسے ان تمام لوگوں کے برابر جنہوں نے اس پر عمل کیا اجر ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے اجروں میں کوئی کمی آئے اور جس نے کسی برائی کی دعوت دی اسے ان تمام لوگوں کا گناہ بھی آئے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی آئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ من سن سنة حسنة کے معنی من دعا

---

۱ صحیح مسلم جلد ۲ ص [illegible]

الف۔ ھدی کے یہ ہیں کہ جو اچھی بات پہلے سے معلوم ہے یہ اس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور جو معاشرہ سنت اسلام کو بھول چکا ہے ان میں اس سنت کو نئے سرے سے زندہ کرنا اس کے ذیل میں آتا ہے۔ شریعت میں کسی نئے عمل کی ایجاد کی جائے اسلام میں اس کی ہرگز کوئی اجازت نہیں ہے۔ امام مسلم نے ان دونوں روایتوں کو اکٹھا روایت کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے الفاظ دیکھئے:۔

من احیی سنة من سنتی فعمل بها الناس کان له
مثل اجر من عمل بها لا ینقص من اجورھم
شیاء ومن ابتدع بدعة فعمل بها کان علیه وزر من
عمل بها لا ینقص من اوزار من عمل بها شیاء [1]

ترجمہ:۔ جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اسے بھی ان تمام لوگوں کے عمل کا ثواب ملے گا لیکن ان لوگوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس نے کوئی بدعت قائم کی اس پر عمل کیا تو اس پر ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی بار ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اپنے گناہوں میں کمی ہو۔

یہاں من سن سنة حسنة کو احیائے سنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور سنت سیئہ کو بدعت کہا گیا ہے۔ بدعت سیئہ نہیں کہا گیا معلوم ہوا کہ اس کے مقابل سنت حسنہ ہے بدعت حسنہ نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بدعت مرضی شیطان است و مرضی شیطان را حسنہ چہ کار [2]

حدیث جب روایت بالمعنی ہو تو اس کے جملہ طرق سامنے رکھ کر مفہوم حدیث اخذ کیا جانا چاہیئے۔ حدیث جریر کا موضوع آپ کے سامنے کھل کر آگیا ہے اور واضح ہو گیا ہے کہ اس میں ایجاد بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ پر بھی غور کریں اور اس حدیث کا جائزہ لیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ [illegible] [2] مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر دوم صفحہ [illegible] مکتوب [illegible]

شرح حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سنتِ حسنہ اور سنتِ سیئہ کا یہ تقابل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بھی ملتا ہے حضرت امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :-

ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلوب العباد فاصطفاہ لنفسہ فابتعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب صحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ فمارای المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راوا سیئا فھو عند اللہ سیئ[1]

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب انسانوں کے دلوں سے بہتر پایا سو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے لیے چن لیا اور اپنی پیغام رسانی کے لیے آپکو مبعوث ٹھہرایا پھر آپؐ کے دل کے بعد (آپکے دور کے) بندوں کے دلوں پر نظر کی تو آپؐ کے صحابہؓ کے دلوں کو خیر القلوب پایا سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کا وزیر بنایا جو آپؐ کے دین کے لیے صف بندی کریں گے سو یہ مسلمان جس چیز کو حسن (اچھا) جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہے اور جسے یہ حضرات سیئ (بُرا) جانیں وہ خدا کے ہاں بھی بُرا ہے۔

جس طرح حدیث جریرؓ میں سنت کے ساتھ حسنہ اور سیئہ کے الفاظ وارد ہیں اسی طرح یہاں حسن اور سیئ کے الفاظ وارد ہیں کہ اچھے عمل اور بُرے عمل میں تقابل یہی ہے۔ بغوی (۱۲۱) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں :- فمارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح[2]

---

[1] رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۷۸

[2] شرح السنۃ جلد ۱ ص ۲۰۵

اس حدیث میں فما راہ تفریع (فما راہ المسلمون) صحابہؓ کے خیر قلوب العباد ہونے پر وارد ہوئی ہے۔ سو یہ بات واضح ہے کہ یہاں عام مسلمان مراد نہیں اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مراد ہیں۔ صحابہ جس بات کو اختیار کریں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہی پسندیدہ ہے اور صحابہؓ جسے ناپسند کریں اللہ تعالیٰ بھی اس طریقے سے ناخوش ہیں۔ سو ان کی صوابدید اور تقریر خود ایک معیار ہے۔

اس حدیث کا پیرایہ بیان بتلاتا ہے کہ یہاں صحابہؓ کو خیر کا معیار بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ ان کی پسند اللہ کی پسند اور ان کی ناپسند اللہ کی ناپسند بتلائی گئی ہے۔ سو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی اور طبقہ بھی ہے جن کے لیے یہ حضرات خیر کا نشان بنائے گئے ہیں اور جنہوں نے ان کے نقش پا سے حسن اور سییٔ کے فیصلے کرنے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عام مسلمان اور یہ (المسلمون) کون ہیں؟ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ معلوم ہوا جس طرح صحابہؓ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین خداوندی کے گواہ ہیں۔ عام مسلمانوں کے لیے صحابہؓ دین خداوندی کے گواہ ہیں اور یہ معنی خود ہمیں قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔

وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس
ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ پ۲ البقرہ ع۶، آیت ۱۴۳

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے کیا تمہیں بہترین اُمت تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ رہو اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ رسول گواہ ہوں۔

سو اگر یہاں المسلمون سے مراد صحابہؓ نہ لیے جائیں عام مسلمانوں کو یہ مرتبہ دیا جائے کہ ان کی پسند اللہ کی پسند ہے اور ان کی ناپسند اللہ کی ناپسند ہو تو سوال ابھرتا ہے کہ پھر وہ نمونہ کن لوگوں کے لیے ہوں گے۔ آخر کوئی ایسا طبقہ بھی تو ہونا چاہیئے جن کے لیے ان مسلمون کو نمونہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا طبقہ عام مسلمان ہیں جن کے لیے صحابہ کرام خدا کی پسند اور ناپسند کے نشان ٹھہرائے گئے ہیں۔

المسلمون کو جاننے کے لیے کہ اس میں کون لوگ مراد ہیں یہ پیش نظر رہے کہ یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرما رہے ہیں اور یہ آپ کا تمام اسلوب نصیحت تھا کہ اپنے زمانے کے عام مسلمانوں کو (جو صحابہ نہ ہوتے تھے) آپ ہمیشہ اصحاب رسول کی پیروی کی تلقین فرماتے

اور ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی آپ کا اسلوب نصیحت ہی ہے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو ایک
مسجد میں حلقہ باندھے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کرتے دیکھا ۔۔۔ درود شریف بھی پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ابھی تک تو
صحابہ کرام تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تو حضور کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے
اور آپ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے ۔ اور تم نے بدعت اور گمراہی شروع کر دی ہے[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عام مسلمانوں کی پسند اور ناپسند کو ہرگز اللہ کی پسند اور ناپسند قرار نہ دیتے
تھے آپ کے عقیدہ میں یہ مقام صرف اصحاب رسول کا ہے کہ انہیں رضائے الٰہی کا نشان سمجھ کر
بعینہ خود عمل کیا جائے ـــــ آپ ایک اور موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

میں عبداللہ بن مسعود ہوں خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ
نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا کیا تم علم میں جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ گئے ہو[2]

گویا آپ کا یہی نظریہ ہوتا کہ عام مسلمان جو بھی کرنے لگیں وہ اللہ کو پسند ہے تو آپ یہ نہ فرماتے۔

اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم[3]

ترجمہ: تم پہلوں کی اتباع کرو۔ نئی باتیں ایجاد نہ کرو پہلی سیدھی راہ کافی ہے[3] ـــــ اور فرمایا:

من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحي لا تؤمن عليه الفتنة
اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: تم میں سے جس نے کسی کی پیروی کرنی ہو تو چاہیے کہ مرحومین کی کرے کیونکہ
زندہ لوگ فتنے سے محفوظ نہیں۔ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تھے

محدثین اور فقہاء کے نزدیک المسلمون سے یہاں مراد صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ امام ابو عبداللہ الحاکم
(۴۰۵ھ) اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے اس کا مصداق صحابہؓ کو ہی قرار دیتے ہیں۔

ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما راه المسلمون سيئا فهو

---

[1] دارمی [2] مجالس الابرار [3] شرح السنۃ جلد ۱ ص ۲۱۴ [4] مشکوٰۃ ص ۳۲

کرنا اور بات ہے اور کسی قائم شدہ سنت کی جگہ کوئی جائز بات لے آنا یہ بدعت حسنہ ہوگی جو مجبوراً اختیار کی گئی جب حالات میں اطمینان ہو جائے اسے ختم کر دیا جائے۔

مصر میں اذان میں اسماعیلی فرقے کے لوگ اپنے امام پر سلام کہتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے ختم کر کے حضورؐ پر سلام کہنے کا حکم دیا۔ پہلی بدعت سیئہ تھی دوسری بدعت حسنہ۔ بعض اموی حکمران برسر منبر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتے یہ بدعت سیئہ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ختم کر کے ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان پڑھنے کا حکم دیا۔ خطبہ کے الفاظ توقیفی نہیں۔ اس لیے یہ اب تک جاری ہے۔ اذان کے الفاظ توقیفی ہیں۔ اس لیے اذان میں صلوٰۃ وسلام زیادہ دیر جاری نہ رکھا گیا۔ سو بدعت حسنہ وقتی مصلحت تک رہتی ہے۔

شرح حدیث لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ

مسلمان جو عمل بھی کریں وہ جائز ہوتا جائے۔ اس پر بریلوی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے بچانے کی ضمانت دی ہے۔ سو یہ جس چیز کو درست سمجھیں وہ درست ہو جاتی ہے۔

ابو عبداللہ الحاکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ ابداً و ید اللہ علی الجماعۃ[1]

ترجمہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہونے دیں گے اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے

الجماعۃ سے کیا مراد ہے؟

الجماعۃ سے مراد کون لوگ ہیں، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے یہی سوال پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اس سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہیں کہ جس بات پر یہ جمع ہوں وہ گمراہی نہیں ہو سکتی۔ اس میں دوسرے لوگوں کے متحد ہونے کی نفی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے عوام نہیں اہل علم مراد ہیں۔ ہر طلب میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اہل علم اس باب میں کیا کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دین کے متحمل سب لوگ ہی ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسے صحیح طور پر جاننے والوں کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون (پ ۲۰، العنکبوت)

[1] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و الترمذی عن عبداللہ بن عمر جلد ۲ صفحہ ۳۹

ترجمہ: اور یہ مثالیں ہیں جو بیان کرتے ہیں انہیں تمام لوگوں کے لیے اور ان کو نہیں سمجھ پاتے مگر علماء ہی۔

امام بغویؒ (۵۱۶ھ) کی شرح السنہ کے حاشیہ میں ہے۔

وتفسیر الجماعة عنه اهل العلم هم اهل الفقه والعلم۔ شرح السنہ جلد ا صفحہ ۲۱۳

ترجمہ: یہاں جماعت سے مراد اہل علم کا گروہ ہے عوامی گنتی نہیں اور اہل علم وہی ہیں جو دین کا علم اور سمجھ رکھتے ہیں۔

دسویں صدی کے مجدد محدث شہیر حضرت ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

الحدیث یدل علی ان اجماع المسلمین حق والمراد اجماع العلماء ولاعبرة باجماع العوام لانه لایکون عن علم۔ مرقات جلد ا صفحہ ۲۱۲

ترجمہ: یہ حدیث بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے اور اس سے مراد علماء کا اجماع ہے عوام کا اجماع نہیں کیونکہ کسی مسئلے پر اتفاق علم سے ہی ہو سکتا ہے اس کے بغیر نہیں۔

پہلی دس صدیوں کا حاصل مطالعہ

اسلام کی پہلی دس صدیوں میں کسی بات کے اسلام ہونے یا نہ ہونے کا پیمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عمل ہی رہا ہے۔ اور پوری امت میں یہی حق کا معیار رہا، حق کو ایک ایک امتی نے شریعت تو قرار دیا گیا ہے ما انا علیہ واصحابی۔ اسی کی وضاحت اس حدیث میں ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس طرح ستاروں کی روشنی اپنی نہیں سب فیض آفتاب ہے صحابہ کرامؓ میں بھی آفتاب رسالت کی ہی روشنی اتری ہے۔ ان کی اپنی خانہ زاد نہیں —— عام افراد امت کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ جو عمل یہ کتاب وسنت کی منع وارد نہ ہو اسے شعار اسلام بنا کر حق اور باطل کے فیصلے اس سے طے کریں۔

اسلام کے اس اصول پر اگلی صدیوں کے بزرگ کیسے چلتے رہے۔ اس باب میں سب سے پہلے ہمیں گیارہویں صدی کے مجدد جن سے اسلام کا دوسرا ہزار شروع ہوتا ہے یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے موقف پر گہری نظر کر لی جائے ——

اب آیئے گیارھویں صدی میں چلیں اور دیکھیں کہ اس وقت کے بزرگوں نے کیا اس صدی کے نام سے کبھی گیارھویں کی مجلس سجائی تھی

اس صدی کے بزرگوں میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سرِفہرست ہیں آپ نے بدعت کے خلاف جس شدومد سے کام کیا ہے اس کی بناء پر مولانا احمد رضا خاں ان سے خاصے تنگ ہیں انہیں آپ اپنے بزرگوں میں سے ہی نہیں سمجھتے لیکن ہم انہیں کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے آپ اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ آپ نے نورجہاں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے پیش نظر شیعیت پر کڑی تنقید کی ہے اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے لیکن آپ نے زیادہ توجہ ان بدعات پر کی ہے جو اہل سنت کے حلقوں میں تصوف یا صوفیہ کے نام سے در راہ پا رہی تھیں اور اس وقت کے عام صوفی انہیں دین سمجھنے لگ گئے تھے۔ بدعت کے اندھیروں میں نورِ سنت لانے کے لئے آپ نے جو محنت کی وہ آپ کا ہی حصہ ہے بدعت کی اندھیریوں میں آپ حق کا نشان بن کر اٹھے آپ دیکھیں کہ گیارھویں صدی میں بدعت کے اندھیرے کہاں تک اٹھ چکے تھے آپ لکھتے ہیں:

ہندوستان میں بدعت کی اندھیریاں

علمائے وقت را حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ توفیق دہاد کہ بحسن ہیچ بدعت لب نکشایند و باتیان ہیچ بدعت فتوی ندہند...... در ازمنہ ماضیہ چوں اسلام قوت داشت تاب تحمل ظلمات بدعت مے نمود شاید کہ بعضے ازآں ظلمات در شعشعان نور اسلام نورانی متخیل مے شد و باعث حکم بحسن آں مے گشت اگرچہ فی الحقیقت ہیچ حسن و نورانیت نداشت بخلاف این وقت کہ وقت ضعف اسلام است تحمل ظلمات بدعت صورت ندارد درین جا فتوے متقدمین و متاخرین متمشی نباید ساخت چہ ہر وقت را احکام علیحدہ است درین وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بنظر مے درآید و نور سنت با غربت و ندرت دراں دریائے ظلمانی در رنگ کرمکہائے

شب افروز عکسے گردد و عمل بدعت از دیاد آں ظلمت مے نماید ...... صوفیہ وقت نیز اگر بر سر انصاف بیایند و ضعف اسلام و افشائے کذب را ملاحظہ کنند باید کہ در ما وراء سنت تقلید پیران خود نکنند و امور مخترعہ را بہ بہانہ عمل مشائخ در بدن خود نگیرند اتباع سنت البتہ منجی است و مثمر خیرات و برکات ۔[1]

(ترجمہ) حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دیں کہ وہ کسی بدعت کو حسنہ کہیں اور کسی بدعت کے حق میں زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کر لینے کا فتویٰ نہ دیں .... پہلے ادوار میں اسلام میں قوت تھی اس لئے چار و ناچار بدعت کے اندھیرے برداشت ہو جاتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدعات کے بعض اندھیرے نور اسلام کی شعاعوں میں نورانی نظر آئیں اور ان کے بدعت حسنہ ہونے کا باعث بنیں اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی حسن اور نورانیت نہیں لیکن اس وقت جو کہ ضعف اسلام کا وقت ہے اب اسلام میں بدعات کے اندھیروں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں سو کسی جگہ متقدمین اور متاخرین کے فتووں کو (کہ بعض بدعتیں بدعت حسنہ بھی ہوتی ہیں) چلنے نہ دینا چاہیئے کیونکہ خود میں ہر دور کے احکام اپنے ہوتے ہیں اور بحر ظلمات کی ندرت میں محض ایک جگنو کی طرح کہیں کہیں چمکتا ہے بدعت کے اعمال ان اندھیروں کو بڑھاتے ہیں .... اس دور کے صوفی بھی اگر انصاف پر آئیں اور اس وقت کے ضعف اسلام اور جھوٹ پھیلنے کو ملاحظہ کریں تو انہیں چاہیئے کہ سنت چھوڑ کر اپنے پیروں کے پیچھے نہ چلیں اور اپنی من گھڑت راہوں کو عمل مشائخ کے عنوان سے ہرگز نہ اپنائیں سنت ہی نجات دینے والی ہے اور اسی میں خیرات و برکات کے ثمرات ہیں۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

اجتناب از اسم و رسم بدعت ۔ تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نہ نمایند بوئی ازیں دولت بشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۲۳

گرفته یکر بمجال است که دم از دفع بدعت زند و حیاء سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آں فتوے دہند و مردم را بہ بدعت دلالت مے نمایند چہ مے گویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد نمے دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبر است ہماں است کہ از صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ[1]

ترجمہ: بدعت کی راہ اور اس کے نام سے بھی جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جس طرح بدعت سیئہ سے احتراز کیا جاتا ہے اس روحانی دولت کی خوشبو تک اس دماغ میں نہ پہنچے گی اور آج یہ بات ہر قسم کی بدعات سے بچنا بہت مشکل ہے جہاں کا جہاں دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا ہے اور بدعت کے اندھیروں میں سو رہا ہے آج کس کی مجال ہے کہ بدعتوں کو ختم کرنے کا دم مارے اور سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے زبان کھولے ...... اس وقت کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے ہیں اور سنتوں کو مٹانے کے درپے ہیں پھیلی ہوئی بدعات کو مجبوری کا عمل ٹھہرا کے اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوے دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعات کی طرف لے جاتے ہیں ــــ کیا کہتے ہیں اگر گمراہی پھیل جائے اور باطل پھیل جائے تو کیا اسے مسلمانوں کا تعامل قرار دے دیا جائے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ تعامل دلیل استحسان نہیں تعامل صرف وہی معتبر ہے جو صدر اول (صحابہ کرامؓ) سے آیا ہو یا تمام لوگوں کے اتفاق سے اجماع کا درجہ پائے۔

آپ کا یہ روئے سخن معتزلہ و مرجئہ یا روافض و خوارج کی طرف نہیں یہاں وہ اہل بدعت زیر تنقید ہیں جو بدعت فی الاعمال کے مرتکب تھے اور اہل سنت کی صفوں میں قسمہ پرستی لائے تھے جو نہیں ان اوہام میں کچھ چلی آ رہی تھیں اور بدعات کی یلغار صرف خوابوں میں تیزی سے گردش کر رہی تھی آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴

حیوانات ما کہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں
حیوانات را ذبح نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک
ساختہ اند...... و ازیں عالم است کہ صیام نساء کہ بہ نسبت پیراں و
بیبیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از خود تراشیدہ روزہائے
خود را بنام آنہا نیت کنند........ و توسل ایں روزہ ازیں احوائج
مے خواہند و روائی حاجت خود را از آنہائے دانند ایں شرک در عبادت است[1]

ترجمہ: یہ جو بکروں کو نذر مشائخ کے طور پہ لے جاتے ہیں اور ان کی قبروں پہ پہنچ کر حیوانات کو ذبح کرتے ہیں فقہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل بتایا گیا ہے اور اسی طرح وہ روزے بھی جو عورتیں اپنے پیروں اور بیبیوں کی نسبت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے نام اپنی طرف سے تجویز کر لیتی ہیں اور پھر اپنے روزے ان ناموں سے رکھتی ہیں........... اور پھر ان روزوں کے وسیلے سے ان مزاروں اور بیبیوں سے اپنی حاجتیں مانگتی ہیں اور مراد حل جائے تو اسے انہی کی طرف سے سمجھتی ہیں یہ شرک فی العبادت ہے بندے کا یہ تعلق تو صرف خدا سے ہونا چاہیئے اسی کی ہم عبادت کریں اور اسی سے مدد چاہیں۔

بدعت و شرک کا یہ پیرا یہ ظاہر ہے کہ شیعوں سے متعلق نہیں یہ وہ بدعات اور وہمیات ہیں جو اہل سنت کی صفوں میں آرہے تھے یہ کیا تھا مسلمانوں میں ہندوازم کی نشأۃ جدیدہ ہو رہی تھی اہل بدعت حضرت امام ربانی الف ثانیؒ سے سخت کبیدہ خاطر ہیں آپ ان کی بجائے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) سے انتساب چاہتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ حضرت شیخ نے بھی ان جہلاء کو اسی آئینہ میں اتارا ہے آپ ان قبر پرستوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

نعم اگر جوازاں اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت
حق و التجا بجانب وے تعالیٰ چنانکہ عوام و جہا جہلاں و غافلان اعتقاد
دارند و چنانکہ مے کنند از بوسہ دادن قبر و سجدہ
[illegible]

[1] مکتوبات ص ۳۰۵ نمبر ۴۱

مرآنرا و نماز بسوئے وے و جز آں کہ ازاں نہی و تحذیر واقع شدہ است

ایں اعتقاد و ایں افعال ممنوع و حرام خواہد بود اشعۃ اللمعات ج ص

(ترجمہ) ہاں اگر زائر اعتقاد کریں کہ قبروں والے صاحب اختیار اور صاحب قدرت ہیں بدائہ کی طرف توجہ کئے بغیر اور اس سے مانگے بغیر ___ جیسا کہ عوام جہلاء اور غافل لوگ ان والوں اعتقاد کئے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح عمل بھی کرتے ہیں تو یہ اسلام میں بالکل حرام اور منعی عنہ ہے قبروں کو بوسہ دینا اور اسطرف سجدہ کرنا اور اس طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا ممنوع ہے اور سوائے اس کے کہ ان کاموں سے لوگوں کو روکا جائے اور ڈرایا جائے یہ اعتقادات اور اعمال سب حرام قرار پائیں گے۔

حضرت شیخ نے اس عبارت میں بتلا دیا ہے کہ ان کے زمانہ میں ایسے بدعتی موجود تھے جو عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ مزارات والے بزرگ خدا سے یہ قدرت پاچکے ہوئے ہیں کہ اب خدا کی طرف مزید توجہ کئے بغیر وہ اسی کی عطا کردہ مستقل قوت اور قدرت سے اپنے سائلوں کی حاجت روائی کریں گے انہیں اب ایک ایک فریاد پر خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی وہ مستقل طور پر یہ قدرت پائے ہوئے ہیں کہ اپنے مانگنے والوں کی جس طرح چاہیں حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکیں۔ قبروں کو چومنا اس پر شریعت میں کوئی منع وارد نہیں مگر حضرت شیخؒ نے اسے ممنوع اور حرام کہا ہے اگر اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو کہتے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ اور اس طرح دلیل کا سارا بوجھ اعتراض کرنے والوں پر ڈال دیا جاتا اور حضرت شیخ کو کہا جاتا۔ جب بعطائے الہٰی مانا تو شرک کے کیا معنی الامن والعلا ص ۱۹

یہ گیارہویں صدی کے بزرگ ہیں جنہوں نے جاہل بدعتیوں کے اندر کی بات کھول کر سامنے رکھ دی ہے۔

ہم اہل حدیث کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ جو اختلافات آج کل دیوبندیوں اور بریلویوں کے مابین ہیں یہی اختلافات اس وقت حضرت امام ربانیؒ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مابین تھے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے نظریات علماء دیوبند کے سے تھے اور اہل بدعت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے معتقد تھے ایسا ہرگز نہیں آپ نے شرک کے باب میں کہیں کبھی نرمی کو برداشت نہیں کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف علماءِ سوء کی واردات

سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے ان کے خلاف دشمنوں کی ایک جماعت کھڑی کر دی جاتی ہے ان کی مخالفتوں سے حق اور نکھرتا ہے اور انبیاء کا اجر بڑھتا ہے۔

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین۔ (پ ۱۹ الفرقان ع ۳ آیت ۳۱)

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن کھڑے کر دیئے۔

ولی کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم ہوتا ہے اور اُس کے درجے کے مطابق اُس کے لیے بھی مجرمین کی صف کھڑی کر دی جاتی ہے جن کا موضوع زندگی ہی ان اہل حق کی مخالفت ہوتا ہے۔ یہ لوگ ان کے خلاف طرح طرح کی شکایتیں گھڑتے ہیں اور انہیں بدنام کرتے ہیں — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کے خلاف بھی یہ لوگ کھڑے ہوئے۔ کچھ دوسروں کی باتوں میں آ کر بایں طور کہ وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اونچے مقام کو سمجھ نہ پائے تھے اور کچھ بدنیتی سے — یہ وہ لوگ تھے جن کے لیے حضرت امام ربانی کا چشمہ فیض سوہانِ روح بنا ہوا تھا اور جس کی برداشت ان لوگوں کے لیے بہت مشکل تھی۔ یہ اپنے وقت کے بریلوی تھے جو حضرت امام ربانی کو اپنے پیشواؤں میں جگہ دینے کے لیے بالکل آمادہ نہ تھے۔

اہل حق کی مخالفت کے شیطانی حربے

شیطان کی ایک چال لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنا ہے۔ قرآن کریم نے یوسوس فی صدور الناس سے اس کی نشاندہی کی ہے:

۱. یہ شیاطین اہل حق کی طرف کچھ ایسے عقیدے منسوب کرتے ہیں جو ان کے نہیں ہوتے۔

۲. اپنے الزامات ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ ان حضرات کی کچھ عبارتیں پکڑتے ہیں اور ان میں اپنے معنی ڈالتے ہیں۔

۳. پھر ان عبارات پر وہ ان علماء (حرمین) سے فتوے حاصل کرتے ہیں جو ان کی زبان نہ جانتے ہوں اور جس طرح یہ ترجمہ کر کے عبارت ان کے سامنے رکھیں وہ فتوے دے دیں۔

۴. ان کا فتوے مسئلے کی تفصیل کے لیے نہیں ہوتا ان کا اصل تکفیر ان کا مقصد ہوتا ہے۔

(۵) حضور قطب الاقطاب ہونا کہ وہ حلقہ ہے جو صدیوں سے بزرگوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ وہاں سے یہ بزرگ کوئی نہ کسی نسبت کی تائید حاصل کر لیتے ہیں۔

(۶) اپنے مرتبہ کی کامیابی کے لیے یہ کسی زمان کو اپنا رہنما بناتے ہیں جو اپنی بات پر ایسا اڑے کہ پھر اس کے پیچھے رہنے کا کوئی احتمال نہ ہو۔

حضرت امام ربانی کے مخالفین نے بھی چھ نمبروں پر ذہنی محنت کی کہ کئی لوگ ان کی باتوں میں آگئے۔ پھر جب صورت حال واضح ہوئی تو بیعت سے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت حق کی توفیق دی تھی حق پر آگئے اور ان بریلویوں کا مکر کچھ آگے نہ بڑھ سکا۔ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

پہلا الزام: یہ لگا کہ آپ (گیارہویں شریف والے پیر صاحب) حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی کو نہیں مانتے، اپنے آپ کو ان سے آگے سمجھتے ہیں۔ حضرت کا مکتوب گرامی جو آپ نے لکھا وہ اس الزام کی صریح تردید ہے۔

نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ و چوں نوبت بایں بزرگوار رسید منصب مذکور بآں قدس سرہ مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمی گردد۔[1]

ترجمہ: اس مقام کے لیے ائمہ اہل بیت کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی باری آئی جب آپ کی باری آئی تو یہ روحانی منصب آپ کے ہی سپرد ہو گیا۔ ائمہ اہل بیت اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر دکھائی نہیں دیتا۔

مجدد الف ثانیؒ نیز دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بہ نیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنانکہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس۔[2]

ترجمہ: الف ثانیؒ کا مجدد بھی اس مقام پر حضرت شیخ کا ہی نائب مناب ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے ہی اسے یہ مرتبہ حاصل ہے جیسے کہتے ہیں چاند کی روشنی (نور) آفتاب کا ہی فیض ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کا وہ خط جو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ کو لکھا وہ بھی اس پر شاہد ہے۔ حضرت شاہ نعیم اللہ شاہ نے بشارات مظہریہ میں اور مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے تاریخ دعوت و عزیمت میں اس کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] مکتوب دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ [2] ایضاً ص [3] تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۴ ص ۲۳۱

دوسرا الزام

یہ تھا کہ آپ کو کعبہ کی اس خاص عمارت کو، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کردہ ہے، کعبہ نہیں مانتے
اور فرماتے ہیں کہ کعبہ کی حقیقت کچھ اور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) کے استاذ حدیث شیخ ابو طاہر کردی کے والد تھے ابراہیم کردی
مدنی اور ایک استاد شیخ حسن عجمی اس الزام میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شیخ حسن عجمی کے پاس ۱۰۹۳ھ میں ایک
سوال آیا جس میں حضرت امام ربانی کی طرف کچھ غیر مناسب باتیں منسوب تھیں۔ شیخ حسن نے اس کے خلاف
فتویٰ دیا اور اس پر ایک مستقل کتاب العنایۃ الحسنیٰ فی جواب سوال عن کلمات الشیخ احمد سرہندی کے نام سے لکھی۔

یہ الزام حضرت امام ربانی کی ایک عبارت کی بنا پر تھا۔ حضرت کی عبارت ہرگز وہ نہ تھی جو مجیب نے
سمجھی۔ شیخ حسن عجمی لکھتے ہیں:

ومنها انکاره مما تواتر ان الکعبة هي الحقيقة المعروفة وذلك كفر۔

ترجمہ: اور ان کفریات میں ایک آپ کا اس کعبہ سے انکار ہے (کہ یہ عمارت کعبہ نہیں)
جس کا کعبہ ہونا امت میں تواتر سے چلا آ رہا ہے اور یہ کفر ہے۔

اب آئیے ذرا اس بات کو دیکھیں جو حضرت نے کہی تھی۔ حضرت نے جو مکتوب شیخ تاج الدین سنبھلی
کو لکھا ہے، اس میں ہے:

نزد فقیر چنانچہ صورت کعبہ ربانی مسجود الیہا است مر صور خلائق را، چنانچہ بشریت حقیقت
حقیقت آں نیز مسجود الیہا است مر حقائق آں صور را، لاجرم آں حقیقت فوق جمیع
حقائق آمدہ است۔ مکتوب شریف دفتر اول نمبر ۲۰۹

ترجمہ: فقیر کے نزدیک جس طرح صورت کعبہ ربانی مخلوقات کی صورتوں اور جسموں کے لیے
قبلہ ہے، اس کی حقیقت (حقیقت کعبہ) ان صورتوں اور جسموں کی حقیقت کے لیے مسجود
الیہا (قبلہ) ہے۔ یہ حقیقت اس طرح تمام حقائق سے بالا ہے، اور ان سے جو کمالات
متعلق ہیں وہ ان تمام کمالات پر جو دوسرے حقائق سے متعلق ہیں فوقیت رکھتی ہے
گویا یہ حقیقت حقائق کونیہ اور حقائق الٰہیہ کے درمیان ایک برزخ ہے۔

احمد اسمه للروح يتعلق به نبوة الملائكة ومحمد صلى الله عليه وسلم اسم للجسم يتعلق به نبوة الانسان ثم صار ذلك الجسم بعد الف سنة روحا فالمقام المحمدي خال الى ان ينزل عيسى عليه السلام ويخرج من العيسوية ويدخل المحمدية. (دیکھیے معارج الولایت ص۔ تالیف عبداللہ خویشگی قصوری)

ترجمہ حضور کا نام احمد روح کے لیے ہے اس سے فرشتوں کی نبوت وابستہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جسم کا نام ہے جس سے آپ انسانوں کے لیے نبی ہیں یہ جسم ہزار سال کے بعد روح کے مقام میں آ جائے گا اور مقام محمدی (روضہ اطہر جہاں آپ جسد اشریف تشریف فرما ہیں) خالی ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور وہ مقام عیسوی سے خروج کر کے مقام محمدی میں داخل ہوں (اور آپ کے روضہ مبارک میں جگہ پالیں)۔

حضرت امام ربانیؒ کے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح و جسد کی یہ تقسیم ذکر تھی حقیقت محمدی، حقیقت کعبہ اور حقیقت عیسوی کی بابت ہو رہی تھی۔ اب یہ رو کے کہ احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں، یہ صرف آپ کی روح کا نام ہے اور اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف جسم کا نام ہے جو روح کو شامل نہیں کیا یہ غلو کی حد نہیں؟ مستفتی کی اس عبارت پر علمائے حرمین سے جواب وہی آنا تھا جو آیا لیکن یہاں حضرت امام ربانیؒ کا کوئی قصور نہیں۔ نہ انہوں نے یہ بات کہی ہے نہ وہ اس فتوے کی زد میں آتے ہیں۔

اس مستفتی نے آپ پر یہ الزام بھی لگایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول نبی نہ رہیں گے نبوت سے دستبردار ہو جائیں گے حالانکہ یہ بات آپ نے کہیں نہیں کہی۔ اگر آپ بعد نزول شریعت محمدی کے مطابق عمل کریں گے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دور محمدی میں آپ کی نبوت نافذ نہ ہوگی۔ یہ ہرگز نہیں کہ آپ نبی بھی نہ رہیں گے۔ نبوت وہ مقام عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو دے کر اس سے واپس نہیں لیتے۔ یہ صرف دنیا کے شیوخ ہیں جو بعض اوقات اپنے فیصلے کر خلافت دے کر پھر ان سے خلافت واپس لے لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کسی کو یہ عزت دیں اور پھر اس سے لے لیں یہ ہرگز نہیں۔ اللہ رب العزت ذات کریم ہے اس سے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عقائد کی مشہور کتاب شرح مواقف میں ہے:

لا يتصور عزله عنه لكونه سوالاً۔ (شرح مواقف ص٦٢٢ طبع لکھنؤ)

سکھ ہوتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۷۱ ؎

قارئین کرام دیکھیں یہ شخص کس جرأت اور گستاخی سے تمام جہان کے مشائخ کی غلطیاں نکال رہا ہے کیا تمام جہان کے مشائخ میں حضرت سرکار اجمیر نہیں آتے۔ حضرت علی ہجویری نہیں آتے۔ حضرت صابر کلیری نہیں آتے۔ کیا اس شخص نے ان سب کی توہین نہیں کی؟ ان حضرات کی غلطیاں نکالنا تو درکنار ان بزرگوں کو اپنے سے اس پیرایہ تعبیر میں کلام کرنا کسی دیندار شخص کا کام نہیں۔ کیا ان مجددین کی صف میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ نہیں آتے۔ پیر جماعت علی شاہ علی پوری نہیں آتے۔ افسوس اعلیحضرت بن کر اس شخص نے اپنے مقابل کسی کو بھی حضرت نہ رہنے دیا۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلاف مولوی عبدالوہاب مرید شیخ جیلانی کی کارروائی ہے۔ اس کے پس پشت ایک پٹھان حسن خان قصوری کی مستعدی سے کام کر رہا تھا۔ جس نے اپنی حمایت میں قصور کے ایک عالم عبداللہ خویشگی کا سہارا بھی لیا اور اسے ہتھیار بنا کر حضرت امام ربانیؒ کے خلاف کھڑا کیا۔ مولانا عبداللہ خویشگی قصوری شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے ایک عالم اور صوفی تھے۲؎ جنہوں نے معارج الولایت میں حضرت امام ربانی کے خلاف بہت زہر اگلا اور مختلف پیرایوں میں آپ کی ذات گرامی کو مجروح کیا۔

حسن خان کے بعد اس قصور کے عالم سے تقویت ملی۔ احمد رضا خاں نے غلام دستگیر قصوری سے اپنے مشن کی تائید لی۔ دونوں خان اپنے اپنے وقت میں علماء حق کے خلاف تیزی سے کام کرتے رہے۔ اور جب بھی اہل حق کسی تعمیری حیثیت سے قوم یا دوسروں کے سامنے آئے۔ بریلوی ان کے آگے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ انگریزی دور میں تعمیر ملت کی کوئی مہم یا تحریک کامیاب نہ ہو سکے۔

۱؎ ملفوظات حصہ سوم ص ۷۱

۲؎ جناب محمد اقبال مجددی نے عبداللہ خویشگی قصوری کے احوال و آثار پر ایک مفصل کتاب اسی نام سے لکھی ہے جسے دارالمؤرخین لاہور نے ۱۹۷۸ء لاہور سے شائع کیا ہے۔

پڑھا لکھا طبقہ حضرت مجدد کے ساتھ رہا یا خان صاحب کے ساتھ

سلطان اورنگ زیب عالمگیر ایک بڑی نیک اور مخلص شخصیت تھی آپ حضرت امام ربانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت تھے۔ اہل بدعت پر اس سے اوس پڑ گئی۔ اب ان بدعتیوں نے اورنگ زیب کی طرف سے حضرت کے بعض مکتوبات کے خلاف ایک جعلی خط بنایا اور اسے اطراف میں خوب شہرت دی جناب محمد اقبال مجددی نے احوال و آثار عبداللہ خویشگی کے پانچویں باب میں اس جعلی خط کا تفصیلی جائزہ لیا ہے یہ اسی طرح کی ایک کارروائی ہے جو مولانا احمد رضا خان نے حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلاف کی کہ ان کے نام سے ایک جعلی فتوے تیار کیا کہ معاذ اللہ آپ خدا کے بالفعل جھوٹ بولنے کے قائل تھے اور پھر خود اس فتوے کا خوب سہرا لیا۔ جب خان صاحب سے پوچھا گیا وہ فتوے کہاں ہے؟ تو کہا اصل ہمارے پاس نہیں صرف اس کا فوٹو دیکھا تھا۔ جب پوچھا گیا وہ فوٹو کہاں ہے؟ تو بڑے اطمینان سے فرمایا۔ وہ عرب میں کہیں رہ گیا ہے میں ساتھ نہیں لا سکا۔ یہ کہا اور پھر لمبا ڈکار لیا اور خاموش ہو گئے۔

بریلویوں کو جب فتاویٰ رشیدیہ سے یہ عبارت دکھائی گئی تو وہ بھی مولانا احمد رضا خان کی اس کارکردگی پر حیران رہ گئے اور خان صاحب نے اس خان کی یاد تازہ کر دی جس نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خلاف انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی توہین کے جھوٹے الزامات لگا دیئے تھے اور اورنگ زیب کے نام سے ایک جعلی خط بنایا تھا۔ فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت یہ ہے:۔

> ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک اور منزہ ہے اس سے کہ متصف بہ کذب کیا جاوے معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ و من اصدق من اللہ قیلا (پ ۵) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے اور مخالف قرآن و حدیث و اجماع کا وہ ہرگز مومن نہیں ۱ھ

حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادگان جب کبھی سرہند سے نکلتے تو علماء سوء ان کا تعاقب کرتے یہاں تک نوبت آئی۔ فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے کوئی عالم اہل بدعت کے ساتھ نہ تھا

ف فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۸۹

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جنہوں نے پہلے آپ کے بعض ظاہری الفاظ پر تنقید کی تھی حقیقت حال کھلنے پر انہوں نے بھی حضرت سے صلح کر لی۔ شیخ محمد چشتی قصوری اپنی کتاب مناقب العارفین میں لکھتے ہیں:۔

شیخ عبدالحق کے صاحبزادے مولانا نورالحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا جب ان کو حسن عمل کی حقیقت کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا۔[1]

حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مجملہ اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت محدث دہلویؒ نے ان اعتراضات سے رجوع فرما لیا تھا۔ حضرت کا خط خواجہ حسام الدین کے نام ہے جس میں یہ رجوع بایں الفاظ مرقوم ہے:۔

غبارے کہ فقیر را بخدمت اقدس حضرت شیخ احمد بود رفع شد و غشاوۂ بشریت نماند۔[2]

ترجمہ: وہ غبار جو فقیر کے دل میں حضرت شیخ احمد کے بارے میں دل میں تھا اٹھ گیا ہے اب وہ بشری حجاب نہیں رہا۔

جناب خلیق احمد نظامی استاد شعبہ تاریخ علی گڑھ نے حیات شیخ عبدالحق کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ اس کے ص ۳۰۱ سے ص ۳۰۳ تک وہ طویل مکتوب جو حضرت شیخ محدث نے حضرت شیخ مجدد کی بعض آراء سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا تھا، نظامی صاحب نے اسے مدارج الولایت سے نقل کیا ہے —
مدارج الولایت (۱۰۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ نظامی صاحب نے جس قلمی نسخے سے نقل کیا ہے وہ ۱۰۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں بھی آپ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے جس محبت کا اظہار کیا ہے وہ ان الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے:۔

این قدر کہ مرا با شما نسبت محبت و اخلاص است کم کسے را خواہد بود۔[3]

ترجمہ: نسبت محبت و اخلاص جس قدر مجھ میں آپ سے ہے کسی دوسرے کو شاید ہی کبھی حاصل ہوئی ہو۔

مدارج الولایت کے محولہ بالا نسخے میں بعض ایسی عبارات ہیں جن کے بارے میں دوسرے نسخوں میں کمی بیشی معلوم ہوتی ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عبداللہ خویشگی قصوری المعروف بہ عبدی نے

۱۔ سیرت امام ربانی ص ۲۰۹ مطبوعہ مصر ۱۹۰۹ء ۲۔ رسائل سبعہ ص حضرت شاہ غلام علی دہلوی ۳۔ مدارج الولایت ص

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں اخلاص نیت سے کام نہیں کیا اور حضرت شیخ محدثؒ نے حضرت شیخ مجددؒ سے جو اختلاف کیا تھا حقیقت کھلنے پر اخلاص نیت کا پانی اسے پوری طرح سے بہا لے گیا تاہم افسوس کہ عبدالغفور خوشگی قندھاری اپنی اسی بات پر ڈٹے رہے اور انہوں نے اپنے پیر حضرت امام ربانیؒ کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ کیا۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح مولانا احمد رضا خاں علماء دیوبند کے خلاف ان کی عبارات اپنے معنی خود لے کر آخر دم تک ڈٹے رہے حالانکہ وضاحتوں کے باوجود انہوں نے اپنے دل میں ان جید علماء کے بارے میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ کیا، اور المہند میں پوری وضاحت پا لینے کے باوجود حسام الحرمین سے رجوع نہ کیا۔

اس اختلاف کی وجہ کوئی علمی یا فقہی اختلاف رائے نہ تھا۔ حسد و عناد کے سوا یہیں اس میں کچھ نہیں تھا۔ صرف یہ بات کھٹک رہی تھی کہ ان دونوں اپنے اپنے سلاسل مشائخ میں بیعت لوگوں کو کر رہے تھے۔ عبدالغفور خوشگی کے اسلاف حضرت شیخ سعدو چشتیؒ کے مرید تھے اور جنہیں ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کا یہ فروغ جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ذریعہ ہو رہا تھا انہیں برداشت نہ تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بھی جن الفاظ سے حضرت کا ذکر کرتے ہیں ان میں قادری اور نقشبندی سلسلے کا یہی بوجھ دکھائی دیتا ہے۔

ہم گیارہویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذکر سے گزر رہے ہیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مخلصین کرام کو ہمیشہ ایسے حالات سے گزرنا پڑتا ہے جن سے علماء دیوبند گزر رہے ہیں۔ ان سے پہلے محدثین دہلی کو اور ان سے پہلے حضرت مشائخ سرہند کو واقعی ایسے حالات پیش آئے جنہیں انتہائی کٹھن مرحلوں اور دکھی الزامات سے گزرنا پڑا —— مگر تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ایسے معارک میں فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور کلمۂ حق کی جیت ایک ہی دفعہ چھپانے پر چمکتی ہے ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد — اگر کس تف زند ریشش بسوزد

مبارک ہیں وہ جوان جو اہل حق کے دفاع میں اٹھتے ہیں اور سعادت مند ہیں جن کی مساعی سے اہل بدعت کے سیاہ باطل چھپتے ہیں۔

فضل خداوندی بر شیخ سرہندیؒ

حضرت امام ربانیؒ کے لشکر کے ایک عالم دین محمد بیگ ترک جو فارسی زبان جانتے تھے اور حضرت

مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریفہ سے واقف تھے، حجاز آئے، جنہوں نے علمائے حجاز کو حضرت امام ربانیؒ کی اصل عبارات دکھائیں اور بتایا کہ حضرت کے خلاف علمائے حرمین کا فتویٰ ان عبارات کے غلط ترجموں اور بعض عبارات کے حذف و اضافہ پر مبنی ہے تو علمائے حرمین کو ان پر پورا اطمینان ہوا۔ حضرت ان کی اس نے بعد میں یہ ایک مستقل کتاب عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب لکھی، علمی حلقوں میں اس کتاب کو بڑا اثر ہوا، پھر دیگر اہل علم یوں میدان میں آگے بڑھے یہاں تک کہ اہل حق کا ایک بہت بڑا فتنہ ختم ہو گیا۔

تیونس کے علامہ حسن بن محمد نے تحریف العلماء فی تحریر الشیخ محمد السرہندی لکھی، پھر مصر کے مشہور فقیہ دانشور عالم شیخ احمد شیمی نے صاف کہا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف فتوے ان کی اصطلاحات عدم تعریف کو نہ سمجھنے کے باعث عمل میں آتے ہیں — ہمیں یہ شکوہ نہیں کہ ایسا کیوں ہوا ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ حق کا چہرہ کھلنے پر مخالفین نے پھر بھی اپنی ضد نہ چھوڑی۔

وقت گزر گیا اور مخالفین حضرت امام ربانیؒ کے خلاف فتوے کو کوئی سند نہیں دے سکے تاہم انہوں نے الحاد، الزام تراشی اور جماعت سازی کی وہ طرح ڈالی جس پر بعد میں مولانا احمد رضا خاں چلے اور ان کے ذریعہ برصغیر پاک و ہند میں اہل السنۃ والجماعت کے دو ایسے ٹکڑے ہوئے کہ اب ان کا ایک ہونا تا قیامت سمجھ میں نہیں آتا — الحاد کی یہ وہ تاریک راہ کیا ہے جس میں خان صاحب داخل ہوئے اور پھر نہ نکلے — اس کے مختلف زینے یہ ہیں جو خان صاحب نے بڑی ہمواری سے عبور کئے۔

① دوسروں کی عبارات کو اپنی ترتیب سے جوڑنا۔

② ان عبارات میں اپنے مطالب ڈالنا اور انہیں اصحاب عبارات کی طرف منسوب کرنا۔

③ ان کا ترجمہ اپنی مصلحت کے مطابق کرنا۔

④ ان پر فتوے ان علماء سے لینا جو ان عبارات کو ان کی اصل زبان سے نہ سمجھ سکیں۔

⑤ حرمین کے تقدس سے ان فتووں میں وزن پیدا کرنا۔

⑥ کفر کے الزامات سے دوسروں کو ملت سے باہر کرنا۔

مولانا احمد رضا خاں کا حسام الحرمین گواہ ہے کہ وہ کس طرح ان پانچ زینوں سے گذرے ہیں اور اس کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی المہند علی المفند کو — جس نے کس طرح دیکھتے دیکھتے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا — اور یہ کتاب آج تک علمی دنیا میں علماء دیوبند کے مسلک

بیٹو بنکے۔ حسن خاں کو مولانا عبد اللہ خویشگی قصوری کی حمایت اور مولانا محمد عثمان کو مولانا غلام دستگیر قصوری کی حمایت بھی کچھ فائدہ نہ دے سکی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نماز جنازہ
پر سنت نبویؐ کا اثر

حضرت قیوم اوّل مجدد الف ثانیؒ کی نماز جنازہ، حضرت مولانا خازن الرحمۃ نے پڑھائی آپ اپنی زندگی میں بھی زیادہ تر انہی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

دیکھیے کہ حضرت امام ربانی کے جنازہ پر سنت نبوی کا نور کس تیزی سے چمکا کہ نماز پڑھتے ہی جنازہ کو اٹھا لیا گیا اور دعا بعد جنازہ کی بدعت قریب نہ جھٹک سکی۔

خانوادہ مجددیہ کی ایک تاریخی دستاویز روضۃ القیومیہ کے نام سے ابھی چھپی ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کے احوال و مقامات کا تذکرہ ہے۔ یہ خواجہ محمد احسان سرہندی مجددی کی تالیف ہے اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی ترتیب ہے۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے اسے چار حصوں میں شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کی نماز جنازہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> حضرت خازن الرحمۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی کیونکہ یہی آنجناب کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتصار نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں دیکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔[1]

معتبر کتابوں سے فقہ حنفی کی کتابیں ہیں اور شروح حدیث میں سے امام ملا علی قاریؒ کی مرقات شرح مشکوٰۃ جلد … پر دعا بعد جنازہ نہ کرنے کا حکم صاف لفظوں میں لکھا گیا ہے۔

یہ گیارہویں صدی کے اہل حق کی سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کا ایک تاریخی نقشہ ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دور آتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی اصول کی صدائے بازگشت ہے کہ مسائل کا ثبوت نقل و روایت سے ہوتا ہے۔ قیاس سے نہیں کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا۔

---

[1] روضۃ القیومیہ جلد ا ص ۳۴۹

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی آواز

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بعد سلطان عالمگیر کا دور آتا ہے فتاوے عالمگیری اس وقت کا حق لامہ ہے آپ دیکھیں کیا اس وقت کسی عمل پر منع کا وارد نہ ہونا اس کی دلیل جواز تھا یا عبادات میں اصل نقل ہے جب تک اس پر منع وارد نہ ہو۔

فرض نمازوں کے بعد چاروں قل پڑھنا اور پھر دُعا مانگنا کئی جگہ رائج ہے اس کے منع ہونے پر کوئی دلیل وارد نہیں مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر یہ جائز ہوگا۔ احناف کے ہاں التزام سے اس طرح پڑھنا یا قل ایھا الکافرون سے اکٹھے پڑھنا صرف بایں وجہ مکروہ ہے کہ قرون اولیٰ سے ثابت نہیں فتاوے عالمگیری میں محیط سے منقول ہے۔

قرأة الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروہ لانھا بدعۃ لم تنقل عن الصحابۃ ولا عن التابعین رضی اللہ عنہم[1]

(ترجمہ) سورہ الکافرون سے آخر قرآن تک جماعت کے ساتھ پڑھنا حرام کے قریب ہے صحابہ اور تابعین حضرات سے یہ کہیں ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکے ہیں۔

قرآن مجید کے ختم کے وقت لوگوں کا مل کر دعا کرنے کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر کہیں منع منقول نہیں یہ صرف اس لئے کہ ایسا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں منقول نہیں کہاں ہیں وہ جو کہتے ہیں کہیں منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ۔

یکرہ الدعا عند ختم القرآن بجماعۃ لان ھذا لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]

(ترجمہ) ختم قرآن کے وقت مل کر دُعا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔

ماثورہ دُعائیں اس نیت سے جہراً پڑھنا کہ لوگ انہیں سیکھ لیں یہ تو جائز ہے لیکن تعلیم کی نیت کے بغیر انہیں جہراً پڑھنا فقہا نے اس سے بھی منع کیا ہے وجہ ذکر کی ہی ہے۔

---

[1] فتاوے عالمگیری ج ۵ ص ۳۱۶ [2] ایضاً

اذا دعا بالدعاء الماثور جهراً ومعه القوم ایضا لیتعلموا
الدعاء ولا باس به واذا تعلموا حینئذ یکون جهر القوم بدعة[1]

(ترجمہ) جب کسی نے بلند آواز سے دعائے ماثور پڑھی اور اس کے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو اسے سیکھیں تو اس میں حرج نہیں اور جب انہوں نے یاد کرلی تو اب یہ جہر بدعت ہو جائے گا۔

اب بارھویں صدی میں آگے چلئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) بارھویں صدی کے مجدد ہیں آپ کے زمانے میں اہل بدعت بدعت فی الاعمال سے آگے بڑھ کر بدعت فی العقائد میں داخل ہو چکے تھے اور عرب کے مشرکین کے ساتھ ایک صف میں آ گئے تھے گو انہوں نے اپنے لئے ابھی کوئی علیحدہ نام اختیار نہ کیا تھا اپنے آپ کو اہل سنت ہی کہتے تھے لیکن قبروں اور آستانوں پر ڈیرے لگائے وہی تصورات قائم کئے بیٹھے تھے جو مشرکین عرب اپنے بتوں کو واسطہ عون الٰہی سمجھ کر قائم کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ نے ان پہلوں کو مشرکین اور دعوے اسلام کے ساتھ ان راہوں پر چلنے والوں کو محترفین کا نام دیتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

"اگر در تصویر حال مشرکین واعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان اہل زمانہ خصوصاً آنانکہ باطراف دارالاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ .... بر قبور و آستانہا میروند و انواع شرک بعمل آرند"[2]

(ترجمہ) اگر تو مشرکین اور ان کے اعمال کے بارے میں کچھ رکے تو اس زمانے کے جاہل عوام کو دیکھ لو خصوصاً ان کو جو اطراف دارالاسلام میں مقیم ہیں ان کا اولیاء کے بارے میں کیا گمان ہے اور ان کے درجات انہیں کہاں لے جاتے ہیں حالانکہ وہ پہلے اولیاء کرام کو مانتے تھے لیکن اس زمانے میں ولیوں کا وجود ناپید سمجھتے ہیں قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے اعمال شرک عمل میں لاتے ہیں۔

محترف پھر جانے کو کہتے ہیں دوسرے روپ میں آنے کو جنس بدلنے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے مسلمان ہو کر اور پھر سنی مسلمان کہلا کر مشرکین کی اداؤں میں آجانا جنس بدلنا نہیں تو اور کیا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے ان محترفین کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ

---

[1] فتاوی عالمگیری ج ۵ ص۳۱۹ [2] الفوز الکبیر ص۱۲ عربی ص۳

حضرت شاہ صاحب کے وقت میں بریلویت (وسیع مفہوم میں) اپنے پورے پھیلاؤ سے موجود تھی
فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت ان جہلاء و مشرکین کو علماء کے کسی گروہ کی سرپرستی حاصل نہ تھی
ابوالفضل اور فیضی نے اپنے کوئی جانشین نہ چھوڑے تھے جو ان کے نظام کو آگے چلاتے اور ان
جاہلوں کو کچھ علمی راہیں بتاتے اور کہتے کہ ہم یہ سارا کاروبار عطائے الٰہی کی اوٹ میں کرتے ہیں
اس قسم کی باتیں بتلانے والا کوئی اعلیٰ حضرت اس وقت نہ تھا یہ محنت انگریزی حکومت کے کھاتے
میں جاتی ہے کہ ان کے عہد میں مولانا احمد رضا خاں نے اعلان کیا ـــــــ

جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی (الامن والعلیٰ ص [illegible])

مجوزین کے وظیفے کیا تھے بزرگوں کو پکار کر شیئاً للہ کی صدائیں دینا ـــ مانگنا
الٰہی سے اقرار اللہ کو وسیلہ بنانا ـــــ اور لوگوں کو بتانا کہ ہم بزرگوں کو وسیلہ مانتے ہیں اور عقیدہ
یہ رکھنا یہ بزرگ وسیلہ نہیں یہ تو دینے والے ہیں وسیلہ تو خدا ہے جس کے نام پر یہ دیتے ہیں
سو حقیقی حاجت روا تو یہی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک شریعت کا ثبوت صرف نقل و استنباط سے ہی ہو سکتا ہے۔
(اس قسم کے رجحانات اور جاہلی احساسات سے نہیں۔ فتوے دینا حدیث اور فقہ کے ماہرین کا کام ہے یہ
مزاروں کے ملنگوں اور جاہل صوفیوں کا کام نہیں۔ شریعت اس طرح سے قائم کرنا کہ اس پر کہیں منع وارد
نہ ہوئی ہو محض جہالت ہے۔ شریعت صرف نقل (روایت) اور استنباط (فقہ) سے پہچانی جاتی ہے
اور اس میں اسلاف کی راہ دیکھنے سے چارہ نہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم
ترجمہ۔ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا یہ راہ ہے ان لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامة اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون
اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین و
ھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی
حسن ذلک لان الشریعة لا تعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل ٦

یستقیم الا بان یاخذ کل طبقۃ عمن قبلها بالاتصال ولا بد فی الاستنباط ان یعرف مذاهب المتقدمین لئلا یخرج من اقوالهم فیخرق الاجماع ویبنی علیها ویستعین فی ذالک بمن سبقه۔ حجۃ اللہ البالغہ

ترجمہ: امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں تابعین نے صحابہؓ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء اپنے سے پہلوں پر اعتماد کرتے چلے آئے ہیں اور عقل بھی اس کی تحسین کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی تو پہچانی جاتی ہے اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں ہوتی کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا ہے (اسناد میں کہیں انقطاع نہ ہو) اور استنباط میں بھی اپنے سے پہلوں کا علم ضروری ہے تاکہ انسان کہیں ان کے قول سے باہر نہ جا نکلے اور اجماع کو نہ توڑ دے ـــ اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے سے پہلوں پر اپنی بات مبنی کرے اور استنباط میں ان لوگوں سے مدد لے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔

ہمارے حق میں آپ کو ہر جگہ یہی آواز سنائی دے گی کہ مسائل پہلوں سے لیے جاتے ہیں اور ان کی پیروی کی جاتی ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کی راہ ہے اور اگر کوئی مسئلہ منصوص نہ ملے تو اسے مجتہد کسی منصوص پر قیاس کرے گا اپنی طرف سے کوئی راہ تجویز نہ کرے گا ـــ یہ اصول مولانا احمد رضا خان کا ہو سکتا ہے کہ مسائل میں صرف دیکھو کہ کہیں اس پر منع تو وارد نہیں ہوئی اگر نہ ملے تو ایسا جس چیز کو چاہو دین بناؤ اور مسائل جو چاہو وضع کرو کوئی پوچھے کہ عہد صحابہؓ میں یہ بات کب تھی تو کہہ دو کہ اس سے منع تو نہیں کیا، تم کون ہو منع کرنے والے؟

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وصیت نامہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

سوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آنست کہ غیر تعزیت ورثہ میت تا سہ روز و اطعام ایشاں یک شبانہ روز ہیچ نباشد۔[1]

---

[1] مجموعہ وصایا اربعہ ص۲۹

ترجمہ: تیجہ، چالیسواں، چھ ماہی فاتحہ اور برسی یہ سب باتیں عرب میں پہلے دور میں نہ تھیں، میت کے وارثوں کی تین دن تعزیت کرنے اور انہیں ایک دن رات کھانا بھیجنے کے سوا کوئی اور رسم نہ ہونی چاہیئے۔

تیرھویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی نہ کنند۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں:۔

انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگوں کو پہنچائے لیکن اس کام کے لیے کوئی وقت اور ماہ و برس مقرر کرنا بدعت ہے۔۔۔ جس چیز کے بارے میں صاحب شرع کی جانب سے ترغیب اور تعیین وقت کی ثابت نہیں وہ بدعت ہے اور خلاف سنت ہے [1]

تیرھویں صدی تک شریعت کا اصل یہی سمجھی جاتی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔ یہ نہیں کہ اس پہ منع وارد نہ ہو۔ اعمال طاعت میں یہ بات آپ کو اسلام کی تیرہ صدیوں میں کہیں نہ ملے گی۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے یہ اصول صرف شرک و بدعت کو فروغ دینے کے لیے گھڑے ہیں۔ اور یہ چودھویں صدی کا تحفہ ہے۔

اب آیئے پھر آپ کو تیرھویں صدی میں لے چلیں نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ سے ان کے وقت کے محرفین کا حال سن لیں آپ لکھتے ہیں:۔

آنچہ جہاں می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست شرک و کفر است [2]

ترجمہ: یہ جو جاہل کہتے ہیں اے شیخ عبدالقادر مجھے کچھ خدا کے لئے دے اور اے خواجہ شمس الدین پانی پتی مجھے کچھ خدا کے لئے دے اس طرح ان سے مانگنا جائز نہیں شرک اور کفر ہے۔

ان محرفین کا یہ شرک بتوں کے گرد نہیں قبور و مزارات کے گرد گھومتا تھا کہیں یہ پیروں کے گھروں کا طواف کرنے لگتے کہیں وہاں سجدے کرتے ان پر چراغ جلاتے اور عیدوں کی طرح وہاں۔۔۔ اجتماع کرتے اور کہتے یہ عرس کے دن ہیں حضرت قاضیؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] فتاوے عزیزی ص۔ [2] ارشاد الطالبین ص۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً [1]

ترجمہ: یہ جو جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں پر سجدے اور طواف کرتے ہیں یہ جائز نہیں وہاں مسجدیں بنانا اور ان پر چراغ جلانا اور عیدوں کی طرح وہاں سالانہ اجتماع کرنا جس کا یہ لوگ عرس نام رکھتے ہیں جائز نہیں ہے۔

شیعہ تو تعزیے بناتے ہی تھے اب ان نام نہاد سنیوں نے بھی تعزیے بنانے شروع کر دیئے ملتان اور   میں ابھی تک بعض سنی کہلانے والے تعزیے نکالتے ہیں اور ملنگ بنتے ہیں پھر ان ملنگوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں یہ سبھی شیعہ نہیں ہوتے تیرھویں صدی میں جلالی اور مداری ملنگ حضرت جلال الدین   اور حضرت شاہ مدار کے نام سے اپنی اپنی گروہ بندی کئے ہوئے تھے لیکن ابھی یہ امت بریلوی نام کے نیچے جمع نہ ہوئی تھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جنہوں نے اپنے وقت میں اثنا عشری شیعوں کا بہت علمی اور تحقیقی نوٹس لیا ہے وہ ان محترفین یعنی بہروپیوں سے بے خبر نہ تھے آپ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں و مجاوران قبور و جلالیان و مداریاں [2]

ترجمہ: اور مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا یہی حال ہے جیسے (سنی) تعزیہ ساز اور قبروں کے مجاور اور جلالی اور مداری سلسلوں کے ملنگ اور فقیر۔

تفسیر عزیزی میں آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

بعضے پیر پرستان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت کنند و در وقت احتیاج بہ ہمیں اعتقاد با آنہا استعانت می نمایند

---

[1] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۵ [2] فتاوے عزیزی ج ۱ ص ۱۳۲

مسلمانوں میں بعض پیر پرست اپنے پیروں کے حق میں یہ پہلو بات ثابت کرتے ہیں
بضرورت کے وقت اسی اعتقاد سے ان سے مدد مانگتے ہیں۔

تیرہویں صدی کے سب سے زیادہ فقہی سرمایہ حضرت علامہ طحطاوی اور علامہ ابن عابدین شامی ہیں دونوں حضرات نے درمختار کی جلیل القدر شرحیں لکھی ہیں علامہ شامی نے کہیں کہیں طحطاوی کا ذکر بھی کیا ہے۔ درمختار میں ہے۔

ان الصحیح من مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحۃ رای المعتزلۃ لان العصمۃ من جملۃ الاحکام الشرعیۃ۔[1]

ترجمہ: صحیح مذہب اہل سنت یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کرنا ہے (جب تک کہ شریعت اس کی اجازت نہ دے) اور مباح ہونے کو اصل ٹھہرانا یہ معتزلہ کی رائے ہے کیونکہ (دین کا) معصوم ہونا (کہ اس میں غلطی داخل نہ پا سکے) ان احکام کی شان سے جنہیں شریعت نے جائز کیا ہو۔

نماز استسقاء میں خطبہ نہیں۔ درمختار کے اس قول پر ولا خطبۃ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں۔

جماعاً من اصحابنا لانہ لم ینقل فیہا اثر[2]

ترجمہ: ہم حنفیہ کے ہاں اجماعاً اس میں خطبہ نہیں کیونکہ اس کا ثبوت صحابہ سے کہیں نہیں ملتا۔

شریعت نے خطبہ سے کہیں منع تو نہیں کیا قرآن و سنت میں، اور یہ کہیں منع وارد نہیں لیکن علامہ طحطاوی اسے جائز نہیں کر رہے۔ جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں کی رائے ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ شریعت کا ثبوت روایت سے ہوتا ہے۔ صرف یہ نہیں کہ اس سے روکا نہ گیا ہو۔ مباح شرعی وہ ہے جس کی اصل شریعت میں موجود ہو۔

لنا تعرف اباحۃ المباح الا بقولہ او فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ: مباح شرعی کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے بغیر کہیں سے نہیں ہو سکتا۔

---

[1] درمختار جلد ۴ صفحہ ۲۵۹ مع الطحطاوی [2] طحطاوی شرح درمختار جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ [3] طحطاوی رکی جلد ۱ صفحہ

یہ مباح شرعی کا درجہ ہے اس پر عمل تھی ہے کہ اسے بجالانے والا اسے کارِ ثواب نہ سمجھے نہ اسے گناہ جانے ——— اب آپ دیکھیں گیارہویں دینے والے یا اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کرنے والے اسے کارِ ثواب سمجھتے ہیں یا نہ ؟ اگر وہ اسے کارِ ثواب اور نیکی سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں، تو یہ ان کی نیت کی رو سے ہرگز امر مباح نہ رہا۔ وہ اسے مستحب سمجھ کر عمل میں لا رہے ہیں اور اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ درمختار میں ہے :

والمباح ما اجیز للمکلفین فعله وترکه بلا استحقاق ثواب وعقاب

نعم یحاسب علیه حسابا یسیرا۔

ترجمہ: اور مباح وہ ہے جس کا کرنا بغیر کسی امید ثواب کے اور نہ کرنا کسی اندیشہ پکڑ کے مکلفین کے لیے جائز رکھا گیا ہو۔ ہاں یہ ہے کہ اس کا بھی کچھ حساب دینا پڑے گا۔

اس پر علامہ طحطاوی لکھتے ہیں :-

هذا اذا لم تصرفه النیة الی العبادة او المعصیة۔[1]

ترجمہ: یہ مباح تب ہے کہ نیت اس کے عبادت ہونے یا گناہ ہونے کی طرف اسے نہ لے جائے۔

علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۵۲ھ) نے بھی کئی ان امور کو جن پر شریعت میں منع وارد نہیں بدعت اور ناجائز کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی تک علمائے حق کی یہ آواز تھی کہ شریعت وہی ہے جو اثر و نقل سے ہم تک پہنچے، یہ نہیں کہ جس پر قرآن و سنت میں کہیں منع وارد نہ ہو۔ کسی امر کا منع نہ ہونا ہرگز ہرگز اس کی دلیل جواز نہیں ہے۔ شامی سے سات آٹھ مثالیں ملاحظہ کیجئے :-

① ——— بعض خطیب جمعہ اور عیدین کے دوسرے خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرتے تھے۔ قرآن و سنت میں اس پر کہیں دلیل منع وارد نہیں نہ کسی جگہ اس عمل کا ذکر ہے اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں :-

ما یفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جهة الیمین وجهة الیسار

---

[1] طحطاوی جلد ۱ صفحہ ۱۹

عند الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ لم ار من ذکرہ والظاھر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوھم انہ سنۃ[1]

ترجمہ: بعض خطیب جو دوسرے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ پڑھتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرتے ہیں اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا اور ظاہر ہے کہ یہ بدعت ہے اسے چھوڑ دینا چاہیے تاکہ کہیں اس کے سنت ہونے کا گمان نہ ہو۔

(۲) —— بعض خطیب دوسرے خطبہ میں منبر کے نیچے سیڑھی پر آ جاتے تھے۔ اس پر شریعت میں کہیں دلیل منع وارد نہیں۔ نہ حدیث میں کہیں اس عمل کا ذکر ملتا ہے اس پر بھی علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الی درجۃ سفلیٰ ثم العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ۔[2]

ترجمہ: یہ جو عادت پڑ گئی ہے کہ خطیب دوسرے خطبہ میں نچلی سیڑھی پر آ جائے اور پھر اوپر چلا جائے یہ بڑی بری بدعت ہے۔

(۳) —— اسلام میں مصافحہ کرنا سنت ہے۔ اب مصافحے کو با جماعت نماز ملا دینا اور نمازوں کے بعد اسے باقاعدہ عمل میں لانا شریعت میں کہیں اس پر منع اور نکیر موجود نہیں اب اگر کچھ لوگ اسے نیکی سمجھتے ہوئے اسی وقت خاص میں باقاعدہ بجا لائیں تو یہ صحابہؓ سے منقول نہ ہونے کے باعث مکروہ کہلائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ اسے کہیں منع نہیں کیا گیا اس لیے ضرور جائز ہونا چاہیے۔

(۴) —— رمضان کے علاوہ وتروں کی جماعت کہیں ثابت نہیں۔ نہ اس پر کہیں منع وارد ہے اب کیا اسے اس لیے جائز کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کہیں روکا تو نہیں گیا علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث۔[3]

وتر کی جماعت اگر ہمیشہ کی جائے تو بدعت مکروہہ ہوگی کیونکہ سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۵) —— رجب کے پہلے جمعہ پر لوگ صلوٰۃ رغائب پڑھنے لگے۔ فقہا نے اسے مکروہ

---

[1] ردالمحتار جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ [illegible] [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ [illegible]

قرار دیا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

انها بدعة وما يحتاله اهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل [1]

ترجمہ: بے شک یہ بدعت ہے اور اہل روم جو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اس کی نذر مان لو تاکہ یہ نفل نہ رہے اور مکروہ نہ ٹھہرے تو یہ بھی غلط ہے۔

(۶) —— قرآن کریم میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم وارد ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس عمل مستحب کو اگر کسی خاص وقت اور ہیئت سے خاص کرے جس پر شریعت میں کوئی دلیل موجود نہیں تو یہ عمل اس وقتِ خاص سے مخصوص کیے جانے کے سبب ناجائز اور مکروہ ہو جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

کسی ذکر کو کسی وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ناجائز ہے۔

(۷) —— نماز وتر میں یاد نہ رہا کہ دوسری رکعت ہے یا تیسری۔ اب وہ اسے تیسری قرار دے کر دعائے قنوت پڑھ لیتا ہے۔ آخری التحیات کے بعد ایک رکعت اور پڑھتا ہے اور اس میں بھی قنوت پڑھتا ہے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیتا ہے۔ شریعت میں دوسری رکعت میں قنوت پڑھنے پر کہیں منع وارد نہیں، باایں ہمہ ایک قول میں اسے بدعت کہا گیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

وقيل لا يقنت لان القنوت فى الثانية بدعة [2]

اور کہا گیا ہے کہ قنوت نہ پڑھے دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ مسئلہ ہے اور معاملہ بدعت اور واجب میں دائر ہے اس لیے وہ تیسری رکعت سے پہلے بھی قنوت پڑھ لے تو جائز ہے پھر آخری میں نہ پڑھے۔ لیکن معاملہ جہاں بدعت اور مباح میں دائر ہو وہاں بدعت کو ترک کرنا چاہیے۔

(۸) —— اسلام میں قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے لیکن قرآن کریم کو بطور عبادت پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں۔ قرآن کریم پڑھ کر جو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے یہ پڑھنا عبادت کی نیت سے ہو تبھی اس پر ثواب مرتب ہوگا اور اسی ثواب کا ایصال کیا جا سکے گا۔ اب اگر کوئی شخص اجرت

---

[1] رد المحتار جلد ۲ ص ۱۲۱ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۵

پر قرآن پڑھے یا پڑھائے اور اس کا ایصال ثواب کرے جیساکہ آج کل لوگ کرتے ہیں، تو گو اس پر شریعت میں کوئی دلیل منع وارد نہیں، مگر اس لیے کہ یہ صحابہؓ کا عمل نہیں رہا، فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان ما شاع فی زماننا من قرأة الاجزاء بالاجرة لا یجوز لان فیه الامر بالقرأة واعطاء الثواب للآمر والقرأة لاجل المال ...... والاجارة فی ذلک باطلة وهی بدعة ولم یفعلها احد من الخلفاء[1]

ترجمہ: ہمارے زمانے میں جو اجرت پر سیپارے پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں ایک شخص پڑھنے کا کہتا ہے اور پڑھنے والا مال کے لئے پڑھتا ہے اور ثواب اسے دے دیتا ہے یہ اجارہ باطل ہے اور یہ بدعت ہے اور خلفاء کرام میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔

علامہ شامی کی یہ تصریحات بتلاتی ہیں کہ وہ ہرگز اس بات کے قائل نہ تھے کہ کسی تعبدی امر میں (وہ کام جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) دلیل منع موجود نہ ہو تو یہی اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے تعبدی امور میں صحابہؓ سے نقل کی ضرورت ہے۔ جو چیز صحابہؓ سے منقول نہیں وہ مسلمان کے لیے ہرگز دین نہیں ہو سکتی۔

مباح رہ امور میں جو نیکی سمجھ کر نہیں کئے جاتے ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ ان پر مواخذہ نہ ہو گا۔ وہ مباح ہیں مگر انہیں کبھی تعبدی امر سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ ختم گیارہویں کی پابندی کرنے والے اسے نیکی سمجھ کر کرتے ہیں یا اسے محض مباح سمجھتے ہوئے بجالاتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ کریں گے معاف کر دیں گے، وہ اسے مباح سمجھ کر کرتے ہیں یا مستحب سمجھ کر؟

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے

تیرہویں صدی کی بدعات کے گہرے سائے آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دور کے جلالیوں اور مالداروں میں دیکھ لیے ہیں۔ علمائے حق نے اس دور کے عرسوں اور ختموں کے مکروہ نقشوں کو واضح الفاظ میں بدعات اور جہالت قرار دیا ہے علامہ شامیؒ جیسے جلیل القدر مفتی اعظم کی

---

[1] رد المحتار جلد ۶ صفحہ ۵۶

تصریحات آپ نے دیکھ لیں۔ اب آپ کے لیے یہ سمجھنا کچھ مشکل کام نہیں کہ علمائے دیوبند اسی فقہی موقف پر ہیں جو اہلِ علم کی ان تیرہ صدیوں کی علمی میراث ہے اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام کے تعبدی امور میں (جنہیں نیکی سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے) نقل کی ضرورت ہے۔ یہ بات نہیں کہ اس کے خلاف دلیلِ منع تلاش کی جائے جو نہ ملے تو حیث اس کو دین میں شامل کر لیا جائے اور اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ متفق علیه[1]

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز داخل کی جو اس میں سے نہیں تو وہ چیز مردود ہے۔

علامہ شامی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء نے بلکہ کچھ دوسرے مسالک کے علماء نے بھی فرض نمازوں کے بعد مصافحہ کی عادت کو ناجائز ٹھہرایا ہے ـــــ مصافحہ اپنی اصل میں سنت ہے لیکن اس کا اس خاص موقعہ پر ماثور نہ ہونا اس بات کے لیے کافی ہے کہ اسے ناجائز ٹھہرایا جائے مطلق مصافحہ ثابت ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے کسی خاص وقت اور خاص ہیئت سے لازم ٹھہرانا یہ بھی جائز ہے۔ ایسے خلافِ شرع التزام سے لوگ اسے سنت سمجھنا شروع کر دیں گے اور ظاہر ہے کہ پھر یہ عمل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک افتراء ہوگا۔ مفتیٔ اعظم حضرت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوة مع ان المصافحة سنة وما ذاك الا لكونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العوام بانها سنة فیه۔[2]

اس عبارت میں لكونها لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع کے الفاظ قابلِ غور ہیں اور یہ شریعت کی اصل اصیل ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے: یہ اس لیے کہ مصافحہ کا اس خاص موقع پر ماثور ہونا ثابت نہیں ـــــ معلوم ہوا دین وہی ہے جو اوپر سے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے منقول ہو ـــــ یہ نہیں کہ کہا جائے: اس خاص عمل سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا، مسئلہ کی دلیل یہی ٹھہرا لی جائے کہ اس پر کہیں منع وارد نہیں ـــــ (استغفر اللہ)

۱؎ مشکوٰۃ صفحہ ۲۷ ۲؎ ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۸۴

شریعت کا کوئی موضوع (وہ مستحب درجے کا ہی کیوں نہ ہو) اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک اس پہ کوئی نقل وارد نہ ہو مباح نیکی کے کسی درجے کا نام نہیں نیکی اور طاعت کا کوئی درجہ ہو اس کے لیے ثبوت درکار ہے. مانع سے دلیل مانگنا علمی دنیا میں کوئی وزن نہیں رکھتا.

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھا کرتے تھے. ان کی سنیت سے کسی کو انکار نہیں. اسے اگر اس سے ذرا اوپر وجوب میں لے جائیں تو یہ شریعت میں ایک بے جا دخل ہوگا. استحباب، سنیت، وجوب، فرضیت اور رکنیت شریعت سے ثابت ہوگی نہ کہ اس سے کہ قرآن و سنت میں اس پر کہیں منع وارد نہیں علامہ شامی لکھتے ہیں:

ولكن لا يواظب على ذلك كي لا يؤدي الى هجر الباقي ولئلا يظنه العامة حتماً[1]

ترجمہ: نماز جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پر ہمیشگی نہ کرے کہ دوسرا حصہ قرآن بالکل ہی چھوٹ جائے اور اس لیے بھی کہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں.

یہ احتیاط اس چیز کے بارے میں ہے جو شرعاً ثابت تھی. اس سے آپ ان بدعات اور منکرات کا اندازہ لگائیں جن کا سرے سے کوئی وجود نہیں اور آج امت کے ایک طبقہ جہلاء نے اسے حق اور باطل کا معیار سمجھ رکھا ہے جو نہ کر پائے اسے معلوم نہیں کن کن القابات سے نوازا جاتا ہے. علامہ شامی کی اس تحریر سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایسے امور میں عوام کا لحاظ ضروری ہے خواص کا نہیں جو پہلے ہی سمجھے ہوتے ہیں.

خواص (ان کے کام) کسی چیز کو واجب نہ سمجھیں لیکن اگر عوام اسے ان پابندیوں سے بجا لائیں جو فرض اور واجب میں ہوتی ہے تو اس کے بارے میں فتوے دیتے ان کے عوام کو پیش نظر رکھا جائے گا نہ کہ خواص کو. یہیں سے علماء حق امت محمدیہ کو ان فتنوں سے بچانے اور بدعات سے ہٹانے کے پابند ہیں

---

[1] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۱۲۳

خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سرفہرست ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی دور کے ہیں جب تک مولانا احمد رضا خاں نے لوگوں کو اپنے دین و مذہب پہ چلنے کی دعوت نہ دی تھی، وہ خود اس بات کے قائل تھے کہ ضعیف حدیث سے کسی بات کا طریق سنت پہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور جن امور پہ عمل عہد صحابہؓ سے مسنون ہے وہ سب لائق ترک ہیں۔ دیکھئے آپ لکھتے ہیں:۔

ان الاستنان لایثبت بالحدیث الضعیف۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۱

ترجمہ: کسی بات کا طریق سنت ہونا ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں سنن و نوافل کے بعد کی جانے والی اجتماعی دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

سنن و نوافل سے فارغ ہو کر امام کا جماعت کے ساتھ دعا مانگنا کہیں منقول نہیں یہ طریقہ لائق ترک ہے۔[1]

مولانا احمد رضا خاں نے مزارات اولیاء پہ عورتوں کی حاضری کو ممنوع قرار دیا ہے:۔

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پہ جانے کی ممانعت ہے۔[2]

ایک اور جگہ پہ لکھتے ہیں:۔

خبردار! جب وہ (کسی قبر پہ) جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتے اس پہ لعنت کرتے ہیں اور جب گھر سے چلتی ہے سب طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پہ آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[3]

مگر جب ہندوستان میں تحریک خلافت چلی اور حضرت شیخ الہندؒ انگریزوں کے خلاف میدان میں نکل گئے تو انگریزوں نے ضرورت محسوس کی کہ سب ہندوستان میں سواد اعظم اہلسنت کو آپس میں تقسیم کر دیا جائے تاریخ کے اس سیاسی موڑ پہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنا دین و مذہب مرتب کیا اور اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اس پہ چلنا سب فرضوں سے بڑا فرض ہے۔ یہ حقیقی بریلویت کی ابتدا

---

[1] فتاویٰ مولانا احمد رضا خاں رسالہ [illegible] فی حکم الدعا بعد المکتوبات [2] احکام شریعت جلد ۲ صفحہ ۔۔

[3] فتاویٰ رضویہ صفحہ ۔۔

بدعت اپنے آخری اسٹیشن پر

اس وصیت کے نتیجے میں مسلمانوں میں کیا کیا رہا؟ ایک مذہب نے رہنمائی ہو، اس سے اس وقت کی حکومت کو فائدہ نہیں کر سکتا، اہل بدعت کا چودہ سو سالہ کا نقشہ جہالت اور بدعت و شرک کے سمندروں میں انکی غوطہ زنی آپ کے سامنے ہے سُنی مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا طبقہ جہالت کے اندھیروں گھرا شرک و بدعات میں سرگرداں ہے اور علماء حق اہل السنت والجماعت انہیں ہر دور میں ان بدعات سے روکتے اور ٹوکتے رہے ہیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ابھی ان محترفین اور شرک و بدعات کے مرتکبین کو علماء کے کسی گروہ کی سرپرستی حاصل نہ ہوئی تھی چودھویں صدی کا یہ انتہائی افسوسناک اور افسوسناک پہلو ہے کہ اس میں ان جہال اہل بدعت کو علماء کے ایک گروہ کی سرپرستی حاصل ہوگئی ہے اور نچلی سطح پر اہل سنت دو حصوں میں بٹ گئے ہیں اور پھر یہ وقت بھی آگیا ہے کہ علماء دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعت دو حصوں میں

چودھویں صدی میں اہل سُنت مستقل طور پر دو حصوں میں بٹ گئے ایک طبقہ باوقار اور پرہیزگار علماء کا تھا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ و متبعین کے طریقے پر تھا اور دوسرا جہلاء اہل بدعت کا جو قبر پرستی اور پیر پرستی میں گھرے مسلمانوں میں پھرے ہندو نظریات لا رہے تھے اور جاہل مسلمانوں کی اصلاح کی بجائے انہیں ان کے شرک و بدعت پر علمی استناد مہیا کر رہے تھے تاریخ کا یہ وہ سیاہ دور ہے جس کی کوکھ سے دیوبندی بریلوی اختلافات نے جنم لیا لیکن ہنوز شرک و بدعت کی ان کارروائیوں پر بریکٹ کا سہرا نہ بندھا تھا

کیا یہ سب اہل بدعت اسلام سے نکل چکے تھے

ان جہلاء اہل بدعت میں کونسی بات اسلام کی رہ گئی تھی جو انہیں مسلمان سمجھا جا سکے وہ صرف اسلام سے ایک اصولی نسبت تھی اور اسی جہت سے انہیں خدا اور اس کے رسولؐ کا اقرار کرنے والا کہا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ کھلم کھلا اسلام سے نکل جائیں

اور دوبارہ بندہ دین جائیں اس لئے اس نے انہیں ایسی طرف لگا دیا کہ یہ عملی الاعلان تبدیلِ ملت کریں اور نہ اکیلے خدا کو پکارنے کا شرف پائیں کیونکہ یہ دولت انہی کو ملتی ہے جو پاکیزہ باطن ہوں اور جو حرام خور اور خبیث النفس ہوں وہ ان قبروں سے ہی مانگتے رہیں توحید سے کٹ جانے والوں کی یہی سزا ہے۔

حضرت شیخ احمد بن مبارک بارھویں صدی کے مشہور بزرگ گزرے ہیں انہوں نے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ سے ان لوگوں کی قبر پرستی کے بارے میں پوچھا —— "لوگ بجائے اللہ کے بندوں کو پکارنے میں کیوں مصروف ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی کھاتا ہے تو کہتا ہے فلاں بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ یا حضرت یعزی؛ ابولیعزی مغربی؛ یا حضرت ابوالعباس سبتی (۱۱۸۱ء) کی قسم اسی طرح اگر کسی کو قسم دلاتا ہے تو کہتا ہے فلاں بزرگ کی قسم کھاؤ اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو بھیک مانگتے ہوئے کسی بزرگ کا نام صراحتہً لیتا ہے یہ لوگ قطعی طور پر اللہ تعالیٰ سے کٹ چکے ہوتے ہیں اگر انہیں کہا جائے کہ اللہ کی رحمت کو وسیلہ بناؤ یا کہا جائے کہ اللہ کی قسم کھاؤ تو ان پہ کچھ اثر نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے؟"

حضرت شیخ عبدالعزیز بن دباغ نے جواباً ارشاد فرمایا:

بعض اولیاء اللہ جو اہلِ دفتر ہیں جب دیکھا کہ لوگوں کی ذات میں ظلمت کی کثرت ہے اور وہ لوگ کثیر ہیں جو اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ان کا وجود خبیث ہو چکا ہے تو انہوں نے ارادۃً لوگوں کو اس طرف لگا دیا ہے یہ اولیاء اہلِ دفتر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو صرف وہی لوگ پکاریں جو پاکیزہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے بشرطیکہ دعا کے وقت وہ ہر طرف سے کٹ کر اس طرف آجائے۔

اس شخص کی دعا دو طرح سے پوری ہوتی ہے یا تو اس کی مراد اسے دے دی جاتی یا مراد پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کو راز اسے بتا دیا جائے اللہ سے دور اور محجوب لوگوں کو یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اگر کوئی اندھیروں سے بھرے ہوئے لوگ اپنے تمام جواہر اور رگوں سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ مانگیں اور وہ انہیں ان کی مراد نہ دے اور وہ گندے لوگ اس قابل بھی نہ ہوں کہ انہیں اس مراد کے نہ دینے کا راز کھول دیا جائے تو ہو سکتا ہے

ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق شبہات پیدا ہونے لگیں اور وہ اس مراد کے پورا نہ ہونے سے بڑھ کر ایک اور مصیبت میں مبتلا ہو جائے کہ ایمان بھی جائے۔ تو ان اولیاء نے جو اس نظام پر مامور ہیں مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان حاجتوں کو اُدھر سے ہٹا کر ان بزرگوں کی طرف لگا دیا جائے کہ اگر انہیں کبھی ان کی ولایت میں شبہ ہو جائے تو انہیں اس کا کوئی زیادہ نقصان نہ ہو یعنی ایمان تو نہ جائے، کافر تو نہ ہو جائے۔

توحید سے کٹ جانے والوں کے دلوں میں اندھیروں کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک شخص بیس روپے گھر سے لے کر نکلتا ہے اور کسی ولی کی قبر پر جاتا ہے اور بیس کے بیس وہاں قبر کے صندوق میں ڈال دیتا ہے کہ ان کی حاجت پوری ہو جائے مگر رستہ میں اسے کئی ایک غریب ملے ہیں جو اللہ کو مال اللہ کے نام پر مانگتے ہیں مگر وہ انہیں کچھ نہیں دیتا اور ولی کی قبر پر پہنچ کر سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور یہ نہایت بری بات ہے اس لئے کہ اللہ کے نام پر اس کی خوشنودی اور اس کی عزت کے لئے نہیں دیا گیا ___ اگر یہ اللہ کے نام پر دینا تھا تو جو محتاج اسے رستے میں ملا تھا اسے بھی دے دیتا لیکن جب صدقہ اپنے کا محرک اور سبب ایک خاص غرض ہے تو اس نے ایک خاص جگہ کو صدقہ دینے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس جگہ دینے سے ہی نفع ہو گا اور جگہ پر دینے سے یہ صاحبِ قبر تو خوش نہ ہوں گے[1]

پھر آگے شیخ نے دو اسباب لکھے ہیں جو اللہ سے منقطع کرنے والے ہیں پہلا سبب نیک لوگوں کو کسی دنیوی غرض سے یہ دینا ہے اس میں اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی دوسرا سبب اللہ والوں کے پاس جا کر اللہ کا وسیلہ ڈالنا ہے تاکہ ان کی مراد پوری ہو۔

چنانچہ زائر کہتا ہے کہ اے فلاں بزرگ تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری فلاں ضرورت پوری کر دیں یہ امر اللہ سے منقطع ہونے کا اس طرح سبب بنا ہے کہ زائر نے مناسب اور ضروری بات کو پلٹ کر معاملہ برعکس کر دیا ہے مناسب تو یہ تھا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے اور اس کے اولیاء کو وسیلہ لایا جائے نہ کہ اس کو الٹا کر دیا جائے (کہ مانگا ان اولیاء سے جائے اور اللہ رب العزت کو درمیان میں وسیلہ ٹھہرایا جائے)

---

[1] کتاب الابریز ص۱۶۳ اردو ص۲۴۲

حضرت شیخ نے اس انقطاع کے بیس سبب بیان کئے ہیں جن میں سے بیسواں خلفائے اربعہ میں فرق کرنا ہے بایں طور کہ بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے خارجیوں اور رافضیوں کی طرح بعض سے تو محبت رکھے اور بعض سے بغض۔ ان میں سے کسی سے بغض رکھنا بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے ۔ [1]

ان لوگوں کو جن کے دل اس طرح خبیث ہو چکے تھے ان اولیاء نے جو نظام باطنی پر مامور ہیں اس طرح خدا تعالیٰ کے حضور سے راندہ کر رکھا ہے اور انہیں ان قبروں اور خانقاہوں پر اس طرح لگا رکھا ہے کہ یہ نہ اسلام سے علی الاعلان نکل سکتے ہیں اور نہ اسلام کا نور توحید ان کے دلوں پر اثر سکتا ہے اس لئے ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت یہی کی جا سکتی ہے کہ ان عوام جہلاء اہل بدعت کو صف اسلام سے باہر نہ کیا جائے ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اہل بدعت کی اصلاح کے لیے جو مجددانہ محنت کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ آپ نے بدعت کو بیخ و بن سے اکھاڑا۔ اپنے متعلقین کو اس بارے میں انتہائی تاکید کی۔

جس طرح ہنیار کو انتہائی مخالفتوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کے سچے جانشین بھی اس راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں حضرت امام ربانیؒ کو اس سلسلہ میں جن حالات سے گزرنا پڑا ان کی ایک پوری تاریخ ہے ۔

اس وقت کے اہل بدعت تحریف دین میں بالکل بے خوف ہو کر جیسے علامہ فیضی اور علامہ ابوالفضل ان کے سرپرست رہے۔ یہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی تحصیل علم کے لیے آئے اور پھر یہیں کی فیض پر یلی منتقل ہو ۔

واحد یار خان آگرہ کی مشہور شخصیات کے بارے میں لکھتا ہے ۔

فیضی اور ابوالفضل اس شہر کے باشندے تھے عبدالقادر بدایونی نے آگرہ ہی میں علم تحصیل کیا۔

یہ بات ہم تفصیل سے کہہ چکے ہیں کہ بدعت کی تاریخ کوئی نئی نہیں بدعت فی العقائد دوسری صدی سے اور بدعت فی الاعمال چوتھی پانچویں صدی سے شروع ہو چکی تھیں علمائے اہل سنت، محدثین اور متکلمین، نے عقائد کے محاذ پر معتزلہ، قدریہ، مرجئہ، روافض اور خوارج وغیرہ سے کامیاب جنگ لڑی اور کتاب و سنت کے گرد نہایت وفادارانہ پہرہ

---

[1] کتاب الابریز ص ۔ اردو ص [illegible] ملخصاً [illegible]

دیا فقہا اور مجتہدین نے بدعت فی الاعمال کے خلاف اسلامی لائحہ عمل کی پوری حفاظت کی اور ایک ایک بدعت کی نشاندہی کی۔

مولانا احمد رضا خان نے جب سر اٹھایا تو ان کا گردو پیش یہی بتا رہا تھا کہ مارہرہ شریف کا آستانہ ہو یا بدایوں کے علماء ہر طرف یہی دور دورہ تھا ان خانقاہوں کے اخلاف اپنے اسلاف سے بیگانہ ہو چکے تھے مگر ابھی تک ان ہلکی نظریات کو کسی نے ایک مستقل دین و مذہب کی شکل نہ دی تھی مولانا اس پہلو سے ایک بڑے حضرت بن کر نکلے کہ انہوں نے ان نظریات کو علمی استناد مہیا کیا باقاعدہ اختلافات کی طرحیں قائم کیں اور پھر بڑی ہوشیاری سے بیرون ملک علماء کے دستخط لے کر علمائے دیوبند کے خلاف فتوے کفر جاری کر دیا

سلسلوم کی آنکھوں میں بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا اسمٰعیل شہید پر کفر کے گولے پھینکے تھے مولانا احمد رضا خاں ان سے پورے متفق ہونے کے باوجود مولانا اسمٰعیل شہید کو اہل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ (کلمہ گو) ہی سمجھتے رہے اور بار بار کہتے رہے علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں اسی میں سلامتی ہے اسی طرح مولانا احمد رضا خاں نے جب علمائے دیوبند پر کفر کے گولے پھینکے ان کے ہم خیال علماء میں سے بھی بہت سے ان سے اتفاق نہ کر سکے ان کا علمائے دیوبند سے بعض مسائل میں تو اختلاف رہا لیکن وہ انہیں دائرہ اسلام میں ہی سمجھتے رہے اور ملت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے میں وہ مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ نہ چل سکے مولانا فضل رسول بدایونی کا زمانہ مولانا احمد رضا خاں کی نسبت مولانا اسمٰعیل شہید کے قریب تھا اور مولانا احمد رضا خان کا زمانہ ان کے اپنے حلقہ عقیدت کی نسبت سے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے قریب تھا معاصرت منافرت کو ابھارتی ہے اسی کا یہ نتیجہ رہا کہ مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل کی تکفیر میں مولانا فضل رسول کا ساتھ نہ دے سکے اور مولانا فضل رسول کے پوتے مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے علمائے دیوبند کی تکفیر میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا۔

مطالعہ بریلویت کے لئے اس صورت حال کو بھی سامنے لانا چاہیئے کہ مولانا احمد رضا خان کے ہم خیال معاصر علماء نے خاں صاحب کے اس فتوے تکفیر کا کیا اثر لیا اور وہ کہاں تک ان سے متفق ہو سکے۔

آئیے ان علماء کا کچھ تعارف حاصل کریں جو انہی حضرات میں سے تھے مارہرہ شریف کے عقیدت مند تھے بدعات کے باب میں نرم گوشہ رکھتے تھے علمائے دیوبند کے بھی خلاف تھے لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کو مستقل چند پردہ گروہوں میں تقسیم کرنے کی محنت میں وہ مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ شامل نہ ہوئے یہ وہ حضرات ہیں جن پر ان کی زندگی میں اور بعد میں بھی کہیں وہابی کا فتوے نہ لگا تھا ان کا علماء دیوبند سے اختلاف اسی طرح رہا جس طرح علماء کے آپس میں اختلاف ہوتے چلے آئے ہیں علماء دیوبند اپنے پیش رو محدثین دہلی کے طرز پر چلے شرک و بدعت کے خلاف انہوں نے خوب کام کیا اور یہ حضرات شرک و بدعت کے ابواب میں کف اللسان ہو کر رہے تاہم انہوں نے تفریق امت اور تکفیر مسلمین کی تحریک میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا اور وہ انگریز حکومت کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے میں آلۂ کار نہ بن سکے

معاصر علماء جو بریلویت پر آمادہ نہ کیے جا سکے

(۱) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بعض نادر تحقیقات اور علمی ترقیقات بعض علماء کو پسند نہ آئیں یا انہوں نے بعض روایات کو کمزور جانا اور نہ چاہا کہ ان سے استدلال کیا جائے تو انہوں نے حضرت کے خلاف رسالہ ابطال اغلاط قاسمیہ لکھا جو ۱۳۰۰ھ میں بمبئی کے ایک مطبع سے شائع ہوا مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا فضل رسول بدایونی کے جانشین مولانا عبدالقادر بدایونی کے بھی اس پر دستخط ہیں ان میں سے کسی صاحب نے مولانا محمد قاسم پر فتویٰ کفر نہیں دیا نہ انہیں ختم نبوت کا منکر کہا لے دے کے بعض عبارات سے لزوم ثابت کیا لیکن ان پر التزام کا بوجھ نہ ڈالا اور نہ امت میں تفریق پیدا کی ہم ان حضرت کے مواخذات سے متفق نہیں ہیں بقول خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی یہ حضرات اس بات کی تہ کو نہ پہنچ سکے تھے جہاں حضرت مولانا محمد قاسم کا طائر فکر پرواز کر رہا تھا تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رسالہ سے مولانا احمد رضا خاں کی آتش غیظ نہ بجھتی تھی وہ فتوے کفر سے کم کسی اختلاف پر نہ ٹھہر سکتے تھے اور وہ فتوے کفر لگا کر رہے

(۲) حضرت میاں پیلی بھیتی نے "رزم شیریں بجواب رزم شیریں" لکھا جو ۱۳۲۲ھ میں انجمن اختر الاسلام پیلی بھیت سے شائع ہوا اس میں صریح طور پر مولانا احمد رضا خاں کے فتوے حسام الحرمین کا رد کیا گیا اس پر مولانا سلامت اللہ صاحب مولانا عبدالغفار خاں صاحب مولانا عبدالصمد صاحب (المعروف بہ اللہ والے) کے دستخط ہیں اس میں مولانا احمد رضا خاں کو علمائے دیوبند کے خلاف صریحاً غلط بیانیوں کا مرتکب بتلایا گیا ہے یہ علماء وہ ہیں جن کے مولانا احمد رضا خاں ہمیشہ نیاز مند رہے تھے اور ان کی وجاہت مولانا احمد رضا خاں سے کہیں زیادہ تھی۔

(۳) مولانا نذیر احمد خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ طیبہ: محمد آباد نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی کتاب براہین قاطعہ کے جواب میں بوارق لامعہ لکھی یہ عالمت کی تائید میں آپ جو کچھ کہہ سکتے تھے کہا اور اس عبارت سے بھی گزرے جسے مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں صریح کفر ٹھہرایا ہے مگر مولانا نذیر احمد صاحب نے ان سے صرف علمی اختلاف کیا مولانا سہارنپوری کو کہیں کفر کا مرتکب نہیں ٹھہرایا نہ ان پر فتوے کفر لگایا نہ کہیں انہیں کسی کفری معنی کا ملتزم کہا بوارق لامعہ براہین قاطعہ کے رد میں پہلے لکھی گئی پھر مولانا عبدالسمیع لاہوری نے انوار ساطعہ لکھی وہ بھی عبارت مذکورہ سے گزرے اور انہوں نے بھی کہیں حضرت سہارنپوری کو کسی کفری عقیدے کا التزام کرنے والا نہیں بتایا۔

مولانا نذیر احمد خاں نے بوارق لامعہ کے ص۲۱ پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں کہا کہ آپ علوم دینیہ کے ناشر اور ایک عالم کو علم دین سے سیراب کرنے والے تھے آپ نے حضرت نانوتوی کو مرحوم بھی لکھا ہے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی ہے۔

(۴) مولانا محمد میاں کچھوچھوی جنہیں علاقہ بمبئی کے بریلوی حضرات محدث اعظم کہتے ہیں انہوں نے ۱۳۵۸ھ کا ۲۰ رمضان کا جمعہ دھوراجی کاٹھیا واڑ کی مسجد فاروقی میں پڑھا وہاں مدرسہ سکینیہ دھوراجی کے صدر مدرس مفتی عبدالعزیز بھی موجود تھے مفتی صاحب مذکور نے محدث اعظم کو کہا کہ امام دیوبندی ہے یہاں سے چلیں مگر محدث نے ان کی ایک نہ مانی وہیں نماز جمعہ ادا کی اسے پھر مولوی حشمت علی صاحب نے اخبارات میں اٹھایا اور اس پر ایک رسالہ ستر یا ادب سواخت

علماء محدث اعظم نے نہ اسکی تردید کی نہ اپنے اس عمل سے کہیں توبہ کا اظہار فرمایا ان کی نگاہ میں احمد رضا خاں صاحب کا فتوے احسام الحرمین اگر صحیح ہوتا تو وہ اس مسجد فاروقی میں دیوبندی امام کے پیچھے کیوں نماز پڑھے۔

۵ — حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ جن کا تعارف محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے ہاشمی میاں نے المیزان کے احمد رضا نمبر کے صفحہ ۲۹۶ پر نہایت مشاندار الفاظ میں کرایا ہے آپ سیال شریف کے خواجہ قمر الدین صاحب کے استاد تھے آپ نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ایک مستقل کتاب تجلیات انوار المعین لکھی ہے اس میں آپ نے صریح لفظوں میں مولانا احمد رضا خاں کے شغل تکفیر سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور ان کی علمائے دیوبند کو کافر ثابت کرنے کی کوششوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا مولانا اجمیری کا علمی مقام مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کہیں زیادہ تھا۔

یہ علماء حق کا ہم نے ذکر کیا ہے اکثر مسائل میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے توحید و سنت کے داعی انہیں علماء اہل بدعت میں ہی شمار کرتے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ یہ حضرات اس گھاٹی پر نہ آسکے جس پر کفر و اسلام کے فاصلے قائم کیے جا سکیں اور من شک فی کفرہ و عذابہ کے فتوے دیئے جا سکیں اس گھاٹی کو سر کرنے کے لیے کسی بڑے حضرت کی ضرورت تھی تفریق ملت کا یہ سہرا مولانا احمد رضا خاں کے سر لکھا تھا اور وہ اس پر بند ہو کر رہا آپ نے حسام الحرمین کے نام سے یہ تلوار چلائی اور وہ چل کر رہی اور اہل السنۃ والجماعۃ جو بیس ایک طبقہ صرف بدعت فی الاعمال میں ملوث تھا اب مستقل طور پر دو حصوں میں منقسم ہو گئے یہی مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سال کی دینی کمائی ہے جو آپ سمیٹ کر راہی ملک بقا ہوئے جناب قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں :-

> مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی[1]

---

[1] سوانح اعلیحضرت صفحہ

بریلوی پہلے اس شاہراہ اہلِ سنت سے ہٹے اور جن کے خلاف ڈٹے ان کو بھی ایک فرقہ بنا کر ظاہر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دیوبندیوں کو بھی ایک فرقہ سمجھنے لگ گئے حالانکہ یہ کوئی فرقہ نہ تھا پرانے اہلِ سنت ہی تھے قاری احمد صاحب نے اسی لئے پہلے بریلوی کا لفظ اختیار کیا ہے یہ بریلویت کا نقطہ آغاز ہے خاں صاحب کی واردات صرف علماء دیوبند پر تھی ان دو حلقوں کے سوا جو دوسرے دینی حلقے تھے انہوں نے حسام الحرمین پر دستخط نہ کئے اور برملا اس کی تردید کی پھر ان حضرات علماء کی کوشش کچھ پڑی گئیں اور اہل بدعت بریلویت کے سایہ میں اپنے مفادات اور اپنی رسوم کو زیادہ محفوظ سمجھنے لگے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاں صاحب کے اس ملت کش کردار کا ان کے اپنے حلقے میں کیا اثر پڑا کیا ان کے اپنے حلقے کے کسی عالم نے کھل کر حسام الحرمین کے خلاف آواز اٹھائی انہیں سے بعض حضرات کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اب حضرت مفتی خلیل احمد صاحب بدایونی کی تصریحات بھی سن لیجئے اور دیکھئے آپ نے کس جرأت ایمانی سے حق کی بات کہی اور اپنے حلقے کو حضرات علماء دیوبند کے خلاف فتوے کفر سے کف لسان رہنے کی تلقین کی

حضرت مولانا مفتی محمد خلیل احمد خان صاحب قادری برکاتی بجنوری ثم البدایونی

آپ مارہرہ شریف (جو مولانا احمد رضا خاں اور ان کے باپ نقی علی خاں کا پیر خانہ تھا) کے حضرت سید شاہ محمد میاں قادری سے بیعت تھے اور بدایوں کے محلہ سوتھہ کی بڑی والی مسجد کے مدرسہ ظہور العلوم کے بانی اور سرپرست تھے آپ کا پہلے مولانا احمد رضا خاں پر پورا اعتماد رہا لیکن خوش قسمت تھے کہ انہوں نے ایک دفعہ بریلی کے فتوے تکفیر پر خود غور کرنے کی زحمت گوارا کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ مسئلہ تکفیر تقلیدی نہیں تحقیقی ہے اور فرمایا کہ اس پر فقہاء کا قدیم ایام سے عمل رہا ہے اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:-

لوگ خوب جانتے ہیں کہ فقیر کا مسلک اس سے قبل دربارۂ تکفیر وہی تھا جو خاں صاحب مرحوم اور ان کے متبعین کے فتاووں میں بیان کیا گیا ہے چونکہ ان

کی تحریرات پر اعتماد تھا اور در بارہ تکفیر ان کے فتاووں کو صحیح اور درست سمجھتا
تھا اپنی ذاتی تحقیق کے لیے موقع نہ مل سکا تھا اب کچھ عرصے فقیر کو رب تعالیٰ
نے کچھ ایسے مواقع اور حالات عطا فرمائے کہ ان فتاووں اور تحریرات کو
بنظر غائر مطالعہ کیا ان فتاویٰ تکفیر کو ضعف و استقام سے خالی نہ پاکر فقیر نے
ان فتاوے کے تکفیری احکام سے کف لسان یعنی کافر کہنے سے زبان کو روک
لیا کہ مسلمانوں کو کافر کہنے کی راہ خطرناک ہے ۔

پھر فقیر نے بریلی کے فتوے تکفیر پر غور کیا تو یہ ثابت ہوا کہ ان کے اعتبار سے تو ہندوستان اور
بیرون ہند کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اسلام سے خارج اور کافر ٹھہرتے ہیں مکہ معظمہ کے امام و موذن
اور نمازی، مدینہ منورہ کے امام و موذن اور نمازی پھر علماء دیوبند کا پورا گروہ عالم و غیر عالم
پھر بدایوں مدرسہ قادریہ کے علماء کا سارا گروہ ــــ پھر علماء رامپور کا پورا گروہ پھر علماء لکھنؤ
کا پورا گروہ مع ان کے مریدین و معتقدین اور شاگردوں کے یہاں تک کہ مظہر اعلیٰحضرت مولوی
حشمت علی صاحب کے فتوے کی زد سے جو ان کی کتاب ستر با ادب سوالات
میں درج ہے مولوی سید محمد میاں المعروف بہ محدث اعظم کچھوچھوی بھی کافر و مرتد ہو گئے[۱]
پھر آگے جا کر لکھا ہے :۔

"فاضل بریلوی کا معروضہ فارمولا ہے جو علمائے دیوبند کے کافر او رجہنمی ہونے
میں شک کرے یا توقف کرے یا تامل کرے یا کف لسان کرے وہ
بھی کافر ہے اس فارمولے کے اعتبار سے عرب سے عجم تک لاکھوں،
کروڑوں مسلمان کافر ہو گئے نہ مدینہ منورہ کے امام و موذن و نمازی
حجاج و مصر و بغداد کے علماء نہ ایران و افغانستان کے علماء و عوام نہ ہندوستان
کے اہل علم مسلمان نہ رہے نہ انکے نکاح رہے نہ بیعت کہ ان کے نزدیک وہ
سب اسلام سے خارج ہیں اور کافر و مرتد ہو گئے ہیں ــــ معروضہ فارمولا
یہ اعلان کر رہا ہے کہ جو شخص دیوبند کے اکابر علمائے کے کافر او رجہنمی ہونے

۱؎ انکشاف حق ص۸ اور ص۹ ۔

میں شک بھی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا"

لہٰذا فقیر کا موقف بفضلہ تعالیٰ بعد تحقیق صحیح کے اکابر علمائے دیوبند یعنی مولوی اشرف علی صاحب مرحوم و مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کے بارے میں یہ ہے کہ تکفیر ان کو کافر و مرتد کہنے کے سخت خلاف ہے کیونکہ ہم محقق یہی ہے ...... عبارت علماء دیوبند کا جو مطلب حسام الحرمین میں مقرر کیا گیا ہے وہ نہ خود مصنفین کے نزدیک صحیح ہے نہ اور ہندوستان کے اہل علم و دانش کے نزدیک مسلم ہے نہ ہماری سمجھ آتا ہے تو پھر وہ مضمون مفروضہ کیسے تکفیری مہر قطعی تو بلا شک و شبہ متفق علیہ ہوتا ہے فاضل بریلوی کے بعض معاصر مولوی تک کو وہ مضمون مسلم نہیں [1]

مولانا خلیل احمد خان صاحب بدایونی کا یہ انکشاف حق بریلویت پر بجلی بن کر گرا کیونکہ خود اسی حلقے کے بزرگ تھے آپ کے دوست احباب اور علماء اہل بدعت آپ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے اس کے لئے کئی مجلسیں ترتیب دی گئیں کئی مناظرے تحریر ہوئے اور پورے ایوان بریلی میں ایک ہنگامہ ہو گیا

آپ نے سب دوستوں کو کہا:

مسلمانو! قیامت کے دن اپنے ذاتی اعمال کا حساب دینا ہے انسان دکھائی تکلیف دہ جرأت کرو کروڑوں مسلمانوں کو کافر و مرتد کہہ کر اس کے حساب کا بار اپنے سر پر لیا جائے جب کہ خود مرحوم کی کثیر تعداد علماء دیوبند کی تکفیر سے متفق نہیں چنانچہ علماء فرنگی محل و لکھنؤ و علماء رام پور و علی گڑھ و پھلواری شریف و بدایوں باوجودیکہ اکثر مسائل میں یہ حضرات فاضل بریلوی کے ہمنوا ہیں مگر اس مسئلہ تکفیر میں یہ حضرات ان سے متفق نہیں [2]

اب ہم ان بعض مجالس کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں مولانا خلیل احمد بدایونی اور دیگر بریلوی علماء میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی بات چیت اور بریلوی علماء نے اس تکفیری موقف کے حق میں اپنے ہی دوستوں کے سامنے کوئی دلیل نہ قائم کر سکے اور سوائے اس کے کہ اپنے اسی

---

[1] انکشاف حق ص ٢٦ ، ٢٧ [illegible]

عمل تکفیر کا بوجھ مولانا احمد رضا خاں پر ڈالتے رہیں ان سے اس تکفیری موقف پر کچھ نہ بن پڑا۔

(۱) پہلی گفتگو گھر کا گنج میں مولوی حبیب الرحمٰن ککی اور مولوی لطف اللہ سے ہوئی ان حضرات نے مولانا خلیل احمد بدایونی سے پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ آپ حفظ الایمان کی عبارت اور شرح مواقف کی عبارت کا ایک ہی مطلب مراد لیتے ہیں مولانا بدایونی نے کہا یہ تعبیر بہ بہتان ہے۔

پھر بات مولانا احمد رضا خاں کی مشق تکفیر کی چلی مولانا خلیل احمد صاحب نے کہا علماء دیوبند کی تخصیص نہیں مولانا احمد رضا خاں نے تو علماء بدایوں پر بھی کفر کا فتوے دے رکھا ہے مولوی حبیب الرحمٰن نے کہا یہ کفر لزومی کا فتوے ہے کہ علماء بدایوں کی ان باتوں سے کفر لازم آ رہا ہے یہ نہیں کہ علماء بدایوں میں اس کا التزام پایا جاتا ہے لزوم اور التزام میں فرق ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی کے پاس رسالہ سد الفرار مصنفہ مولانا احمد رضا خاں موجود تھا انہوں نے نکالا اور بتایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مولانا عبد المقتدر بدایونی پر یہ پانچ حکم کفر لگائے ہیں اور آخر میں لکھا ہے:۔

"برادرم پر کم از کم بلا شبہ بالاجماع پانچ حکم کفر لازم ہوئے"[۱]

مولانا خلیل احمد خاں نے پوچھا کیا بلا شبہ بالاجماع کفر لزومی ہوتا ہے یا التزامی؟ اس کا جواب ان علماء سے کچھ بن نہ پڑا۔

(۲) پھر دوسری مرتبہ قاضی شمس الدین صاحب مفتی رضوان الرحمٰن صاحب مولوی غلام محمد صاحب ناگپوری بدایوں آئے اور مسجد جعفری میں مولانا خلیل احمد خاں صاحب سے بات ہوئی علماء دیوبند کی تکفیر موضوع تھا لیکن ان علماء سے علماء دیوبند کے خلاف کوئی بات بن نہ پڑی سوائے اس کے کہ وہ اپنی اس تکفیر کا بار مولانا احمد رضا خاں صاحب پر ڈالتے رہتے قاضی شمس الدین صاحب نے کہا مولانا احمد رضا خاں مفتی مسلم تھے

---

[۱]

مولانا خلیل احمد بدایونی نے پوچھا:۔

فرمائیے کہ فاضل بریلوی صاحب کا طبقہ فقہاء کے طبقات سبعہ میں سے کون سا طبقہ تھا ان سات طبقوں کی تصریح در مختار رد المحتار اور طحطاوی علی الدر المختار وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے لہ

قاضی شمس الدین نے کہا فاضل بریلوی اصحاب الترجیح میں سے تھے۔ اس پر مولانا خلیل احمد بدایونی نے کہا:۔

"علماء اعلام اصحاب الترجیح میں صاحب ھدایہ اور علامہ ابن ھمام کو ذکر کرتے ہیں اور صاحب وقایہ اور صاحب کنز الدقائق کو اس درجہ میں تسلیم نہیں کرتے انہیں اصحاب التصحیح میں سے سمجھتے ہیں آپ حضرات نے فاضل بریلوی کو اصحاب الترجیح میں کیسے داخل کر لیا ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا ہم مناظرہ کے لئے نہیں آئے تھے صرف ملاقات کے لئے آئے تھے"

البتہ مولانا رضوان الرحمن صاحب نے مولانا بدایونی سے ایک نہایت اہم سوال کیا مولانا خلیل احمد بدایونی کا بیعت کا تعلق مارہرہ کے حضرت سید محمد میاں سے تھا اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مسئلہ تکفیر میں مولانا احمد رضا خان کے ساتھ تھے مولانا رضوان الرحمن صاحب نے مولانا بدایونی سے پوچھا آپ کا سلسلہ بیعت حضرت سید محمد میاں سے قائم رہا ہے یا نہیں؟ وہ تو علماء دیوبند کی تکفیر کرتے تھے۔

مولانا بدایونی نے کہا مسائل کفر و اسلام میں کسی شیخ و مرشد کا اتباع نہیں بلکہ ائمہ مجتہدین اہل سنت والجماعت کا اتباع کیا جائے گا یہ مسئلہ تقلید کا نہیں دار و مدار اس کا تحقیق پر ہے امام احمد کا فتویٰ یزید کی تکفیر پر ہے حضرت پیران پیر امام احمد کے مقلد تھے ظاہر ہے کہ ان کا فتویٰ اپنے امام کے فتوے پر ہوگا مولانا احمد رضا خاں قادری تھے اور یزید کی تکفیر نہ کرتے تھے تو آپ بتائیں کہ اعلیٰحضرت کی بیعت قادری سلسلہ میں قائم رہی یا نہ؟

لہ الکشاف صفحہ ۴۳

مولانا بدایونی نے کہا :-

آپ لوگ اور علماء محققین باوجود قادری ہونے کے یزید کو کافر کیوں نہیں کہتے اس بارے میں کیوں سکوت اور کف لسان کرتے ہیں ان حضرات کی بیعت حضرت پیران پیر سے قائم رہی یا نہیں اگر ان حضرات کی بیعت رہی تو فقیر کی بھی بیعت رہی اور اگر ان کی اور آپ کی بیعت سلسلہ عالیہ قادریہ میں نہیں رہی تو فقیر کے لئے بھی حکم لگا سکتے ہیں لہ

(۴) تیسری مرتبہ مولانا احمد رضا خاں کے ان حمایتیوں نے یہ چال چلی کہ کچھ نوعمر علماء اکٹھے کر کے شور و شغب کرنے کی ٹھانی مولانا امجد علی کے لڑکے مولوی ضیاء اور مولوی حشمت علی کے لڑکے مولوی مشاہد رضا خاں کو آگے لگایا اور کہا جاتا ہے ان کے ساتھ مولوی شریف الحق اور غلام محمد ناگپوری بھی تھے مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی لکھتے ہیں :-

"ان لوگوں نے بدایوں میں جمع ہونے سے قبل بریلی میں ایک مخصوص میٹنگ کی آپس میں طے کیا کہ ہمارے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے کہ ہم لوگ حسب عادت خوب شور و غل مچائیں اور عوام کی فریب دہی کے لئے مولوی خلیل احمد خاں پر فتوے کفر ضرور لگا دینا چاہیئے" ٹہ

یہ نوجوان علماء جب بدایوں آئے اور مناظرہ کی بات چلی تو مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی نے ان سے چھ سوال کئے کہ پہلے ان کا جواب آنا چاہیئے وہ سوالات حسب ذیل تھے :-

۱۔ اہل سنت و جماعت کی جامع و مانع تعریف بیان کیجئے ؟

۲۔ اہل قبلہ اور اہل لا الہ الا اللہ کا ایک ہی مطلب ہے یا الگ الگ اگر ایک ہی مطلب ہے تو کیا ہے الگ الگ ہے تو کیا ہے ؟

۳۔ علماء کرام کے طبقات بعض نے پانچ بتائے ہیں اور بعض نے سات لہذا فاضل بریلوی کے متعلق صاف صاف واضح کیجئے ان طبقات میں سے کون سے طبقے کے عالم تھے مخصین کے اعتبار سے کون سے طبقہ کے مسبعین کے اعتبار سے کون سے رتبہ کے

۴۔ وہابی اور دیوبندی کی الگ الگ جامع و مانع تعریف بیان کیجئے

لہ انکشاف حق صہ ۳ ٹہ ایضاً صہ ۲۲

۵۔۔۔ فقیر کا طریقہ جو آپ پر تو سوا جنیہ سے بعض اکابر دیوبند کے بارے میں کفِ لسان کرنا اس پر شرعاً کیا حکم لگتا ہے اس حکم کو دلیل شرعی سے ثابت کیا جائے

۶۔۔۔ وہ علماء جن کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں ان کے بارے میں بتلایئے کہ یہ علماء آپ کے نزدیک مسلم ہیں یا غیر مسلم بصورت مسلمان یہ سُنی ہیں یا غیر سُنی: علماء فرنگی محل لکھنو میں مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنو۔ مولانا قطب عبدالباری صاحب و مولانا عتیق میاں صاحب۔ علماء رامپور میں مولانا سلامت اللہ صاحب۔ مولانا عبدالغفار خان صاحب و مولانا کرامت اللہ خان صاحب۔ مولانا ارشاد حسین صاحب۔ مولانا خلیل اللہ خان صاحب۔ مولانا عبدالبصیر میاں صاحب پیلی بھیت و مولانا نذیر احمد صاحب احمد آباد گجرات۔ علماء بدایوں۔ مولانا عبدالقادر صاحب۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب۔ مولانا عبدالقدیر صاحب۔ مولانا محب احمد صاحب۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق مہتمم مدرسہ قادریہ بدایوں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان حضرات کے بارے میں آپ کو نا خوشی ظاہر کرنا کوئی نہ ہوگا کیونکہ ان میں اکثر کے ذکر و فضائل بریلوی کے رسائل میں موجود ہیں [1]

معزز حاضرین گرامی! یہ سوالات تھے جو فقیر نے ان کو بھیجے تھے مگر ان کے جواب میں ساری پارٹی نے چپ سادھ لی جب درمیانی لوگوں نے بار بار تقاضے کئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے تو بتایا گیا کہ مفتی منکوئی صاحب نے فرمایا کہ ان سوالات کا جواب ہم نہیں دے سکتے اگر ہم ان کا جواب دیں گے تو ہمارے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ دھوکہ اور فریب کا جال پھیلانے کے لئے بدایوں تشریف لائے تھے کسی دینی مسئلہ پر گفتگو کرنے نہیں آئے تھے۔ افہام و تفہیم مقصود نہ تھا دینی احکام میں طلب حق ان کا مقصود نہیں ہے صرف عوام ناواقف کو دام تزویر میں پھنسانا ان کا مقصد ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدایوں کے باشندے اہل علم و فہم اس دام تزویر کو سمجھ گئے۔ غلام محمد لنگ پوری کی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں جن میں صاف طور پر مناظرے کی تیاری اور لوازمات کا ذکر ہے یہاں بدایوں پہنچ کر حیلہ جان بوجہ ضعف اندرونی و دور اندیشی کے اور یہ کہا کہ ہم مناظرہ نہیں کرتے صرف آپس کی افہام و تفہیم کے لئے کچھ گفتگو ہوگی وہ بھی تنہائی میں۔

---

[1] انکشاف حق ص ۲۹

فقیر نے اس پر یہ کہا اگر یہ ہی چاہتے ہو تو کم از کم شہر بریلی کے اہل علم و فہم حضرات کو بھی بلا لیا جائے یعنی مولوی الیاس حسین صاحب امام و خطیب جامع مسجد شمسی و صدر مدرس مدرسہ قادریہ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم اور سجادہ نشین درگاہ قادریہ مولوی حافظ سالم میاں صاحب تاکہ گفتگو یہ حضرات مجلس میں نہ گردہ تو فریب جانتے تھے کہ ہم لوگ نہ کوئی جواب دے سکتے ہیں اور نہ دے سکیں گے یہ حضرات آجائیں گے تو ہمیں عوام کو فریب دینے اور جھوٹ بولنے کا موقع کم ملے گا لہذا اس کو منظور نہ کیا منظور کیوں کرتے حق طلبی اگر ہوتی تو فوراً منظور کرتے وہاں تو مقصود ہی کذب بیانی اور عوام کو فریب دہی تھا۔

اس گفتگو میں فقیر نے اپنے مسلک یعنی علماء دیوبند کی تکفیر سے کف لسان کی تائید اور تشبید میں جو دلائل پیش کئے ان میں سے کسی بات کا کوئی مسکت جواب تو کیا دیتے من گھڑت اور جھوٹ ملا ملا کر باشد کر چپ تشود کے نقشے دکھائے مثلاً فقیر نے سوال کیا تھا کہ فاضل بریلوی نے مولوی اسمٰعیل صاحب مرحوم دہلوی کے بارے میں کف لسان کیوں کیا اس کے جواب میں بے پرکی اڑائی کہ تقویۃ الایمان کے متعلق یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ یہ کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب کی ہے وہ کتاب لکھنے کے بعد پاکستان چلے گئے اور یہ کہہ گئے تھے کہ میں واپسی کے بعد اس کتاب میں ترمیم کروں گا وہاں جاکر انتقال کر گئے لوگوں نے اسکو چھپوا دیا!

مسلمانوں اس سراپا کذب و افتراء کو ملاحظہ فرمائیے کہ جو چیز کبھی فاضل بریلوی کے بھی خواب و خیال میں نہ آئی مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے جو "تقریۃ الایمان" کے رد کے نام سے جو کتاب لکھی ان کے بھی کبھی خیال میں نہ آئی وہ ان فرزند ارجمند مولوی حشمت علی صاحب کے دماغ میں سمائی جس کا سر نہ پیر بے پرکی اڑائی ہے

پھر فقیر نے سوال کیا کہ علماء دیوبند نے جب صریح انکار اور اس مضمون خبیثہ سے تبری و تحاشی بیان کردی اور اسی عبارت کا مطلب بھی بتا دیا اس کے بعد فاضل بریلوی کی کوئی تحریر جو خاص ان ہی کی ہو جس میں انہوں نے ان کے انکار اور تبری و تحاشی کے علم کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی ان کے لئے حکم کفر و ارتداد باقی رہنے کو بیان کیا ہو تو دکھایئے اس کے جواب میں وقعات اخسان کو پیش کیا فقیر نے کہا میرے منشا کے مطابق یہ رسالہ نہیں ہے جو میری شرط تو یہ ہے

کہ فاضل بریلوی ہی کی تصنیف ہو کیونکہ کفر کا فتویٰ دینے والے وہی تو ہیں۔ یہ رسالہ تو مولوی مُصطفےٰ رضا خاں صاحب کا لکھا ہوا ہے لہٰذا اس کو پیش کرنے سے کیا فائدہ خاص فاضل بریلوی کی تصنیف دکھایئے میرے سوال کا جواب تب ہی ہوگا چنانچہ اس کے جواب میں عاجز ہوگئے

الغرض مختصر یہ ہے کہ تجربہ سے ثابت ہوا کہ اس گروہ کا مقصد حق طلبی نہیں صرف عوام کو بھڑکانا ہے بے علم لوگوں کو فریب دینا ہے

فقیر کا مقصد الحمد للہ حق گوئی اور حق طلبی ہی رہا اور ہے اگر ان لوگوں میں شمہ بھر بھی حق طلبی ہوتی تو فقیر کو اس کے شبہات و سوالات کا مسکت جواب کسی مناسب صورت سے دیتے اور ان سوالات کو واضح طور پر حل کرتے یہ لوگ زبردستی منوانا چاہتے ہیں یعنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے قواعد علوم شرعیہ کے موافق ہو یا مخالف ہماری بات مانو اور ہمارے مقلد ہو ورنہ فتویٰ لے کفر ہے فاضل بریلوی کی آنکھ بند کر کے تقلید کرو ورنہ نہ سنی نہ مسلمان یہ ہے ان کا مذہب اور ایمان گویا شریعت مطہرہ محمد یہ علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کے یہ لوگ ٹھیکیدار ہیں کفر و اسلام کی سند ان کے قبضے میں ہے جنت دوزخ کے یہ مالک ہیں اپنی رائے سے جسے چاہیں جنتی بنا دیں جسے چاہیں دوزخی بنا دیں[1]

آگے چل کر مولانا خلیل احمد بدایونی لکھتے ہیں :۔

"کیا تمہارے نزدیک علماء اکابر دیوبند کو کافر کہنے کو تمام دین و مذہب ہے اس کو دین و مذہب کس نے بتایا۔ فاضل بریلوی کا فتویٰ کیا دین و مذہب بن گیا۔ وہ بھی ان کی انفرادی رائے جس میں ان کے ہمعصر علماء ہندوستان بھی متفق نہیں علماء دیوبند کی عبارات کی نقل و مطلب پر اہل علم کا بحث کلام ہے افسوس جہالت اور نفسانیت نے صنم بکم بنا دیا اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے کو اہل حق بتلاتے ہیں"

فاضل بریلوی اپنے دور کے ایک معروف عالم تھے لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ وہ بشر نہ تھے فرشتے تھے یا نبی و رسول تھے نعوذ باللہ۔ پھر ان کی انفرادی رائے کیسے قطعی یقینی ہوگئی امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اجمعین جیسے لاکھوں کے مسلم پیشوا اور مجتہدین مطلق کے درجات عالیہ پر فائز ہیں ان کی بھی اجتہادی رائے قطعی نہیں ہوسکتی نہ کسی مسلمان نے آج

---

[1] انکشاف حق ص۱۵

تک یہ کہا کہ ان کی اجتہادی رائے یقینی اور قطعی بلاشبہ ہے حالانکہ نسفی وغیرہ کتب معتبرہ میں صاف فرمایا گیا ہے۔

اَلْمُجْتَهِدُ قَدْ يُخْطِئُ وَقَدْ يُصِيبُ (یعنی مجتہد مسائل اجتہادیہ میں کبھی مخطی ہوتا ہے کبھی مصیب۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افقہ الصحابہ بعد خلفاء الراشدین ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیفۃ العلم (یعنی علم کی تھیلی) فرمایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد التحیات میں سلام علیک ایہا النبی کی جگہ السلام علی النبی پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن علماء امت نے اس کو ان کی ذاتی رائے قرار دے کر ترک کر دیا۔

مسلمانو! ذرا انصاف تو کرو اتنے بڑے پیشوایان اسلام کے اجتہادی اقوال تو حجت شرعیہ نہ بن سکے نہ ان کو دین و مذہب کا عقیدہ بنا کر پیش کیا گیا آج فاضل بریلوی کے ایک فتوے کو جس کا دارومدار صرف ان کی اپنی انفرادی رائے پر ہے مسلمانوں کا دینی ایمانی عقیدہ بنا کر پیش کرنا اور اس پر شک کرنے والے کو کافر و مرتد بتانا کہاں کا دین و شریعت ہے کیا اسی کا نام مسلک رسول اور سنیت ہے یہ کھلا دھوکہ اور فریب ہے جس سے ناواقف مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔[1]

مولانا خلیل محمد خاں قادری برکاتی کی یہ شہادت مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے سچے جیتے کی شہادت ہے اور یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو تکفیر اکابر دیوبند پر خود ان کے اکابر صحابہ کی کہیں تصدیق نہ مل سکی۔ جب اس دور کے اکثر اکابر دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر ان کے جاہل متاخرین اور پیشہ ور واعظین نے اپنے عوام کو علمائے دیوبند کے گرد جمع کرنے کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت پر جمع کرنا شروع کر دیا یہ بریلویت کی ابتداء ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے نام سے چلی۔

---

[1] انکشاف حق صفحہ ۶۸ تا صفحہ ۶۹

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب اپنے کام بنا رہے ہیں۔

دنیا میں انسان جو محنت کرتا ہے اس امید سے کرتا ہے کہ اسے اس کا صلہ ملے گا ۔۔۔ یہاں یا آخرت میں ۔۔۔ دنیوی کاموں میں ان کا صلہ اسے یہیں اس دنیا میں مل جاتا ہے اور دینی کاموں کی جزا آخرت میں ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ انسان ایسا کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جس کی جزا اسے نہ یہاں ملے نہ وہاں۔

بدعات اور اعمال ہیں جنکی جزا نہ یہاں ہے نہ وہاں ۔۔۔ گو بدعتی یہ کام اسی امید میں کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ اپنی آخرت بنا رہا ہے ۔۔۔ یاد رکھئے کس کی یہ محنت یہیں بھٹک کر رہ جائے گی اور اس کے یہ کیے کام آگے نہ جا سکیں گے۔ سنت والے اعمال ہی آگے بڑھتے ہیں اور پاک ہی اللہ رب العزت کے ہاں اٹھائے جاتے ہیں

علمائے اہل سنت کی جوابی کارروائی

علمائے دیوبند نے اہل بدعت کے اس موقف کو کبھی زندگی کا موضوع نہیں بنایا۔ ان کا مسلکی مزاج یہ ہے کہ دین کا علم پھیلنے سے جاہل بدعت کے اندھیرے خود چھٹتے جائیں گے۔ جہالت کا علاج مقابلے سے نہیں علم پھیلانے سے ہے۔ جوں جوں علم پھیلتا جائے گا بریلویت خود بخود ختم ہوتی جائے گی۔ مقابلے سے جہالت اور ضد بڑھتی ہے۔ علمائے دیوبند عام طور پر اسی راہ اعتدال پر چلے ہیں ۔۔۔ بریلویت ان علمائے حق کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی ہے لیکن دیوبند اور اس کے دیگر ہم مسلک ادارے محض علم کی نشر و اشاعت کے لیے قائم کیے گئے تھے کسی ایک طبقے یا گروہ کے ردعمل کے طور پر نہیں ۔۔۔ ہاں ضمنی طور پر علمائے حق نے رد منکرات اور قمع بدعات میں مؤثر کام کیا ہے اور آج برصغیر پاک و ہند میں توحید و سنت کے کتنے چراغ ہیں جو انہی علمائے حق اہل السنۃ والجماعت کے جلائے ہوئے ہیں اور جوں جوں علم پھیل رہا ہے مدارس اور سکول بڑھ رہے ہیں بریلویت کم ہوتی جا رہی ہے۔ علم شہروں میں دیہات کی نسبت زیادہ ہے اور دیہات میں بھی جہاں دینی مدارس یا مکاتب قائم ہیں آپ کو بریلوی زیادہ نہ ملیں گے وہاں کثرت اہل سنت (علمائے حق) کی ہوگی بریلویوں کی نہیں۔

ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا کفر و شرک قرار دیا ہے۔ یہ حضرات نبی کے سوا کسی دوسرے کے لیے علم غیب کے اثبات کو بھی کفر قرار دیتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

اثبات علم غیب اگرچہ بمعنی مخترع عوام باشد بر اہل ایمان ہمچو اطلاق دیگر کفریات اگرچہ بتاویل حسن باشد گراں باشد۔[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنا اگرچہ عوام کے من گھڑت معنی (مطلق علم غیب) کے مطابق ہی کیوں نہ ہو دوسرے کفریات کی طرح اس کا اطلاق بھی کتنی بھی تاویل کے ساتھ کیوں نہ ہو اہل ایمان پر بہت گراں ہے۔

حضرت نے یہ وہی بات کہی ہے جو اس سے پہلے حنفیہ کرام بڑی صراحت سے لکھ چکے ہیں۔

(وکذا علم المغیبات) ای وکذلک عدم علمہ بعض المسائل عدم علم المغیبات فلا یعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ[2]

ترجمہ: جس طرح بعض مسائل کو نہ جاننا ہے اسی طرح غیب کی باتوں کو نہ جاننا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غیب کی باتوں میں سے صرف انہی کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف موقعوں پر بتلائیں اور حنفیہ کرام نے فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحتاً تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب رکھتے ہیں یہ قرآن کریم کے صریح معارض ہے۔ قرآن کریم میں ہے آپ کہہ دیں کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے یا زمین میں غیب کو کوئی نہیں جانتا۔

اکابر دیوبند کی ان تصریحات سے پتہ چلا کہ جو بدعتی علماء کے نام سے موسوم ہیں جب اپنے بزرگوں شرک کو بھی استمداد کا نام دے رہے تھے اور عام خلائق کو گمراہ کر رہے تھے تو علمائے حق اس اشاعت مسئلہ پر خاموش نہیں بیٹھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عقیدہ حاضر و ناظر

---

[1]

[2] مسامرہ شرح مسایرہ ص ۲۳۵

اثبات علم غیب، انکار بشریت اور نور من نور اللہ کے شرکیہ عقائد کو کسی تاویل سے بھی گوارا نہیں کیا اور یہ کسی درجے میں، مسلمانوں نے اسلام کے چشمۂ توحید کو گدلا ہونے دیا ہے۔

مسئلہ بشریت پر حضرت مولانا سید عبد الحق ہمدانی شاگرد مولانا غلام دستگیر قصوری کے صاحبزادے مولانا سید مبارک علی شاہ ہمدانی نے رسالہ سید البشر (جس کا تفصیلاً ذکر ہم مقدمہ میں کر آئے ہیں) لکھ کر اس مسئلہ میں بھی اہل بدعت پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی نے انکار بشریت کو شیعہ عقیدہ قرار دیا ہے اور علامہ نعمان آفندی آلوسی لکھتے ہیں کہ منکر بشریت کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ صحابہؓ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نبی تو بھی انسان کی طرف انسانوں کو ہی رسالت دے کر بھیجتے رہے ہیں۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ قرآن کریم کی آیت نزلنا علیہم من السماء ملکا رسولا۔ (پ۱۵ بنی اسرائیل) کی تفسیر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں:-

لا نرسل الی الملٰئکۃ الرسل الا الملٰئکۃ والی البشر الا البشر[1]

ترجمہ: ہم فرشتوں کے پاس فرشتوں سے رسول اور انسانوں کے پاس انسانوں سے رسول بھیجتے ہیں۔

بریلویت شرک کی راہ سے تو اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنا ان کے لیے خاصا مشکل تھا مگر یہ کہنا کہ آپ خدا نہیں ہیں یہ اقرار بھی ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔ مولانا احمد رضا خاں تو ساری عمر اسی حیرت میں پڑے رہے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ ؎

ممکن میں یہ قدرت کہاں — واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا — یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مولانا احمد رضا خاں مقام حیرت پر آ کر ٹھہر گئے۔ لیکن ان کے معاصرین نے آپ کو خدا لینے کی ایک راہ نکال ہی لی کہ انسان جب سو کے اٹھتا ہے اور ابھی اس کے حواس پوری طرح بحال نہیں ہوتے ہوتے اس حال میں اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کہہ لے تو بہت کچھ گنجائش نکل سکتی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن عباس بحاشیہ الدر المنثور جلد ۲ صفحہ ۱۵۸

؎ میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے — کھلے آنکھ صلِ علیٰ کہتے کہتے
حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے — خدا ہو گیا مصطفیٰ کہتے کہتے ؎۱

یہ بات ان کے نعت خوانوں کی تھی۔ خود یہ اس سے زیادہ اسلام کے عقیدۂ توحید کے خلاف نہ جا سکے تاہم مولانا احمد رضا خاں نے کچھ تکفیری الزامات کے سہارے اور تحریف عبارات کر کے علماء حق کے خلاف ایک اچھا خاصا محاذ قائم کر لیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے اس وقت المہند علی المفند کے نام سے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب کے نام سے ان تمام الزامات کے شافی اور مسکت جوابات دیئے اور احمد رضا خاں کو مفتری اور کاذب ٹھہرایا ـــــ ان حضرات نے ان تمام بہتانوں اور تہمتوں کا جواب دیا جو مولانا احمد رضا خاں نے ان کے ذمہ لگائے تھے لیکن ان کے یہ جوابات محض اتقوا مواضع التہم کے حکم کی بجا آوری میں تھے۔ انہوں نے خود مولانا احمد رضا خاں کے عقائد پر کوئی بات نہ چھیڑی۔ نہ ان کے ہاں خان صاحب کی کچھ اہمیت تھی نہ ان اکابر نے خان صاحب کی کوئی کتابیں دیکھیں اور مطالعہ کی تھیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے مقابلے میں جو بزرگ سب سے پہلے میدان میں اترے وہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ چونکہ صاحب فن مناظر تھے اور مولانا احمد رضا خاں نے کبھی کسی سے مناظرہ نہ کیا تھا اس لیے خان صاحب سید صاحبؒ کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے اور مناظرے کا میدان علمائے دیوبند کے نام رہا۔ مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ نے پھر بھی خانصاحب کو نہ چھوڑا۔ زبان نہ سہی انہیں قلم کی ایسی مار دی کہ خانصاحب ان کی کسی بات کا جواب نہ دے سکے۔ سید صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف متعدد رسالے لکھے جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں

① تزکیۃ الخواطر عما فی السنۃ الاکابر ② توضیح البیان فی حفظ الایمان۔
③ احسن المنۃ و فضیحین علی ادعاء کی التامین ④ ضعاف سیرکی من الکذاب المفتری۔
⑤ الحجۃ علی لسان الخصم ⑥ الکوکب الیمانی علی اولاد القادیانی
⑦ اسکات المعتدی ⑧ الزام علی العلماء

؎۱ نور محمد ص

(۹) سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد (۱۰) سحاب المدرار فی توضیح اقوال الاخیار
(۱۱) الاکلیل لدفع البغی والطغیان (۱۲) ہبر السہام لمن تخلف المیعاد
(۱۳) القاصمۃ الکبریٰ علی من کذب و تولّی (۱۴) الطین اللازب علی الاسود الکاذب
(۱۵) رد التکفیر علی الفحاش الشنظیر (۱۶) نار لعنۃ فی جرح الرضا
(۱۷) قطع الوتین ممن تقول علی الصالحین (۱۸) تسہیل علی التحلیل
(۱۹) الکنز الثمین فی صحیح الاسامین (۲۰) کوکب الیمانی علی الحلوت والخراطین

ان رسالوں کے نام اور عنوان بتا رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں میں شر پیدا کرنے کے لیے کس درجہ میں فتنہ و فساد کی یہ آگ بھڑکائی تھی اور پھر کس طرح حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے اسے احمد رضا خاں کی بستیوں میں سے مار دیا۔ ان رسائل فی تاریخ الرضا اس انتشار کی منہ بولتی شہادت ہے۔

اس شدید مخالفت کے باوجود ہندوستان میں آج تک بریلویت سے نا آشنا ہے شرک و بدعت بے شک عوام میں بری طرح سرایت کر چکا ہے اور مولانا احمد رضا خان اسے ایک مذہب کی صورت بھی دے چکے ہیں۔ لیکن آج تک یہ معرکہ مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا احمد رضا خان کے مابین کا ہے۔ بریلویت کو بنگال میں بطور ایک مذہب کے آج تک تعارف نہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کے رسالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سامنا ایک شخص سے ہے کسی فرقے سے نہیں۔ مصنف البریٰ عن الکذاب المفتری میں ایک کذاب و مفتری کا جواب دے رہے ہیں۔ مسکات المفتری میں بھی ایک مفتری (وعدے توڑنے والے) کا سامنا ہے۔ الطین اللازب علی الاسود الکاذب میں بھی اسی سیاہ رنگ ذات شریف سے مخاطب ہے۔ رد التکفیر علی الفحاش الشنظیر میں بھی اسی حضرت کو فحاش شنظیر کہا ہے۔ تسہیل علی التحلیل میں بھی کسی کو جعلی کہا ہے۔ رہے خان صاحب کے چند حاشیہ نشین تو سید صاحبؒ انہیں جلال و خراطین سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

لہ بریلوی مولوی ریاست علی نے اس کا جواب لکھا تھا۔ مولانا مرتضیٰ حسن نے پھر اس کا جواب بجواب توضیح المراد لمن تحیلہ فی مسئلۃ الاستمداد لکھا ہے۔ لہ اس میں مولانا احمد رضا خان کے مناظرہ میں نہ آنے کی داستان ہے۔

یہ صورت حال بتا دیتی ہے کہ گو مولانا احمد رضا خاں یہ نیا مذہب ترتیب دے چکے تھے اور آپ نے اپنے متبعین کو وصیت بھی کی تھی کہ وہ آپ کے دین و مذہب پر قائم رہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۲۱ء تک یعنی خاں صاحب کے سن وفات تک بریلویت پورا ایک مذہب اور مسلک کے کہیں معروف نہ تھی اور اس کی بڑی وجہ مولانا کی غیر معروف شخصیت تھی اور یہ کہ مولانا کا تعلق کسی بڑے مدرسے سے نہ تھا جو ان کی شخصیت عام متعارف ہوتی۔

علمائے دیوبند کی معتدل اور متوازن پالیسی

علمائے دیوبند اس وقت تک اس سارے فلسفہ اور تفریق امت کی ذمہ داری خانصاحب پر ڈالتے تھے اور عام اہل بدعت کو امت سے خارج نہ کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ پوری بیسویں صدی کے نصف اول تک ہندوستان کے مسلمان عوام ان جیسے شرک و بدعت کے باوجود ان کے اس شرک و بدعت کو علمی استناد مہیا نہ تھا اور جو کچھ مولانا احمد رضا خاں نے لکھا تھا اور جس کے تردید و ضعف دلیل واضح کئے گئے تھے ابھی وہ صرف انہی کا دین و مذہب تھا عوام میں ان کا بطور ایک فرقہ اور مسلک کے ہرگز تعارف نہ تھا مسلمانوں کو بدعات میں شغف محض ایک جہالت کی پیداوار سمجھا جاتا رہا ہے۔ خلاف مسلک کے نام سے ابھی مرکزی شہرت حاصل نہ تھی۔

مولانا احمد رضا خاں کی وفات ۱۹۲۱ء میں ہوئی ہے اور یہ وہ دور تھا جب حجاز پر سعودی قبضہ ہو گیا ہوا تھا۔ ملک عبدالعزیز بن آل سعود کی حکومت قائم ہوئی۔ سعودی حکومت شرک و بدعت کے جراثیم پر داخل حدود حرم ہونے کی پابندی لگا دی جا چکی تھی ظاہر ہے کہ ہندوستان کے یہ جہلاء اہل بدعت بھی اس زد میں آتے تھے مگر علمائے دیوبند نے شرک و بدعت کے ان دائرہ میں کو ابھی بریلویت سے دور رکھا اور حکومت سے سفارش کی کہ ان جہلاء پر حرمت اسلامی سے نکلنے کا فتوے نہ دیا جائے۔

یہ بات ایسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک اس شرک و بدعت کو بریلویت کا لائسنس نہ ملا ہو اور عوام اس میں بوجہ جہالت رحم دلی اور ہمدردی کے مستحق ہوں۔

علمائے دیوبند اور اہل بدعت کی خیر خواہی

غالباً ۱۳۴۴ھ کی بات ہے ملک عبد العزیز بن آل سعود نے حرمین شریفین میں مزارات کے قبے گرا دیئے اور کہا کہ یہاں جو شرک راہ پا گیا ہے اس سے بچنے کی اب یہی صورت ہے کہ یہاں کہیں مجاوروں کے ذریعے نہ ہوں۔ ہندوستان میں شریف مکہ کی پارٹی کے لوگ مزارات کی توہین کے عنوان پر سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ دنیائے اسلام تاریخ کے اس اہم موڑ پر سخت پریشانی میں مبتلا تھی۔

ملک عبد العزیز نے ۱۳۴۴ھ میں حج کے موقع پر ایک عظیم عالمی موتمر منعقد کی ہندوستان میں خلافت کمیٹی کی طرف سے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ اور جمعیت علمائے ہند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس میں شریک ہوئے۔

سعودی دربار میں علمائے دیوبند کی حق گوئی

ملک عبد العزیز بن آل سعود نے اس موقع پر جو تقریر کی، اس کے جواب میں علمائے ہند کی طرف سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اٹھے۔ اس موتمر کی کارروائی معارف حرمین کے نام سے دار العلوم محمدیہ کی تفصیل مدراس ضلع مردان سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں سے ہم یہاں کچھ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

سلطان ابن سعود کی تقریر

اس موقع پر سلطان ابن سعود نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:
الحمد للہ، چار اماموں کے ذریعی اختلافات میں ہم تعرض نہیں کرتے لیکن جو اصل توحید اور قرآن و حدیث کی تبلیغ سے کوئی موقف ہمیں الگ نہیں کر سکتی خواہ تو ہمارا کوئی راضی ہو یا ناراض۔

سجدہ یہود و نصاریٰ کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں؟ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غیراللہ کی پرستش کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفٰی (یعنی ہم ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں) تو جو لوگ بزرگان دین کی قبروں کی پرستش اور ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں وہ بُت پرستوں کی طرح ہی کافر و مشرک ہیں۔

ج: جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ وادی حدیبیہ میں شجرۃ الرضوان کے پاس جاکر نماز پڑھتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو ہی کٹوا دیا تھا کہ آئندہ خود انخواستہ لوگ اس درخت کی پوجا نہ شروع کردیں۔

سلطان کا مطلب یہ تھا کہ قبے گرانا بھی درختِ رضوان کو کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

ہندوستان کے تمام علماء نے یہ طے کیا کہ ہماری طرف سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندیؒ سلطان ابن سعود کی تقریر کا جواب دیں گے۔

مولانا عثمانیؒ کی ایمان افروز تقریر

مولانا عثمانیؒ نے پہلے تو اپنی شاندار پذیرائی اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد فرمایا:

علماء ہندوستان کے اہلسنت پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کرکے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع پر پورا زور صرف کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع میں ہی ہر کامیابی ہے لیکن کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے مواقع استعمال کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے صاحب رائے اور صحیح

اجتہاد کی شدید ضرورت تھی۔

(۱) ——— حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا اور اس بات کا بالکل خیال نہ رکھا کہ دنیا کیا کہے گی، دوسری طرف خانہ کعبہ کو گرا کر بنائے ابراہیمی پر تیار کرنے سے نئے نئے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ رک گئے تاکہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ محمدؐ نے خانہ کعبہ کو ڈھا دیا۔ دونوں موقعوں کا فرق حضورؐ کے اجتہاد مبارک پر موقوف ہے۔

(۲) ——— اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم (یعنی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ایک طرف تو اس حکم خداوندی کا تقاضا ہے کہ کفار و منافقین کے ساتھ سختی کی جائے اور دوسری طرف آپ نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھا دی، پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ منافقین کو قتل کر دیا جائے، مگر آپؐ نے یہ بات منظور نہ فرمائی۔ خشیۃ ان یقول الناس ان محمد ا یقتل اصحابہ (یعنی اس اندیشہ کے پیش نظر کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں) حالانکہ یہ دونوں باتیں واغلظ علیهم کے بظاہر مطابق نہیں، لیکن تو اس فرق کو سمجھنے کے لیے بھی مجتہدانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ماوشما کے بس کی بات نہیں اور ایسے مواقع پر فیصلہ کرنے کے لیے بڑے تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ کس شے کے تقاضے پر کہاں عمل کیا جائے گا اور کس طرح عمل کیا جائے گا یہ تفقہ اور اجتہاد کی بات ہے۔

سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا عثمانیؒ نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص کسی قبر کو یا کسی بھی غیر اللہ کو سجدہ عبادت کرے تو وہ قطعی طور پر کافر و مرتد ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سجدہ سجدہ عبادت

ہتا ہو، جو شرک حقیقی اور شرک جلی ہے بلکہ سجدہ تحیت بھی ہو سکتا ہے
جس کا مقصد دوسرے کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ سجدہ تعظیمی شرک جلی
کے حکم میں نہیں ہے۔ ہاں ہماری شریعت میں قطعاً ناجائز ہے اور اس کے
مرتکب کو سزا دی جا سکتی ہے لیکن اس شخص کو مشرک قطعی کہنا اور اس کے
قتل اور مال ضبط کرنے کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خود قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے اور
حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین کے سجدہ کرنے کا
ذکر موجود ہے اور مفسرین کی عظیم اکثریت نے اس سجدہ سے معروف سجدہ
(زمین پر ماتھا رکھنا) ہی مراد لیا ہے اور پھر اس کو سجدہ تعظیمی ہی
قرار دیا ہے۔

بہرحال اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرے تو وہ ہماری شریعت
کے مطابق گنہگار تو ہو گا لیکن اسے مشرک کافر، مباح الدم والمال قرار
نہیں دیا جا سکتا اور بیان سے میرا مقصد سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھنے والوں کی
وکالت کرنا نہیں بلکہ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے فرق کو بیان کرنا ہے
(واسطہ قبول نہ کرانے کا اگر ان کا بیانا صحیح نہ بھی ہو تو بھی ہم صحیح نہیں
سمجھتے۔ امیر المومنین ولید بن عبد الملک جنتیؒ (اموی) نے حاکم مدینہ حضرت
عمر بن عبد العزیز جنتیؒ کو حکم بھیجا کہ امہات المومنین کے حجرات مبارکہ کو گرا کر
مسجد نبوی کی توسیع کی جائے تو حضرت عمر بن عبد العزیز جنتیؒ نے دوسرے
حجرات کو گراتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ
بھی گرا دیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق
اعظم رضی اللہ عنہما کی قبریں ظاہر ہو گئیں تو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ
اتنے روئے کہ ایسے روتے ہوئے کبھی نہ دیکھے گئے تھے، حالانکہ حجرات کو
گرانے کا حکم بھی خود ہی دیا تھا۔ پھر سیدہ عائشہؓ کے حجرے کو دوبارہ تعمیر

کرنے کا حکم دیا اور وہ حجرہ مبارکہ دوبارہ تیار ہوا۔

اس بیان سے میرا مقصد قبروں پر گنبد بنانے کی ترغیب دینا نہیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قبور اعاظم کے معاملے کو قلوب الناس میں تاثیر اور دخل ہے، جو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پیشِ نظر رہے اور اس حرکت عالمِ اسلام کی آپ سے ناراضگی سے محفوظ رہے۔

ج حضرت عمرؓ نے درخت کو اس خطرہ سے کٹوا دیا تھا کہ جاہل لوگ آئندہ چل کر اس درخت کی پوجا نہ شروع کر دیں۔ بیعت رضوان ۶ھ میں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام کا وصال ۱۱ھ میں ہوا۔ آپ کے بعد خلیفہ اوّلؓ کے عہد خلافت کے ڈھائی سال بھی گزر گئے۔ لیکن اس درخت کے کٹوانے کا حضور علیہ السلام کو خیال آیا اور نہ صدیق اکبرؓ کو۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت راشدہ قائم ہوئی، لیکن یہ بھی متعین نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دس سالہ خلافت کے کون سے سال میں اس درخت کے کٹوانے کا ارادہ کیا۔ گو حضرت عمرؓ کی صوابدید بالکل صحیح تھی، لیکن یہ گنبد تو صدیوں سے بنے چلے آ رہے ہیں اور اس چودہویں صدی میں بھی کوئی آدمی ان کی پرستش کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

د۔ وہاں نماز پڑھنا تو حدیث معراج میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو چار جگہ براق سے اتر کر نماز پڑھوائی۔ پہلے مدینہ میں اور بتایا کہ یہ جگہ آپ کی ہجرت کی ہے، دوسرے جبل طور پر کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے، پھر مدین حضرت شعیبؑ پر، چوتھے بیت اللحم پر جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ؔ

① پس اگر جبل طور پر حضورؐ سے نماز پڑھائی گئی کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام کیا تھا تو جبل نور پر ہم کو نماز سے کیوں روکا جائے کہ جہاں

ؔ نسائی شریف کتاب الصلوٰۃ ص[illegible] مطبع نظامی کانپور [illegible]

اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی حضور علیہ السلام پر آئی تھی۔

(۲)— مسکن شبیب پر حضورؐ سے نماز پڑھوائی گئی۔ تو کیا غضب ہو جائے گا جو ہم مسکن حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر دو نفل پڑھ لیں جہاں حضور علیہ السلام نے اپنی مبارک زندگی کے اٹھائیس قیمتی سال گزارے تھے۔

(۳)— جب بیت اللحم مولد حضرت عیسیٰ پر حضور علیہ السلام سے دو رکعت پڑھوائی گئیں تو امت محمدیہ کیوں مولد نبی کریم پر دو رکعت پڑھنے سے روکی جائے جب کہ طبرانی نے مقام مولد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس البقاع بعد المسجد الحرام فی مکۃ کو کرمہ میں مسجد حرام کے بعد مقام مولد النبی کریم علیہ التسلیم کو کائنات ارضی کا نفیس ترین ٹکڑا قرار دیا ہے۔

(۴)— مسکن شبیب پر حضرت موسیٰ نے پناہ لی تھی تو اس جگہ آپ سے دو نفل پڑھوائے گئے۔ تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی جو ہم بھی غار ثور پر جہاں حضور علیہ السلام نے پناہ لی تھی دو نفل پڑھ لیں۔

سلطان ابن سعود کا جواب

مولانا عثمانیؒ کے اس مفصل جواب سے شاہی دربار پر سناٹا چھا گیا۔ آخر سلطان ابن سعود نے یہ کہہ کر مجلس ختم کر دی۔

"میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ آپ کے بیانات اور خیالات میں بہت رفعت اور علمی بلندی ہے۔ لہٰذا میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان تفاصیل کا بہتر جواب ہمارے علماء ہی دے سکیں گے اور ان سے ہی یہ مسائل طے ہو سکتے ہیں۔"[1]

حضرت علامہ عثمانیؒ نے اس معرکہ میں ہندوستان کے اہل سنت کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سجدہ تعظیمی کو حرام سمجھنے اور کہنے کے باوجود اس کے مرتکبین پر حکم کفر آنے نہ دیا

---

[1] معارک الحرمین صفحہ ۲

دیا مبادا انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ یہ وہ موقع تھا جب علمائے دیوبند مولانا احمد رضا خاں کے خلاف اپنی سب ناراضگی نکال سکتے تھے۔ لیکن ان اکابر نے ہمیشہ اعتدال سے کام لیا ہے اور کسی قوم کی دشمنی انہیں کبھی اس درجے پر نہیں لے آئی کہ یہ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابھی ہندوستان میں بریلویت نے ایک باقاعدہ مذہب اور مسلک کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ عوام بدعات میں بے شک غرق تھے لیکن ابھی ان بدعات کو علمی سطح پر علم کا استناد نہ ملا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کی تحریرات ابھی عام نہ ہوئی تھیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس معرکہ کو کرمہ کے ساتھ اس معرکہ مدینہ منورہ کو بھی ذکر کر دیں۔ جو نجد کے شیخ الاسلام جناب عبداللہ بن بلیہد اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے مابین مدینہ منورہ میں پیش آیا۔ اسے بھی ہم معارک الحرمین سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ معارک الحرمین کے ٹائیٹل کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

معرکہ مدینہ منورہ

لفظ "سیدنا" کی بحث

مدینہ کی مناسبت سے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس بحث کا بھی ذکر کرتے چلیں جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور سعودی شیخ الاسلام جناب عبداللہ بن بلیہد کے درمیان مسجد نبوی میں سلطان ابن سعود کے دور میں ہوئی تھی۔

قصہ یہ تھا کہ بعض لوگ درود شریف پڑھتے ہوئے درود شریف میں اللھم صل علی محمد کی بجائے اللھم صل علی سیدنا محمد پڑھتے تھے۔ جس سے نجدی علماء ومتبعین کا منع روکتے تھے اور منع کرتے تھے اور لفظ "سیدنا" کہنے والے کو مشرک اور مبتدع کہتے تھے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد نبوی میں نجدی شیخ الاسلام عبداللہ بن بلیہد اور سلطان ابن سعود مولاناؒ کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے شیخ الاسلام سے پوچھا کہ آپ لفظ "سیدنا" کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ یہ لفظ حدیث میں کہیں نہیں آیا۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے۔

شیخ الاسلام نے پوچھا، کہاں آیا ہے؟

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر۔ قاضی عبداللہ نے کہا کہ ہاں اس طرح تو آیا ہے مگر حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو ہم لوگ "تعالیٰ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ قرآن میں کہیں اللہ کے نام کے ساتھ آیا ہے؟ قاضی عبداللہ نے کہا کہ واقعی اس طرح تو قرآن میں کہیں ایسا نہیں آیا۔

مولانا سہارنپوریؒ نے پھر کہا کہ یہ کون کہتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی القاب و آداب استعمال کرو مگر تہذیب کے عرف میں ہم سب آپس میں بھی اگلے آدمی کے رتبے کے شایان شان القاب و آداب استعمال کرتے ہیں اور ایسا نہ کرنا بدتہذیبی اور گنوارپن شمار ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ اگر سیدنا کا لفظ استعمال کر لیا جائے تو کیا حرج ہو جائے گا۔ حدیث میں ایک مقام پر سید ولد آدم جب آ گیا تو وہ کافی ہے۔

سلطان نے یہ بات چیت بغور سنی اور شیخ الاسلام کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرنے کی ممانعت کہاں ہے؟

شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ ممانعت تو کہیں نہیں آئی۔ سلطان نے کہا جب ایک جگہ یہ لفظ استعمال بھی ہوا۔ اور اس کے استعمال کی ممانعت بھی کہیں نہیں آئی تو پھر اس کے استعمال پر اتنا تشدد کیوں کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو مبتدع اور مشرک تک کہہ دیا جاتا ہے۔

اس پر نجدی شیخ الاسلام خاموش ہو گئے اور اگلے دن سے اسے شرک و بدعت کہنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

تائید

اسی مسئلہ پر حضرت سہارنپوری کے جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مقیم مدینہ منورہ کی تحقیق انیق بھی قابل ملاحظہ ہے:-

حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ سیدنا کا لفظ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ آتا ہے۔ قرآن میں حضرت یحییٰ کے متعلق سیدا و حصورا کا لفظ آیا ہے۔ زلیخا اور اس کے شوہر کے ذکر میں والفیا سیدھا لدی الباب آیا ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت سہل بن حنیف کی دعا میں حضور علیہ السلام کو یا سیدی کے ساتھ خطاب کرنا ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درود شریف میں اللّٰھم صل علی سید المرسلین، امام نسائی کی کتاب عمل الیوم و اللیلہ میں آتا ہے حضرت سعدؓ کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے قوموا الی سیدکم فرمایا ہے۔

ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا قول حضرت عمرؓ بخاری شریف میں موجود ہے یعنی ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار (بلالؓ) کو آزاد کیا ہے اصابہ۔ متیعاب اور ادب المفرد طبرانی میں من سیدکم یا بنی سلمۃ آیا ہے اور اذا نصح العبد سیدہ حدیث کی اکثر کتابوں میں آیا ہے۔

تائید مزید

فقیر محمد شمس الدین مرتب رسالہ معرکہ حق کہتا ہے حدیث میں آیا ہے،

لا یقولن العبد ربی ولیقل سیدی (ابوداؤد شریف باب فی الکرم وحفظ المنطق)
اور اسی باب میں ہے کہ لا تقولوا للمنافق سید فانہ ان یک سیدا فقد
اسخطتم ربکم۔ حاکم نے مستدرک میں مرفوع حدیث لکھی ہے کہ اذا قال
الرجل للمنافق یا سیدی فقد اغضب ربہ۔ ان دو احادیث کا مفہوم
مخالف یہ ہے کہ منافق کو تو یا سیدی نہ کہا جائے البتہ مومن کو کہنا جائز ہوگا۔
تو حضور علیہ السلام کو سیدنا کہنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی سیدنا کا لفظ
نہ کہے تو بھی اس پر گستاخِ رسول ہونے کا فتوے نہ لگایا جائے۔[1]
جو لوگ پرانی تعبیر کے پابند ہیں اور نئے نئے الفاظ کے داخل متن کرنے سے پرہیز کریں ان کے
اس طریق کو بے ادبی پہ محمول کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔

بر سر مطلب آمدیم

ان تفصیلات سے گزر کر ہم پھر ہندوستان کی طرف لوٹتے ہیں جہاں مولانا احمد رضا خان کے جانشین مولانا کے وضع کردہ دین و مذہب کو ملک میں باقاعدہ ایک مسلک بنانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے ان لوگوں کا بھی پورا تعاقب کیا اور ان کے چھپے اثرات کے اندھیرے ہر جگہ نمایاں کئے اور اس فرقہ وارانہ آگ پر جو مولانا احمد رضا خان نے جلائی تھی ہر مقام پر پانی چھڑکا ——— تاہم ضرورت رہی کہ ہندوستان کے اس نئے مذہب کا کتاب و سنت کی روشنی میں پوری طرح سد باب کیا جائے۔

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ کے بعد مدرسہ عربیہ اسلامیہ شاہجہانپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا [illegible] ہیں جنہوں نے اس محاذ پر کام کیا اور حق مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کا پوری علمی قوت سے تحفظ فرمایا۔ آپ نے الجنۃ لاہل السنۃ لکھ کر اہل بدعت پر حق کی حجت تمام کی۔ اور حق یہ ہے کہ اب تک اہل بدعت سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ یہ کتاب اتنی جامع اور منقح ہے کہ اس محاذ پر کام کرنے والے اس سے کسی درجہ میں مستغنی نہیں رہ سکتے۔ جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء

---

[1] [illegible]

چودھویں صدی کے تیسرے نامور عالم جنہوں نے زندگی کا ایک حصہ بہ خصوص اس محاذ پر لگایا رئیس المناظرین مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلی ہیں۔ آپ نے بیس سال کے قریب اس محاذ پر کام کیا۔ بوارق الغیب علی من یدعی لغیر اللہ علم الغیب جن کی دو جلدوں میں ضخیم کتاب ہے سیف یمانی بر مکائد فرقہ رضاخانی۔ فتح بریلی کا دلکش نظارہ۔ معرکۃ القلم مولانا اسماعیل شہیدؒ اور ان کے اہل بدعت ناقدین چودھویں صدی کے اس معرکے کی تاریخی دستاویزات ہیں مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم نے مولانا احمد رضا خاں کے پیروؤں مثل مولانا حشمت علی لکھنوی اور مولانا سردار احمد گورداسپوری کو مناظروں میں پے در پے شکستیں دی ہیں۔

ان کے بعد محقق شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خاں کا نمبر آتا ہے آپ نے بریلوی اختلافات کے تقریباً ہر مسئلے پر قلم اٹھایا اور تدریسی مصروفیات کے باوجود ان موضوعات کو ایسا نبھایا کہ چودھویں صدی کے اہل حق کی طرف سے اہل بدعت پر حجت تمام کر دی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر (برحاشیہ کنز الایمان) پر بڑی تفصیل تنقید "تنقید متین" کے نام سے فرمائی۔ مسئلہ حاضر و ناظر پر تبرید النواظر اور تفریح الخواطر اور مسئلہ علم غیب پر ازالۃ الریب جیسی جامع کتابیں لکھیں۔

الحمد للہ تعالیٰ اب اسلامک اکیڈمی مانچسٹر نے یہ خدمت سنبھالی اور یہ سلسلہ بھی اسی خدمت کا ایک حصہ ہیں سمجھا ہے پاکستان میں مولانا علامہ سعید احمد صاحب (گوجرانوالہ) اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ آپ چشتیاں کے مرکزی بریلوی عالم مولانا محمد بشیر کے صاحبزادے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لائن میں قبول کیا ہوا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

دونوں طرف کے علمی کام پر یہ تفصیل محض اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ تیرہویں صدی تک منکوں اور قبر پرستوں کو علمی استناد دینے والا جب کوئی طبقہ علماء نہ تھا تو یہ چودھویں صدی کے نصف آخر کا حادثہ ہے کہ اس میں علماء کا ایک گروہ منظم صورت میں ان قبوریوں کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ سو چودھویں صدی کے علماء حق بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے اتنا کام کیا ہے کہ تحریک بریلویت اب دعوت قہقری پر جاری ہے۔

بایں ہمہ بریلویت ان دونوں صرف چند بدعات کا نام نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے

بعد ان کے بارہ حضرت یہ سمجھے ہیں: مولانا حامد رضا خاں (ھ) مولانا مصطفیٰ رضا خاں (ھ) مولانا نعیم الدین مراد آبادی (۱۳۶۷ھ) مفتی احمد یار گجراتی (۱۳۹۱ھ) مولانا حشمت علی خان (۱۳۸۰ھ) مولانا محبوب علی خاں (ھ) مولانا سردار احمد لائلپوری (   ) مولانا محمد عمر اچھروی (   ) نظام الدین ملتانی (   ) مولانا احمد سعید کاظمی (   ) مولانا امجد علی (صاحب بہار شریعت ۱۳۶۷ھ) مولانا ابو البرکات سید احمد (بن مولانا دیدار علی ۱۹۷۵ء)

ان بارہ حضرات نے بریلویت کی گرتی دیوار کو اپنی تصنیف و تالیف اور مناظرہ و تقریر سے بہت سہارا دیا ہے مگر یہ دیوار مسلسل گرتی جا رہی ہے علمائے بدایوں اور مشائخ مارہرہ شریف گو مولانا احمد رضا خان کو اپنا اعلیٰحضرت نہیں مانتے لیکن مسلکاً بریلویوں کے زیادہ قریب ہیں اور انہیں بھی بریلوی ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور مفادات دونوں کے مشترک ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے رسالہ شمع توحید میں بریلویوں کی رجعت قہقری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

① امرتسر میں اسی سال پہلے قریباً سب مسلمان حنفی بریلوی خیال کے تھے۔ الخ

② امرتسر میں چند لوگ اس قماش عقیدے کے ہیں جن کا اظہار ان اشعار میں کیا جاتا ہے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر ——— اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

جوں جوں اسلامی شعور پختہ ہو رہا ہے اور علم پھیل رہا ہے بریلویت کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے اور جہالت کے بادل چھٹ رہے ہیں۔

اس پر خوش ہونے کی کوئی بات نہیں کہ ہندوستان میں سب لوگ پہلے تو بریلوی تھے کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ پہلے یہاں سب لوگ ہندو تھے مگر جب اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے پھر بھی تا ہے ہندو اثرات سے بریلویت نے ترتیب پائی۔ سو ناپختہ مسلمان بریلوی مذہب تو اور کون۔ جو لوگ ہندوؤں اور بریلویوں کے مشترکات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اہل سنت اور اہل بدعت میں معرکے

یوں تو سنت اور بدعت میں کوئی مقابلہ نہیں علم اور جہالت میں کوئی معرکہ آرائی نہیں ہو

سکتی۔ روشنی اور اندھیرا کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت (علمائے دیوبند) اور اہل بدعت (بریلویوں) میں تاریخی معرکے ہوئے۔ مولانا احمد رضا خاں تو کبھی اپنے کسی مخالف کے سامنے نہیں آ سکے تاہم ان کے پیروؤں میں مولانا حشمت علی خاں اور مولانا سردار احمد لائلپوری نے کچھ ہمت کی اور میدان میں آ نکلے۔ ان مناظرانِ اہل سنت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں زبردست شکستیں کھائیں یہ مناظرے چھپے ہوئے موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے فتح اور شکست ہمارے کہنے پر موقوف نہیں۔

انگلینڈ میں ایک پیر مولوی عبدالقادر جیلانی نے جامع مسجد راولپنڈی کی طرز پر فرقہ وارانہ مسائل چھیڑے اور جب مناظرہ تک نوبت پہنچی تو مولوی صاحب نے مناظرہ کے لیے سانگلہ ہل (پنجاب) کے مولوی عنایت اللہ صاحب کو انگلینڈ بلایا۔ انگلینڈ میں کوئی بریلوی عالم اس درجہ کا نہ تھا جو مناظرہ کر سکے۔ اس لیے ان لوگوں کو پاکستان سے مولانا سردار احمد لائلپوری کے شاگرد خاص مولوی عنایت اللہ سانگلوی کو تھامنا پڑا۔ افسوس کہ وہ بھی بریلویت کی اس گرتی دیوار کو کوئی سہارا نہ دے سکے۔

کرشینفیلڈ میں عنایت اللہ سانگلوی سے مناظرہ ہوا اور بریلوی اس شکست کے بعد انگلینڈ میں ہمیشہ کے لیے دب گئے۔ اب ان کا موضوع کبھی کوئی علمی معرکہ نہیں ہوتا۔ بس یہاں پیروں کی ایک قطار لگی ہے ــــ کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے ــــ صرف دو پیر انہیں ایسے ملے ہیں جنہوں نے یہاں مستقل ملتان سے ڈیرہ لگایا ہے۔ ان میں اول ہیں سب کے شیخ المشائخ ابوالفتح چشتی ہیں اور دوسرے مولوی عبدالقادر جیلانی ہیں اور بریلویوں کی بدقسمتی ہے کہ یہ دونوں پیر اپنے حلقوں میں حاصل و محصول میں مصروف ہیں اور انگلینڈ میں بریلویت کو علمی طور پر سہارا دینے والا اب کوئی نہیں رہا۔ وقت آئے گا کہ یہ دونوں پیر بھی ایک نہ ایک دن یہاں سے نکل بھاگیں گے۔

چودھویں صدی کے بریلوی مورچے

چودھویں صدی میں مولانا احمد رضا خاں کی کوششوں سے بریلویت نے علمی انداز پا لیا تھا مولانا نے بیچ دین مذہب کو ایک علمی شکل دے دی تھی۔ تاہم مولانا احمد رضا خاں اس وقت کوئی

معروف شخصیت نہ تھی اس لیے بریلویت نے ان کے کافی عرصہ بعد عوامی شہرت پائی۔ مولانا احمد رضا کے بعد جو لوگ ان کے بارہ امام ہوئے انہوں نے مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔ ہندوستان میں صدی میں اب ان لوگوں نے مستقل مورچے بنا لیے ہیں اپنی اذانیں مسجدیں۔ نمازیں اور جنازے تک عام مسلمانوں سے مختلف کر لیے ہیں۔ اب ان کی مسجدیں عام مسلمانوں کی مسجدوں سے ممتاز ہیں۔ یہ اہل بدعت کے وہ مورچے ہیں جہاں سے وہ اپنے اردگرد شب و روز اختلافات کے تیر چھوڑتے ہیں اور اپنی بدعات کو انہوں نے اپنا بنیادی امتیاز اور مذہب احناف بنا رکھا ہے حالانکہ فقہ حنفی میں ان بدعات کا نام و نشان تک نہیں۔ علماء بریلی کے یہ سات مسئلے ان کا مذہبی امتیاز ہیں۔

(۱) اذان میں اضافہ صلوٰۃ و سلام۔

(۲) جماعت کے لیے قدقامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز جاننا۔

(۳) فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمے کا ذکر

(۴) نماز جمعہ اور مجالس کے بعد تعظیمی قیام۔

(۵) نماز جنازہ کے بعد وہیں کھڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔

(۶) گیارہویں شریف، اعراس و ختمات اور چہلم کی مجالس۔

(۷) مزارات پر چڑھاوے، کبھی نقدی نذرانوں کی شکل میں۔ کبھی پلاؤ کی دیگوں کی صورت میں، کبھی زندہ بکروں کے پیرائے میں اور کبھی خوبصورت لڑکیوں کی پیشکش میں۔

اس وقت ہمیں ان سنت مسائل سے بحث نہیں۔ یہ مسائل عوام میں ان کے امتیازات ہیں اور آج بریلوی اپنے انہی کاموں سے پہچانے جاتے ہیں اور یہی ان کے بنیادی مسائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس کی مساعدت شامل حال ہوئی تو ہم ان شاء اللہ العزیز ان پر آئندہ کسی موقع پر کچھ تفصیل عرض کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب میں یہ عقائد خمسہ اور سفت مسائل (بدعات سبعہ) بریلویت کی اساس اور بریلویوں کا جوہری امتیاز ہیں اور غالباً یہی وہ امور ہیں جن کے باعث مرکز اسلام مکہ اور مدینہ میں بریلوی جماعت

کا واقعہ مشہور ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وصیت میں سچے حسینی دین و مذہب پر چلنے کی تاکید کی تھی وہ دین یہی عقائد خمسہ اور مذہب یہی بدعتی مسائل ہیں۔ یہ ان کے دین و مذہب کا نتیجہ پہلو ہے جس میں ان کا سب سے بڑا مستقل یہ ہے کہ شریعت میں اس پر کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو۔ اپنی نئی نئی مذہبی اختراعات کو مذہب میں داخل کرنے میں یہ کوئی نقل پیش کرنے کے پابند نہیں —— جو رد کے دلیل وہ لائے۔ اگر کہیں منع کا ثبوت نہیں ملتا تو اسے مستحب قرار دے دیتے ہیں اب کوئی چیز رد کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

بریلویوں نے ایجاد و بدعات کا کیسا آسان کلیہ دیا ہے کہ اس سے منع نہ کیا گیا ہو۔
یہ کافی ہے۔

عام امت کو اختراع شریعت کا حق دینا

انہوں نے اپنے اس من گھڑت مذہبی موقف کو ثابت کرنے کے لیے اب کچھ روایات کا سہارا لینا بھی شروع کر دیا ہے۔ مثلاً ① یہ کہ جو کوئی دین میں اچھی بات داخل کرے اسے اس پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا ② یا یہ کہ عام مسلمان جس عمل کو اچھا سمجھنا شروع کریں اللہ کے ہاں بھی وہ دین بن جاتا ہے ③ یا یہ کہ تم عام مسلمانوں کو دیکھو جدھر زیادہ بھیڑ نظر آئے ادھر لگ جاؤ —— یہی تمہارا دین اور یہی تمہارا مذہب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کچھ ان روایات کا بھی تذکرہ کر دیں جن کے غلط استعمال سے بدعات کی یہ دکانیں کھلتی ہیں اور بحر جہالت کے سایہ میں یہ سارا کھیل کھیلنے کا کاروبار چلتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی کہا ہے۔

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و
یصدون عن سبیل اللہ　　　پ۱۰ التوبہ ع۵

یہ صرف لوگوں کا مال کھانے کی ہی راہ نہیں۔ انہیں اللہ کے دین سے روکنے کی بھی نہایت تاریک راہ ہے۔

بریلویوں کی پیش کردہ روایات

ان کی پہلی دلیل حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ ہے۔ دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ما راہ المسلمون حسنًا ہے اور تیسری روایت لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ ہے۔ ان تینوں کی شرح ہم پہلے صفحہ ۲۵۶ سے صفحہ ۲۶۲ تک کر آئے ہیں۔ بریلویوں کا استدلال ان روایات سے تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اب آپ خود سوچیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے جو وصیت کی کہ میرے دین و مذہب پر چلنا یاد رہے فرض ہے اس چودھویں صدی کے دین و مذہب کو اہل السنۃ والجماعۃ کا دین و مذہب مان لیں گے؟ اہل السنۃ والجماعۃ کے دین و مذہب کی اساس شروع سے ہی سنت نبویہ اور عمل صحابہؓ پر رہی ہے ـــــ دین و مذہب وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ سے اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ملے اور کسی کو وہ کتنا ہی بڑا خان کیوں نہ ہو) یہ حق نہیں کہ اپنی مخترعات کو دین محمدی میں داخل کرے اور لوگوں کو کہے کہ میرے دین و مذہب پر چلو۔

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کی وصیت کے متعلق پہلو کو اس بحث پر ختم کرتے ہیں اور ان کے سیاسی موقف کا کچھ تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی وصیت کا سیاسی پہلو

تاج برطانیہ کی غیر متزلزل وفاداری

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

بریلی انگریزوں کی حمایت میں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مولانا احمد رضا خاں کی اپنے بیٹوں کو وصیت کہ میرے دین و مذہب پہ چلو بڑے دُور رَس اثرات کی حامل ہے۔ مذہبی طور پر آپ اس کی آئینہ داری کر چکے، اب اس کا سیاسی پہلو بھی ملاحظہ فرمائیں:

خاں صاحب کی وصیت کا سیاسی پہلو

مولانا احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے آپ برملا فتوے دے چکے تھے کہ مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ تحریک خلافت میں آپ سیال شریف (ضلع جھنگ) کے سخت خلاف تھے خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی نے تحریک خلافت میں علماء دیوبند کا ساتھ دیا تھا مولانا احمد رضا خاں تونسہ شریف اور گولڑہ شریف کی گدیوں کے پہلے سے مخالف تھے کہ انہوں نے علمائے دیوبند کے خلاف فتوے کفر لگانے میں ان کا ساتھ نہیں دیا

خاں صاحب کے بیٹوں نے اس وصیت پر کہاں تک عمل کیا۔	خاں صاحب کے بیٹے مصطفےٰ رضا خاں نے اپنے باپ کے دین و مذہب کو قائم رکھا۔

اس کے سیاسی پہلو کو بھی پوری قوت سے نبھایا اور ۱۳۴۱ھ میں مسئلہ خلافت کے خلاف ایک رسالہ طرق الھدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد لکھا جسے جماعت رضائے مصطفےٰ نے مطبع فیض منبع حسنی پریس بریلی سے شائع کیا

ترکوں کے خلاف یہ رسالہ پہلے شائع کر چکے تھے۔ شریف مکہ کی حمایت میں آپ نے انگریز الاہرو لکھی ــــ آپ طرق الہدیٰ والارشاد میں لکھتے ہیں:

اپنی عزت و جان و مال خصوصاً جان کی حفاظت تو اہم فرائض سے ہے یہاں تک کہ اعظم فرائض نماز سے بھی اہم تر ہے کہ نماز اور سب فرائض فرع ہیں اور وجود اصل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو[1]

اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی فائدہ ہے یا سراسر حضرت جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت فتنہ و فساد کی اثارت ہے یا اماثت ص۳۱.

ایسی حالت میں بیہودہ جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا اور ان سے طعن اٹھانا ہے اور جبکہ وہ ان شنائع قبائح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے وہ ہرگز حکم شرع نہیں ص۳۱.

خود اس گاندھی امت کے لیڈر اعظم مولوی عبد الباری کو مسلم ہے کہ یہ وقت وقت جہاد نہیں اور جبکہ وہ نامفید اور بے ضرورت اہلاک نفس ہے ص۳۲

ادھر بریلی سے جہاد کے خلاف فتوے جاری ہو رہے تھے ادھر مرزا غلام احمد کے پیر دستر جہاد کے خلاف اشتہارات پورے ملک میں پھیلا رہے تھے اور یہ سارا نزلہ علماء دیوبند علمائے فرنگی محل اور خواجگان سیال شریف پر اتارا جا رہا تھا مرزا غلام احمد کا جو اشتہار بریلی کے ان فتووں کے ساتھ بانٹا جاتا تھا اسے بھی کچھ سن لیں آپ محسوس کریں گے کہ مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب اور مرزا غلام احمد کی مسیحیت دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور اسی کی طلب تھی کہ ہندوستان میں جہاد کی آواز یکسر ختم ہو کر رہ جائے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال	دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے	اب جنگ اور جہاد کا فتوے فضول ہے
لوگوں کو یہ بتاؤ کہ وقت مسیح ہے	اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے[2]

انگریزوں کی حمایت میں بریلی کا غلط موقف۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہند شکست کھا گئے انگریزوں نے سخت ترین انتقام لیا اور مسلمانوں پر تو مظالم ڈھائے کہ الحفیظ الامان ہزاروں بے گناہ پھانسیوں پر

---

[1] طریق الھدی ص۲۹ [2] تحفہ گولڑویہ ضمیمہ اول ص۲۶

لٹکا دیے گئے ایسے حالات نے بعض عمائدین کو مجبور کیا کہ وہ اس وقت خلقِ خدا کو مزید قتل عام سے بچائیں اور وقتی طور پر پچھلی صفوں میں آ جائیں انگریز انہیں باغیوں کی صف میں نہ دیکھیں وہ اس وقت ایک محاذ لیے ہوئے تھے۔ یہ ایک وقتی حیلہ تھا اور الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان پر عمل کا عمل تھا اور عزم یہی تھا کہ نئی طاقت جمع ہونے پر پھر اسی سامراج سے پنجہ آزمائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فن حرب میں اس چالاکی کی اجازت دی ہے اور طاقت جمع کرنے کے لئے پیچھے لوٹنے کو جائز بتلایا ہے۔ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئۃ پ ۱۸۵۷ء کے بعد تحریک خلافت پر پھر انگریزوں سے دوسری پنجہ آزمائی تھی مسلمان ۱۸۵۷ء کے بعد جب دب گئے اس وقت تو بریلی سے کوئی آواز نہ اٹھی کہ دیکھا نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب حضرت شیخ الہند کی قیادت میں نئے سرے سے اٹھ کھڑے ہوئے تو آستانہ بریلی انگریزوں کی حمایت میں کھلے طور پر سامنے آ گیا اور مسلمانوں کو انگریزی دوستی کے اس پہلے موقف پر آنے کی ہی آواز دی اور کہا اپنے پہلے موقف پر ہی رہیں جو مصلحتاً اختیار کیا گیا تھا اب مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کا استدلال سنیئے اور ان کی سوچ اور دینی غیرت پر سر دھنئے۔

۱؎ مسعود احمد بریلوی بھی لکھتے ہیں ماسوائے چند علماء کے مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۳۵)

وہ علماء کون تھے جو دل سے انگریز کے ساتھ نہ ہو سکے؟ مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں

۱۹۰۹ء میں مولانا محمود الحسن نے ریشمی خطوط کے ذریعے آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا اس مقصد کیلئے مولانا محمود الحسن حجاز گئے یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترک اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے ...... شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضرنامہ پر مولانا محمود الحسن سے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کئے گئے ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔ (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۷) ۲؎

> آج یہ نصاریٰ ظالم ہیں کل تک یہی رحمدل نیک دل مہربان تھے آج ان کی کچہریوں میں ظلم ہو رہا ہے کل تک عدل وانصاف ہوتا تھا آج ان میں مقدمات لے جانا حرام ہو گئے آج یہ سوجھا ہے کہ وہاں خلاف شرع فیصلے ہوتے ہیں کل تک یہی کچہریاں عدالتیں تھیں لے

یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ آستانہ بریلی اہل ہند کی پہلی سوادات کی پالیسی کی حمایت میں بول رہا تھا یا اس نئی مخالفت کی پالیسی کے مخالفت پیش نظر تھی مجھے وہ قلم جوان دونوں پالیسیوں میں ٹکراؤ ثابت کر رہا ہے اس کی اپنی اندر کی آواز کیا ہے ؟ وہ اس پہلی سادات کی پالیسی کے ساتھ ہے یا وہ اس نئی پالیسی کے مطابق انگریزوں کے مقابل کھڑا ہے خلافت کی حمایت کر رہا ہے یا مخالفت ؟ آپ کا فیصلہ یقیناً یہی ہو گا کہ آستانہ بریلی کے اس فقرے کے پیچھے انگریزوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

آستانہ بریلی کے ان طنز آمیز فقروں پر غور کریں کیا ایک ایک لفظ انگریز پرستی کے زہر میں ڈوبا ہوا نہیں اور کیا یہ مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کے لئے نہیں کہ انگریزی عدالتیں اب بھی عدل وانصاف کا گہوارہ ہیں اور نصاریٰ ہمارے اب بھی مہربان ہیں اور ہمیں وہ ہر قیمت پر گوارا ہیں افسوس یہ لوگ سمجھ نہ پائے کہ اس پہلے وقت کی حیلہ بازی عوام الناس کو مختلف خوں ریزی سے بچانے کے لئے تھی اگر وہ طریقہ غلط تھا تو اس وقت تم کانپور کے مسلمانوں کی مدد کے لئے میدان میں کیوں نہ نکل آئے اور اب جبکہ مسلمان کچھ سنبھل رہے ہیں تم انہیں پھر انگریزوں کی جھولی میں ڈال رہے ہو! تمہارا اختلاف اس پہلی پالیسی سے نہیں اس دوسری پالیسی سے ہے۔ تاریخ سے نہیں منسوخ سے ہے حاکم نہیں محکوم سے ہے۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں آگے جا کر لکھتے ہیں :-

> جب انگریزی سلطنت میں اپنا رسوخ بڑھانا تھا اعتبار جمانا تھا اگر وہ تمہیں باغی نہ سمجھیں انتہا رنگ وہ تھا اب جو مس سوراج اور آزادی خود مختاری کے نشہ اور سلطنت کرنے کی خواہش کی ترنگ میں رنگ یہ ہے لے

لے طرق الھدیٰ والارشاد ص۳۲۔ لے طرق الھدیٰ والارشاد ص۱۹

اس تحریر کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ تحریک خلافت کے حامی قدام ہندوستان کی آزادی کی طرف بڑھا رہے تھے سلطنت اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتے تھے بیرونی سامراج سے وہ جان چھڑانا چاہتے تھے اور آستانہ بریلی علی الاعلان آزادی حاصل کرنے کے خلاف تھا انگریزوں کی اس سے بڑھ کر اور خیر خواہی کیا ہو سکتی تھی۔

خلافت کے خلاف چلنے کی ایک اور وجہ

بریلوی تحریک خلافت یا تحریک آزادی ہند کے اس لئے بھی مخالف تھے کہ آزادی پسند طاقتوں نے حضرت محمود الحسن دیوبندی کو شیخ الہند بنا رکھا ہے جلسوں کی صدارت بھی کرتے ہیں۔ اور جمعیت علماء ہند کے صدر بھی ہیں ہے مصطفیٰ رضا خاں کی اس اندر کی آگ کی ایک لپیٹ یہ ہے۔ دیکھئے احکام الامارہ صفحہ ۲

" ——— ان کا شاندار استقبال کریں کہا میں غرض کوئی دقیقہ ان کے اعزاز و اکرام کا اٹھا نہ رکھیں انہیں صدر جلسہ صدر جمعیت کریں بلکہ بعض کو شیخ الہند بنائیں۔ کیا آج سے پہلے انگریز انگریز نہ تھے وہ مسلمان جو غدر میں پھانسیاں دیئے گئے دریائے شور بھیجے گئے سخت سزایاب ہوئے جو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے گئے وہ مسلمان نہ تھے "

یہ ایک مقام غور ہے مصطفیٰ رضا خاں کی اس عبارت سے ان کی غرض ان مظلومین کی ہمدردی ہے جنہیں بے گناہ پھانسیوں پر لٹکایا گیا تھا یا خاں صاحب بریلوی کا مقصد موجودہ تحریکات آزادی کو روکنا اور انگریزوں کی حمایت کرنا ہے اگر یہی وجہ ہے تو ہم پوچھ سکتے ہیں جناب اسوقت آپکے پردادا مولانا رضا علی خاں کہاں تھے پھانسی پر چڑھنے والوں کی ہمدردی میں کوشاں تھے یا کہیں اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے تاریخ کے طالب علموں کو یہ سوال کہنے کا پورا حق ہے مولانا احمد رضا خاں کے سوانح حیات میں شاہ ماتا قادری لکھتے ہیں۔

" مسلمانوں کو گرفتار کر کے تختہ دار پر چڑھایا جا رہا تھا مولانا رضا علی خاں "

اس زمانے میں بریلی میں محلہ ذخیرہ میں قیام فرما تھے " سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۔

مسلمانوں کے اموال لوٹ کر اسی محلہ میں کیوں ذخیرہ کئے جا رہے تھے اور کون اس وقت حکومت کی طرف سے بے خوف تھے یہ آپ خود اندازہ کرلیں۔

فتوئے جہاد کے خلاف مولانا احمد رضا خاں کی بڑی دلیل

مولانا احمد رضا خاں کی انگریزوں سے نہ لڑنے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ مسلمانانِ ہند کے پاس اتنی طاقت نہیں کہ وہ انگریزی حکومت کے خلاف اٹھ سکیں مولانا احمد رضا خاں نے لکھا۔

> مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ولہٰذا
> مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں [1]

مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے اسے اور وضاحت سے لکھا ہے۔

> جو حکم انسانی قوت وطاقت بشری وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ
> ہرگز حکم شریعت مطہرہ نہیں ...... اب یہ خود دیکھو کر یہاں اسوقت
> حکم جہاد میں تکلیف مالایطاق ہے یا نہیں ...... کیا نہتوں کو ان سے
> کہ تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا تحتی نہیں اور تکلیف
> فوق الوسعت نہیں کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا تو بڑی بات ہے اٹھانا
> نہیں جانتے انہیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں [2]

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کا اعلان حق

حضرت شیخ الہند نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ میں جو خطبہ دیا اس میں مولانا احمد رضا خاں کے اس احساس کمتری اور نالائقی کا مکمل جواب ہے حضرت شیخ الہند نقاہت کے باعث اسے خود نہ پڑھ سکے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اسے آپ کی طرف سے پڑھا حضرت شیخ الہند نے کہا۔

> اے حضرات آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادی پُرخار کو آپ برہنہ پا
> ہو کر قطع کرنا چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے قدم قدم
> پر مصیبتوں کا سامنا ہے طرح طرح کی بدنی اور مالی اور جاہی مکروہات
> آپ کے دامن استقلال کو اُلجھانا چاہتی ہیں۔ لیکن حُفّت الجنۃ بالمکارہ

---

[1] دوام العیش صفحہ ۱۴ [2] احکام الامارۃ والجہاد صفحہ ۲۹، صفحہ ۳۰

(جنت ناخوشگوار امور کے گھیرے میں رکھی گئی ہے) کے قائل (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں اور ضرور مانتے ہیں تو یقین رکھیے کہ جس صحرائے پرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے رستے سے جنت کا دروازہ بہت ہی قریب ہے کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب و آلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر ہی نکلا ہے اور الٰہی تمناؤں کا چہرہ سخت سے سخت مصیبتوں کے جھرمٹ میں سے دکھائی دیا ہے۔

یہ حق تعالیٰ شانہ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی و تغیر کو راہ نہیں کوئی قوم اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے رستہ پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو خدا کے برگزیدہ اور اولو العزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیارا کسی سے نہیں ہو سکتا اس سے مستثنیٰ وہ بھی نہیں رہے بیشک ان کو مظفر و منصور کیا گیا مگر کب؟ سخت ابتلا اور زلزال شدید کے بعد

پس اے فرزندان توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء و مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خدائے قدیر کی امداد کے سامنے تار عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے بھی زیادہ کمزور رہیں

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امید وار ہوں بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ

ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب و ضرب کا ـــــ حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیئے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

اے نونہالان وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح میں نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) رشتہ جوڑا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتلائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے [1]

یہ حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ کے چند اقتباسات ہیں آپ نے اپنی دعاوی کے تائید میں بہت سی آیتیں بھی پیش کی ہیں مگر اختصار مضمون کے پیش نظر ہم انہیں یہاں نہیں دیتے

اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا وہ فتوےٰ پڑھا گیا جو آپ نے دیوبند سے طلبہ علی گڑھ کے جوابات میں بھیجا تھا اس پر ان شاء اللہ ہم آگے چل کر مقام خلافت کے زیر عنوان مفصل بحث کریں گے۔

اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اس خطبہ میں کہیں نہتے مسلمانوں کو توپوں سے ٹکرانے کی دعوت نہیں دی جیسا کہ بریلویوں نے قائدین خلافت کے خلاف پراپیگنڈا کر رکھا تھا نہ کہیں آپ نے انگریزوں کے خلاف کھلی لشکر کشی یا عام لام بندی کا حکم دیا ہے۔ جن سے یہ بریلوی لوگوں کو حضرت شیخ الہندؒ سے ڈراتے تھے۔ آپ کا اس تمام تحریک میں یہی عزم و حزم رہا ہے کہ جوں جوں طاقت بنتی جائے منزل کی طرف قدم بڑھاتے جاؤ مشکلات

---

[1] خطبات شیخ الہند ص۵

پر قابو پانے کے لئے آپ نے ان چار امور پر توجہ مبذول فرمائی۔

(۱) آزادی کی یہ جنگ صرف مسجدوں اور خانقاہوں سے نہ لڑی جائے اس میں کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ کو بھی ساتھ شامل کیا جائے ان نوجوانوں کو بے دین اور انگریزی خواں کہہ کر حقیر نہ سمجھا جائے یہ قوم کا عظیم سرمایہ ہیں ان سے ہماری سیاسی صفوں میں اور قوت آئے گی۔

(۲) ہندوستان کی غیر مسلم اقوام جو گو ہمارے مذہب پر نہیں مگر انگریز دشمنی میں ہمارے ساتھ ہیں ان سے بطریق مدارات اپنے مقاصد کے لئے مدد لی جائے مثلاً ترکی خلافت خالص اسلامی کا مسئلہ ہے مگر اگر ہندو بھی انگریز دشمنی میں تمہیں امداد دیں تو اسے ٹھکرایا نہ جائے انہیں ساتھ ملایا جائے

(۳) ہندوستان کے مسلمانوں کا دائرہ اسلامی اخوت وسیع کیا جائے اس میں افغانستان اور ترکی کو ساتھ لیا جائے تاکہ ہندوستان کے مسلمان ترکوں، افغانوں اور آزاد قبائل کو ساتھ ملا کر ہندوؤں کے مقابل ایک بڑی اکثریت بن سکیں۔

(۴) انگریز کے مقابلہ میں کھلی جنگ کا اعلان نہ کیا جائے پہلا ترک موالات سے ان کے خلاف سرد جنگ لڑی جائے ان کی فوج اور پولیس میں ملازمتیں نہ کی جائیں سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس میں ان کی امداد قبول نہ کی جائے اور ان کی عدالتوں میں مقدمے نہ لے جائے جائیں آپ نے اپنے خطبہ میں اس کی ان لفظوں میں وضاحت کر دی تھی۔

چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعت اعداء کے مادی اسباب نہیں ہیں توپیں، ہوائی جہاز، بندوقیں ان کے ہاتھ میں نہیں اس لئے مادی جنگ نہیں کر سکتے ہیں لیکن انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ جب تک برطانیہ کے وزراء اسلامی مطالبات کو تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ معاشرتی اور اخلاقی جنگ ہے یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم رکھیں جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے نشہ غرور و تکبر کو تیز کرے مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن کے مرتبہ میں رکھیں اور

اپنے تعلقات جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنے والے ہیں ایک دم چھوڑ دیں اس اخلاقی جنگ کا نام ترک موالات ہے۔ [1]

حضرت شیخ الہند کی تردید میں بریلویوں کا جواب

ہندوستان کے آستانہ بریلی سے انگریزوں کی حمایت میں حضرت شیخ الہند کی یہ چار دنا باتیں مسترد کر دیں۔ ① کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے بارے میں کہا کہ یہ سب ہیں انہیں کس طرح ساتھ لیا جا سکتا ہے اور شیخ الہند دیوبندی ہیں ان کا ساتھ کیسے دیا جا سکتا ہے

② ہندوستان کی غیر مسلم اقوام (ہندوؤں کو) اپنے دینی کاموں میں ساتھ لینا جائز نہیں جو ہندو انگریزوں کے خلاف کام کرتے رہے ہیں (جیسے گاندھی) ان کو ہم کیسے اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں وہ تو ہندو ہیں غیر مذہب ہیں۔

③ مسلمانوں کی وسیع تر اقوت ترکوں کے گرد جمع نہیں کی جا سکتی کیونکہ ترک غیر قریشی ہیں وہ خلافت کے حقدار نہیں ہو سکتے مولانا احمد رضا خان نے ترکوں کے خلاف ایک مستقل رسالہ دوام العیش فی الائمۃ من قریش لکھا جسے حسنی پریس بریلی سے شائع کیا ترکی خلافت کی خلاف خاں صاحب کی یہ شرعی حجت تھی۔

④ انگریزوں سے ترک موالات نہ کرنا چاہیئے بلکہ دینی مدارس کے لئے ان سے امداد لے لینی چاہیئے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا۔

> تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ (برطانیہ) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے [2]

بریلویوں نے حضرت شیخ الہند کی تحریک کو ناکام کرنے کے لئے علی گڑھ کے طلبہ کو نیچری کہا اور جمعیت والوں کو دیوبندی ٹھہرایا اور ہر دست ملنا حرام بتلایا اب انگریزوں کو خطرہ کس سے ہو کسی سے نہیں جناب مصطفےٰ رضا خاں صاحب نے لکھا۔

---

[1] خطبہ شیخ الہند ص۱۲ [2] المحجۃ المؤتمنہ ص

بلکہ نبی بالفعل مانتے ہیں لیے خدا کر مبعوث من اللہ کہتے ہیں۔ [1]

اب آپ ہی غور فرمائیں اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا حضرت شیخ الہندؒ تو اس شرط سے دونوں قوموں کے اتحاد کو مفید سمجھتے تھے کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دیں اور یہ آستانہ بریلی ہے جو اہل حق پر یہ بہتان باندھ رہا ہے کہ وہ گاندھی کو بالفعل نبی مانتے ہیں استغفر اللہ العظیم۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مختلف قوموں کے اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات پہلے واضح کر دی تھی:

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو آپ خوشگوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشین کر لیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن میں پانی دے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ دونوں کے اتفاق کے لئے مہلک نہیں البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوشش جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عمل انسداد کریں گے۔ [2]

---

[1] طرق الھدیٰ والارشاد صفحہ ۳۳ [2] خطبہ شیخ الہند صفحہ ۱۰ ، ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خان

دیوبند اور سیال شریف کا ایک موقف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خاں

تحریک خلافت میں مولانا احمد رضا خاں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے تحریک خلافت کو کچھ سمجھیں۔ اسے سمجھے بغیر بریلویت کے سیاسی حرکات کا تحقیقی جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کس درجہ ضرورت میں ہے؟ اس پر ہم ذرا آگے چل کر کلام کریں گے۔ واللہ ھو الموفق

خلافت ایک شرعی اور اسلامی لفظ ہے۔ یہ وہ نظام حکومت ہے جو زمین پر رہنے والے انسانوں کے بنیادی حقوق Basic human rights کے تحفظ کے لیے خدا کی نیابت میں قائم ہو۔ یہ ایک ایسی سیاست ہے جو اللہ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق دونوں کی بیک وقت حفاظت کرتی ہے:۔

الخلافة هي النظام المحافظ للحقوق الإلهية والإنسانية.

جب یہ ایک شرعی اور اسلامی اصطلاح ہے اور دنیا خلافت سے خلافت راشدہ کی رو سے متعارف ہوئی تو یہ کہنا یا لکھنا کہ ہندوستان میں گاندھی تحریک نے خلافت چلائی، اس سے زیادہ کوئی جاہلانہ بات یا تاریخی تحریف اور کوئی نہیں۔

ایک صاحب تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سمیت بہت سے مسلمان رہنما اس مسئلے میں گاندھی کے ساتھ تھے۔

خلافت اور ترک موالات یہ اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ ہندوستان کے کثیر مسلمانوں کو اور وقت کے سیاسی قائدین مثل حضرت شیخ الہند، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حضرت خواجہ ضیاء الدین بہاری، مولانا ظفر علی خاں وغیرہم کو اس حد تک دین سے ناواقف بتلانا کہ وہ گاندھی کی قیادت میں ان اسلامی تحریکات میں نکلے تھے، اس سے بڑی بے وقوفی اور کیا ہو گی۔

خلافت ایک اسلامی اصطلاح ہے اور مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی ضرورت ہے۔ حضور خاتم النبیین کے بعد جو اسلامی امامتیں اور سلسلہ امور پیش قدر ہیں۔ اب ہجرت کے بعد خلافت تھی جس نے مسلمانوں کو

حمایت کرے۔ یاغستان کے حملے کے وقت وہ انگریزوں کا ساتھ دیں۔ مسلم زعماء نے ہندوؤں کو انگریز کے کیے گئے مظالم اور ان کے غیر ملکی ہونے سے نفرت دلا کر بعد حیلہ و بہانہ انہیں اپنے ساتھ کر لیا اور یہ ایک حضرت شیخ الہندؒ کی ایک نہایت گہری سیاسی سوچ کا نتیجہ تھی۔ آپ اسے اس درجہ میں بھی آشکارا نہ کرنا چاہتے تھے کہ ہندو جاگ پڑے اور اسے سمجھ جائے اور اس درجہ میں بھی نظر انداز نہ کرنا چاہتے تھے کہ بیرونی حملے کے وقت اپنے ملک کی دوسری قوم ہمارا ساتھ نہ دے۔ ہندوؤں کو اپنے ایک مذہبی مسئلے (خلافت) کے نام سے اپنے ساتھ ملانا ایک بڑی کٹھن منزل تھی اور ہندو اس موقع پر ہمارا ساتھ دے جائیں تو یہ ایک بڑی غنیمت تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وہ سوچ کیا تھی؟ ہندوستان کی ہندو اکثریت کو خلافت کی کم اکثریت سے بدلنا۔ اگر ہندوستان افغانستان کے زیر اثر آزاد ہوتا تو ہندوستان کے مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود اکثریت میں ہوتے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس راہ سے ہندو اکثریت پر غالب آنا چاہتے تھے لیکن اس وقت اس راز کا افشا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔

ثانیاً: حضرت شیخ الہندؒ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہندوستان میں دو قوموں کا دو قومی احساس باقی رہے ہندوؤں کے تعاون کو مسلمان اس احساس سے لیں کہ ایک دوسری قوم ان کے ایک دینی نعرے میں ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

انگریزوں کے پاس حضرت شیخ الہندؒ کی اسی سیاسی تدبیر کا ایک ہی جواب تھا۔ وہ یہ کہ ہندوستان میں پورے زور و شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ تحریک خلافت کو گاندھی چلا رہا ہے اور اس کے پس پشت ترک اور جرمن ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا خطبہ جو آپ کے حکم سے حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو پڑھا یہ حضرت شیخ الہندؒ کی آخری تحریر ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس اس کا آخری حصہ ہے۔

> میں اس وقت آپ سے رخصت ہو رہا ہوں اور جو کچھ مجھے کہنا تھا خطبہ صدارت میں کہہ چکا ہوں اور جو ضروری مضمون مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے آپ کو آج ہی کے اجلاس میں سنایا ہے اس کے ضمن میں بھی میرے مقاصد اور تجویزات نہایت خوبی سے ادا ہو گئے ہیں۔ اور حضرات علماء متدینین نے بحث و تحقیق کے

بعد جو امور طے کئے ہیں ان سے بھی یہ بندۂ ضعیف عملاً علیحدہ نہیں ہے۔ اگر چہ
اب مجھ کو اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم سب کو مل کر منظور کا اعلیٰ حضرات
سے طے شدہ تجاویز پر عمل کرنا اور کرانا چاہئیے۔ جن سے ہمارے ایمان، ہمارے کعبہ
ہماری خلافت، ہماری عزت و آبرو، ہمارے مقامات مقدسہ اور ہمارے وطنی
اور قومی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت بھی ہم نے غفلت اور تن آسانی
اختیار کی تو شاید دوبارہ فوقیت حاصل کرنے کا یہ آخری موقع ہوگا۔ جیسا کہ ہم جان بوجھ کر
اپنے ہاتھ سے کھو دیں گے۔ جو صراط مستقیم آپ نے معلوم کر لیا ہے قرآن و سنت
کی روشنی میں اس پر سیدھے چلے جائیے اور یمین و شمال کی طرف مطلق التفات
نہ کیجئے۔

جو لوگ اس وقت آپ سے علیحدہ ہیں ان کو بھی حکمت اور موعظہ حسنہ سے اپنی جماعت
کے اندر جذب کیجئے اور اگر اس میں مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بالتی ھی احسن
ہونا چاہیئے۔

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر
التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنا
دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا
ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد
نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں
کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ کے
لیے ناممکن بنا دے گی۔ ادھر دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت
کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ
بھی ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس
لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر
تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ

کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو۔ ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست نہ کر سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر یہ کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشیں کر لیجیے، اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حد بندیوں میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے۔ جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کمی کی جائے۔ نہ ان پر کبھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری مقصود ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لیے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں لیکن محکموں اور اسباب معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے در پے رہتے ہیں۔

میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری یہ گزارش دونوں قوموں کے زعماء (لیڈروں) سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی کثرت اور ریزولیوشنوں کی زبانی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے۔ ان کو ہندو مسلمانوں کے ملکی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ تعاملات کا اندازہ کرنا چاہیے۔ اگر فرض کرو، ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کے لیے مہلک نہیں۔ البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے ان مختصر مشوروں کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔

اب آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ ہم کو اور آپ کو نیکی اور سمجھ دے اور ہمارے دلوں کو سیاہ کاری کے بعد کچھ نور کرے اور ہماری مدد سے ہمارے مذہب پر دوسروں کو تضحیک کا موقع نہ دے اور ہم کو ہر ایک آسان اور کٹھن منزل میں صبر و استقلال کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور اس وقت کے حالات سے بہتر حالت میں پھر ہم کو جمع کرے۔ آمین یا رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آپ کا دعاگو اور خیر اندیش محمود حسن عفی عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء

اس میں آپ نے صریح طور ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو دو علیحدہ علیحدہ قومیں کہا ہے۔ اس سے پہلے یہ دو قومی نظریہ اور کسی سیاسی قائد کی زبان و قلم سے ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مولانا احمد رضا خاں کا سیاسی کردار

مولانا احمد رضا خاں اگر ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل نہ ہوئے تو محض اتنی بات پر کسی کو شکایت کا حق نہ تھا۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی تو تحریک خلافت میں ساتھ نہ تھے لیکن اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت تھانویؒ ان کے لیے دعاگو ضرور تھے اور مسلمانوں کی دینی رگ اپنے اپنے حلقوں میں دکھ درد پر یکساں پھڑکتی ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:

> ان کی نصرت واجب ہے اس لئے کہ کفار (انگریز) تو اس کو اسلامی سلطنت ہی سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لئے اس وقت ترکوں کی نصرت اسلام کی نصرت ہے۔ (الافاضات الیومیہ جلد ۳ ص)

مگر مولانا احمد رضا خاں نہ صرف یہ کہ تحریک خلافت کے مخالف تھے، شریف مکہ کے بڑے حامی تھے جس نے انگریزوں کی شہ پر خلافت عثمانیہ (ترکوں) کے خلاف بغاوت کی تھی۔ آپ نے اس وقت حجاز کے حالات میں جو کردار ادا کیا وہ آپ کو صریح طور پر انگریزوں کی گود میں لا بٹھاتا ہے۔ اس پہ بھی ہم

انشاء اللہ العزیز کچھ آگے چل کر بحث کریں گے کہ مولانا احمد رضا خاں کا شمار گورنمنٹ برطانیہ کے حامیوں میں کیوں تھا۔

اسلام میں قیادت کی اہمیت

اسلام میں خلافت صرف ایک نظام نہیں، ایک شرعی ضرورت بھی ہے۔ اسلام کے کئی مسائل ہیں جو اس کے بغیر ترتیب عمل نہیں پا سکتے اور کئی مذہب کے جمع و اعیاد تک بدون اذنِ سلطان قائم نہیں ہوتے۔

غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمانوں کا اپنا نظام عدل و قضا نہیں، وہاں ضروری ہے کہ مسلمان اپنے بعض مسائل (جو بدون اقتدار و قضا، حل نہ پا سکے ہوں) کے حل کے لیے اپنی اسلامی پنچائتیں قائم کر لیں

فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما[1]

ترجمہ: سو اگر والیانِ سلطنت غیر مسلم ہوں تو بھی مسلمان جمعہ پڑھ سکتے ہیں اور قاضی مسلمانوں کی اپنی تراضی سے قاضی ٹھہرے گا اور مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے (ان امور کا) والی بنائیں۔

خلافت ایک ایسی شرعی ضرورت ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت گو وہ اپنے نظم و قضا میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر کسی اور مرکز کی محتاج نہ ہو۔ اس کا اپنے مذہب و ملت کے بین الاقوامی ہونے کا عقیدہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ خلافت کے اقرار سے کسی ایسے عالمی نظام میں شامل ہو جو خداء تعالیٰ کی ماتحتی اور نیابت میں کرۂ ارضی پر قائم ہوا ہو۔

كل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار يجوز منه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليهم واما طاعة الكفرة فهي موادعة ومخادعة واما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم[2]

ترجمہ: ہر شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہو تو وہ وہاں جمعہ و عید قائم کر سکتا ہے اور جہاں والی بھی غیر مسلم ہوں تو وہاں مسلمان جمعہ و عید قائم کر سکتے ہیں اور قاضی شرع مسلمانوں کے باہمی فیصلے سے قاضی ہے گا اور ان پر کسی کو مسلم والی بنانا واجب ہے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۳ صفحہ [illegible] [2] رد المحتار جلد ۴ صفحہ [illegible] ایڈیشن قدیم

اسلام کا مقام خلافت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

انسان اس زمین پر خدا تعالیٰ کا نائب ہے، باقی کل کائنات اس کے ماتحت ہے۔ یہ سب پر فرماں روا ہے اور اسے یہ حق پہنچتا ہے۔ ہر ملک خلافت کو ملک خداوند ماننے کا دعوے کرے ــــ یہ شرف صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ انہوں نے زمین پر خدا کی نیابت کا نعرہ لگایا اور جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر کے کل دنیا کو ایک نظام میں جوڑنے کی کوشش کی۔ یہی خلافت ہے جو مسلمانوں کی ایک شرعی ضرورت ہے۔ ایک خدا کی نیابت میں دنیا ایک نظام کے تحت ہونی چاہئے اور چاہیئے کہ سب کثرتیں ایک وحدت کی طرف لوٹیں۔

خلافت کی اہمیت

اسلام میں خلافت صرف ایک نظام نہیں ایک شرعی ضرورت ہے کوئی اسلامی سلطنت گو اپنے نظم و نسق میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو، کسی مرکز کی محتاج نہ ہو، اس کا عقیدہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ خلافت کے اقرار سے اس عالمی نظم میں شامل ہو جو اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور نیابت میں کرۂ ارض پہ قائم ہو رہا ہو۔

سلطان محمود غزنویؒ ایک خود مختار سلطان اسلام تھا۔ ہندوستان پر اپنی طاقت، وسائل اور ارادے سے سترہ دفعہ حملہ آور ہوا۔ لیکن جب اُسے سلطنت ملی تو وہ بغداد پہنچتا ہے اور عباسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ خلافت سے وابستگی ایک شرعی ضرورت پوری کرتی ہے ــــ جب تک خلافت عباسیہ قائم رہی فرمانروایانِ ممالک اسلامیہ خلیفہ ہی کے ہاتھوں تاج پہنتے تھے اور ہر سلطان دستِ خلافت پر بیعت کرتا۔ اگرچہ زور و طاقت اور سطوت میں خود اس سے کہیں زیادہ کیوں نہ ہو۔

تاتاریوں کے ہاتھوں ۶۵۶ھ میں خلافت بغداد تاراج ہوئی۔ اور مستعصم باللہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ ایک بے وفا وزیر کی سازش سے شکست کھا گیا۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنیں

ساڑھے تین سال کے قریب مسلمان بے خلافت رہے۔ یہاں تک کہ رجب ۶۵۹ھ کو مستنصر باللہ نے خلافت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خلافت سلطان مصر نے شروع کی اور خلیفہ عباسی خاندان سے ہی چنا گیا یہ خلافت عباسی کے کاروانِ رفتہ کا محض ایک گرد و غبار تھا تاہم خلافت کی شرعی ضرورت اس سے پوری ہو گئی تھی اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان بے خلافت ہیں۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین گو اپنی طاقت اور اختیارات میں پورے طور پر آزاد تھے۔ لیکن اس شرعی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وہ خلیفۂ وقت کی طرف رجوع کرتے اور اس انتساب کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔

سلطان غیاث الدین نے ۸۰۹ھ میں خلیفہ مستعین باللہ سے اپنے لیے پروانۂ نمائندگی مانگا اور خلیفۂ مصر کو نذرانۂ عقیدت بھیجا۔ خلافتِ بغداد مٹنے کے بعد یہ خلافت مصر میں ایک مذہبی ضرورت کے طور پر قائم کی گئی اور مسلم فرمانروایانِ عالم اس سے پروانۂ نمائندگی لینے میں عزت و وقار سمجھتے تھے۔

پھر سلطان محمد بن تغلق شاہ اور سلطان فیروز شاہ نے بھی دربارِ خلافت سے پروانۂ نمائندگی حاصل کیا اور اسے اپنی بڑی عزت سمجھا۔ مصر کی یہ خلافت ڈھائی سو سال کے قریب رہی۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے خلافت کو ہمیشہ ایک شرعی ضرورت سمجھا ہے اور خلیفہ اپنے طور پر کتنا کمزور ہی کیوں نہ ہو اس کے ماتحت سلاطین کی طاقت خلیفہ کی ہی طاقت سمجھی جاتی رہی ہے۔

جب قریش خلافت کی اس ذمہ داری کو نبھانے میں کمزور پڑ گئے تو انہوں نے یہ ذمہ داری ترک سلاطین کو بخش دی۔ یہ وہی تاتار تھے جنہوں نے ساتویں صدی کے نصف میں خلافتِ بغداد کو تاراج کیا تھا اب یہی لوگ جگر گوشۂ اسلام بن کر مسلمانوں کی سب سے بڑی قوت تھے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مسلمانانِ ہند اور غلامی

ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو تمام اہلِ ہند کے لیے ایک کلی جابرانہ دور تھا

لیکن مسلمانانِ ہند کے لیے یہ درد بھی دو اسپیہ گہرے تھا۔ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی ہندوؤں سے نہیں، اس لیے مسلمانانِ ہند اس غیر ملکی تسلط سے ہندوؤں کی نسبت کہیں زیادہ زخمی تھے تاہم مسلمانوں کو ایک حوصلہ تھا جو ہندوؤں کو حاصل نہ تھا۔ ہندو بس یہیں ہندوستان میں تھے۔ باہر ان کا کوئی وجود نہ تھا لیکن مسلمان صرف ہندوستان ہی میں نہیں، دنیا کے کئی ملکوں میں موجود تھے، اور اس پہلو سے جو اکثریت مسلمانوں کو حاصل ہے وہ ہندوؤں کو حاصل نہ تھی۔ مسلمانوں کو یہ حوصلہ تھا کہ ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم ہے گو وہ (ہندوستانی مسلمان) خود انگریزوں کے ماتحت ہو گئے لیکن ان کی عالمی آزاد حیثیت اپنی جگہ موجود اور قائم ہے۔ ترکی سلطنت یہی خلافتِ عثمانیہ تھی اور مسلمان خلافت کو اپنا ایک شرعی ضرورت سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہم جو کچھ بھی ہوں اپنی جگہ رہیں، لیکن ترکی خلافت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو اسے ہر صورت قائم اور برقرار رہنا چاہیے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے قوم کی اسی نبض پر ہاتھ رکھا اور ہندوستان کے ہندوؤں کو بھی انگریز دشمنی کے بہانے اپنے ساتھ ملا لیا جس کو وسیع اتحاد میں جس میں افغانستان آزاد علاقے اور ترکی بھی آ جائے، مسلمان اکثریت میں تھے اور ہندو اقلیت میں ——— جنہیں بڑی حکمت عملی سے خلافت کا ہمنوا بنا لیا گیا تھا جبکہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا۔ متعصب ہندو سے علمائے دیوبند کی ایک چال کہتے تھے جو ان کے خیال میں مسلمانوں کی نشأۃ جدیدہ کے لیے شیخ الہندؒ نے سوچی تھی۔

خلافت کی شرعی ضرورت

ہندوستان میں تحریک خلافت نے کیا صورت اختیار کی، اسے علامہ اقبال نے بڑی دردمندی اور دلسوزی سے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

یہ بات اپنی جگہ رہنے دیں خود مسلمان یہ سوچیں کہ اسلام ہے کہ نظامِ خلافت کو کس طرح مسلمانوں کی ایک شرعی ضرورت قرار دیتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں اس ضرورت کے قائل نہ تھے۔ نہ انہیں کبھی وحدتِ امت کا خیال آیا نہ وہ اسے اہم واجبات میں سے سمجھتے تھے۔ وہ یہ تو کہتے کہ ترک چونکہ قریش میں سے

نہیں، وہ خلافت کے لائق نہیں۔

یہ حقیقت تو انہیں بھی معلوم تھی کہ ترکوں کو جو قریش تھا نے ہی یہ ذمہ داری سپرد کی تھی۔ تو جب ترک خود قریشی نہیں مگر قریش کے نامزد کردہ تو ہیں۔ مگر جب کوئی دوسرا طاقتور قریشی اس ذمہ داری کے لیے آگے نہیں بڑھ رہے تو اس مجبوری میں ترکی خلافت محض اس لیے ٹھکرائی نہیں جا سکتی کہ ترک قریش میں سے نہیں ہیں۔ اس عنوان سے وہی شخص خلافت کا رد کرے گا جس کے عقیدہ میں خلافت خود کوئی شرعی ضرورت نہ ہو اور مسلمان بلا خلافت بھی رہ سکتے ہوں اور یہ کوئی گناہ کی زندگی شمار نہ ہو۔ قریش اگر یہ ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہ ہوں تو کیا کوئی بھی یہ ذمہ داری قبول نہ کرے اور امت کو خلافت میں ایک نہ کرے۔

مولانا احمد رضا خاں میدان عمل میں

مولانا احمد رضا خاں میدان عمل میں نکلے اور کھلم کھلا خلافت کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ نے دوام العیش کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں دلائل سے بتلایا کہ خلافت قریش کا ہی حق ہے غیر قریش میں یہ منعقد نہیں ہوتی۔ ترک چونکہ قریشی نہیں اس لیے ان کی خلافت ناجائز ہے اور شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے جو مسلمانوں کا نظام خلافت توڑا ہے یہ صحیح اقدام ہے۔[1]

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں نے شریف مکہ کو جو دعائیں دیں ان کے رسالہ کا ٹائیٹل آپ کے سامنے ہے۔ اس میں شریف کے لیے جو دلی شوق تھا اس کے الفاظ ان کے دل کی آواز ہیں۔ اور ان کی سیاست کا بھیدی ساز ہیں۔

خلافت کا مسئلہ کھل کر آپ کے سامنے آ گیا ہے۔ لیکن کبھی آپ ان مشکلات کا بھی اندازہ کریں جو اس وقت مسلمانان ہند جھیل رہے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں تو فتوے جاری کر رہے تھے کہ مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں[2] اور دیوبند میں حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقا سخت ترین آزمائشوں سے گزر رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف نے علمائے دیوبند کا ساتھ دیا۔ وہ مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے بیٹے اس وقت شریف مکہ کی قصیدہ خوانی میں مصروف تھے جس نے انگریزوں کی شہ پر ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔

---

[1] دوام العیش ص [illegible] طبع اول بریلی

یہ صحیح نہیں کہ ڈاکٹر اقبال حضرت شیخ الہندؒ کے حامی نہ تھے اور احمد رضا خاں کے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر صاحب
نے کھل کر شریف کی مخالفت کی شریف مکہ ہاشمی تھا اور ترک قریشی ہوتا تو ایک طرف عرب بھی نہ تھے
اور ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا: ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفےٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

یہ وہ ہاشمی ہے جس کی مدح و ثنا پر آستانۂ بریلی دل و جان لگا رہا تھا[1] اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت
خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ ترکوں کی حمایت میں جان و مال لگا رہے تھے یہ بریلوی نہ تھے۔

یہ سچ ہے کہ ان دنوں مسلمان جس شمع خلافت کی بقا کے لیے تڑپ رہے تھے وہ ٹمٹما رہی تھی تاہم
یہ قاعدہ عقلیہ شرعیہ کے بھی مطابق تھا کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ جو بات پوری نہ مل سکے یہ نہیں
کہ اس پوری کو چھوڑ دیا جائے شمع مدھم باقی رہے تو کسی وقت تیز بھی ہو سکے گی۔ مگر شمع کشتہ کو پھر سے
جلانا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے مسلمانوں کو ان کے اصل مقام سلطنت سے آشنا کرنے کے لیے کہا تھا
کہ اس درجے کی خلافت جس کا باقی رہنا صرف انگریزوں کی نظر کرم پر موقوف ہو مسلمانوں کے لیے موجب
عار ہے لیکن آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ نام کی خلافت بھی مٹ جائے جسے انگریز کلیۃً مٹانا چاہتے
تھے اور ہندوستان کے مسلمان اسے باقی رکھنا چاہتے تھے۔ نہایت افسوس کہ بعض لوگوں نے علامہ اقبالؒ
کے ان شعروں کی وجہ سے انہیں بھی خلافت کے مخالفین میں شمار کر دیا ؎

نہیں مجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

اقبال کی یہ بات ایک تازیانۂ عبرت کے طور پر تھی، نہ یہ کہ وہ اس ٹمٹماتی شمع خلافت کو بھی مولانا
احمد رضا خاں کی طرح سمجھا چاہتے تھے۔ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہ تھا ورنہ ڈاکٹر اقبال یہ ہرگز نہ کہتے

؎ بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفےٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

---

[1] دیکھئے الحجۃ الزاہرہ مصنفہ مصطفےٰ رضا خان ص ۳۲

حکومت کی مسلمانوں کے بارے میں حکمتِ عملی

عیسائی حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے مذہبی انتقام بھی لینا چاہتے تھے۔ ان کا مذہب ان کے نزدیک مذہب ہی نہ تھا۔ مگر مسلمانوں سے ان کے تاریخی رشتے ہوتے تھے۔ سو انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو فکری طور پر اس قدر الجھا دیا جائے کہ وہ ایک عظیم فوجی طاقت بن کر کبھی نہ ابھر سکیں ان کا لائحہ عمل یہ بنا کہ :۔

(۱) —— ایک جدید نبوت کی تحریک سے امت میں تقسیم پیدا کی جائے۔ نبوت سے ہی امتیں جنم لیتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

(۲) —— مسلمانوں کی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو قرآن کے حوالے سے سنت سے ہٹایا جائے اور عقل کی راہ سے ان کے تصورِ وحی کو کمزور کیا جائے۔

(۳) —— عوام کو مذہبی آزادی کا نعرہ دے کر لوگوں میں پرانے اسلام کے خلاف نئی نئی راہ عمل تجویز کی جائیں۔ مسلمانوں کو مذہبی آزادی کے نام سے سلف سے باغی کیا جائے۔

(۴) —— ایک طبقہ ایسا تیار کیا جائے جو بات بات میں دوسرے مسلمانوں کو کافر ٹھہرائے۔ سو ان پر کفر کے گولے برسائے

انگریزی سامراج نے مسلمانوں کو ان چار محاذوں پر الجھا دیا اور اپنا اقتدار اتنا مضبوط کر لیا کہ اب اس اقتدار کو فوجی ذرائع سے شکست دینے کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ انگریز اب اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کے مذہبی دائروں میں بھی ان کی ثالثی فیصلہ کن ہوتی۔ اب کہ اس دور میں پیر مرنے لگے تو ایسی گدیاں بھی ملیں گی جن کی جانشینی کے فیصلے لندن سے ہو کر آئے کہ اب کون سجادہ نشین کیا جائے۔ اس دور میں ایسی جاگیریں بھی ملیں جن کے نام انگریزی حکومت نے الاٹ کئے۔

ان حالات میں برطانوی سامراج کو للکارنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں نے تحریک خلافت۔ وہ ترکِ موالات میں امید کی کرن دیکھی۔ اور اپنا کام شروع کر دیا۔

جنگِ عظیم اول (۱۹۱۹ء —— ۱۹۱۴ء)

ہندوستان میں بغاوتی تحریک کا تو اور برطانیہ جرمنی سے برسرِ پیکار تھا۔ بڑھتے بڑھتے اس جنگ نے عالمی صورت اختیار کر لی۔ ترکی بھی اس وقت ایک بڑی طاقت تھے۔ جرمن اور ترک متحد ہو گئے اور انگریزوں نے دیگر دول یورپ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب ہندوستان کا مسئلہ ایک عجیب صورت اختیار کر گیا۔ حکومت کا موقف اور تھا اور یہاں کی مسلم رعایا کا اور ۔۔۔ اور مسلمانوں نے جیسے بہانے سے ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے ریشمی خطوط کے ذریعے آزاد ممالک کا خاکہ پیش کیا اسی مقصد کے لیے آپ حجاز گئے۔ ۱۹۱۶ء میں آپ قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے جنگ جیت لی۔ جرمنی اور ترکی شکست کھا گئے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ فاتح اقوام ان مفتوح قوموں سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو جرمنی کی فکر نہ تھی وہ ترکوں کے بارے میں نہایت پریشان تھے۔ حجاز کے انقلاب کی وجہ سے مقاماتِ مقدسہ بھی زیرِ بحث تھے اور مسلمانوں پر عجیب ہم و غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

مسلمانانِ ہند کا اپنی حکومت سے مطالبہ تھا کہ مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی پوری حفاظت کی جائے اور ان میں سلطنتِ ترکی کا جو استانۂ علیہ بھی تھا وہ باعتبارِ طاقت کسی درجے میں بھی ہو مسلمانوں کا تقاضا تھا کہ اس کا مذہبی تقدس کہ خلافت اس نام سے قائم ہے، ہر حال میں باقی رہنا چاہیے۔ ان وعدوں اور امیدوں پر ہندوستان کے بہت سے لوگوں نے اس جنگِ عظیم میں انگریزوں کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا یا انگریزوں نے ان سے اعلان کروا لیا اور جنگ جیت لی تھی۔ یہاں پنجاب نے سٹرڈنر کو جو تاریخی سپاسنامہ پیش کیا وہ اسی دور اور سنجیدگی کی بات ہے۔

افسوس کہ انگریزوں نے فتح پانے کے بعد مسلمانوں کو سیاہ تاریخی انتقام کا نشانہ بنانا چاہا اور اس کی تدبیر کی کہ ترکی خلافت کو ختم کیا جائے اور جو عرب ممالک اس نظامِ خلافت کے خلاف ہیں ان سے ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ترکی خلافت کو ترکی سلطنت کے درجہ میں لایا جائے اور بتایا جائے کہ ترک خلافت کے حقدار نہیں۔ غیر قریش میں خلافت منعقد نہیں

ہو سکتی۔ ترکوں کا عرب ممالک پر قبضہ نہ رہا ہے۔ جب وہ خلافت کے اہل ہی نہیں تو خلافتِ عثمانیہ ایک بے معنی تصور ہے۔ یہ خطرہ ہے کہ وہ خلافت کے اہل نہیں جنہوں نے بزور ہی سے حاصل کیا۔

مسلمان چاہتے تھے کہ ترکی خلافت جو صدیوں سے چلی آرہی ہے اس کا بھرم رہنا چاہیے۔۔۔ مسلمانوں کے کاروانِ رفتہ کا یہی ایک عالمی نشان ہے۔ اسے اگر کھو دیا گیا تو ہم بطور ملت اپنی عالمی حیثیت کھو دیں گے کہ ہم بھی دنیا میں ایک مرکزی وجود رکھتے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ فقہی مباحث اُٹھانا کہ غیر قریش میں خلافت منعقد ہوتی ہے یا نہیں، انگریزی سامراج کی یکسر حمایت تھی۔ اسے صرف مسئلے میں نہیں اس وقت کے حالات کی روشنی میں سوچنا چاہیے۔

ترک جرمنوں کے ساتھ انگریزوں کے مقابلہ میں تو شکست کھا گئے۔ لیکن انگریز دارالخلافہ قسطنطنیہ، دردانیال اور باسفورس وغیرہ کو فتح نہ کر سکے تھے۔ سمرنا ان کی فوجوں کی زد میں تھا۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں پر عجیب حالت طاری تھی۔ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ انگریز کسی صورت میں قسطنطنیہ پر قابض ہوں اور مسلمانوں کا نقشِ خلافت کلیتہً دنیا سے مٹ جائے۔

ادھر فتح کے نشے میں دُھت انگریز مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ۲۶ فروری ۱۹۲۰ء کو لندن کے دارالعوام میں ترکی کے مستقبل پر بحث ہوئی تو برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر لائیڈ جارج نے کہا:-

> ترکوں کے اخراجِ قسطنطنیہ کی جو تحریک ہے وہ کسی حد تک مسیحیت کے قدیم احساسات پر مبنی ہے جو ہلال (یعنی صلیب کے مقابلہ میں اسلام کا نشان اور ترکی ٹوپیوں پر ان کا ایک سیاسی نشان تھا) کے برخلاف ہیں ——— ترکوں کو یوں سزا دی جائے گی کہ ان کی نصف سے زیادہ سلطنت قطع کر دی جائے گی اور ان کا دارالسلطنت اتحادی فوجوں کی زد میں ہوگا۔ اسے فوج اور سمندری بیڑے اور عظمت سے محروم کر دیا جائے گا اور اسے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم کے درمیانی راستے پر کوئی اختیار نہ رہے گا اور وہ تمام سیاسی امور میں اتحادی قوموں کے دباؤ میں دستخط کیا کریں گے

۲۴/۳

وزیر اعظم برطانیہ نے فاتح بیت المقدس کو صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے والا کا خطاب دیا ہے۔
لیبر پارٹی کے قائد مسٹر ایڈمنڈ نے تو یہ سفارش کی کہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکالا نہ جائے تاکہ مسلمانوں
کا مذہبی نشان قائم رہے۔ لیکن ان کے خلیفہ کو پاپائے روم کی طرح رہنا ہوگا۔ اسے تمام دنیوی قوتوں سے
محروم کر کے وہاں کے محض مذہبی نشان کے طور پر رہنے دیا جائے۔

برطانیہ کے تمام لوگ گو وہ اس کے نمائندے ہوں یا پارلیمنٹ کے ارکان سب اسے صلیب کی
فتح اور ہلال کا زوال سمجھ رہے تھے۔ ایسے حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا اس کا
آپ خود اندازہ کریں۔

جنگِ عظیم اوّل کے بعد کے حالات

۱۹۱۸ء تک جنگ رہی؛ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ رہا کر دیے گئے۔ ترکی کے مستقبل کا مسئلہ
ابھی دول یورپ کے زیر غور تھا۔ ہندوستان کے مسلمان اس میں بہت پریشان حال تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ
نے ہندوستان آتے ہی ترک موالات کا اعلان کر دیا۔ آپ نے ایک تاریخی خطبہ میں فرمایا۔

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادی پُر خار کو آپ برہنہ پا ہو کر قطع کرنا
چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے۔ قدم قدم پر وہاں صعوبتوں کا
سامنا ہے۔ طرح طرح کی وہاں جانی اور مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامن استقلال
کو الجھانا چاہتی ہیں لیکن حفت الجنۃ بالمکارہ کے قائل ہو کر اگر آپ خدا کا سچا رسول
مانتے ہیں (اور ضرور مانتے ہیں) تو یقین رکھیے کہ جس صحرائے پُر خار میں آپ گامزن
ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے راستے سے جنت کا بہت ہی قریب ہے۔
کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب و آلام کی گھٹاؤں کو چیر کر نکلا ہے اور عیش و آرام
کو چہرہ جنت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں سے چمکا دیا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ۔ الا ان نصر اللہ قریب۔ (پ۲ البقرہ ع۲۶)

ترجمہ۔ کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں ابھی اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے۔ ان کو سختیاں اور ضرر پہنچیں اور وہ اس قدر جھڑجھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ کے مومنین بول اٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے۔ یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین۔ (پ۴ آل عمران ع۱۴)

ترجمہ۔ کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدوں اس کے کہ خدا جانچ کرے تم میں سے مجاہدین کی اور صابرین کی۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔ (پ۲۰ العنکبوت ع۱)

الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔

ترجمہ۔ کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ محض آمنا کہنے پر وہ چھوڑ دیے جائیں گے حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی ہے تو ضرور ہے کہ اللہ پرکھے گا سچے اور جھوٹے لوگوں کو۔

یہ حق تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیل و تغیر روا نہیں۔ کوئی قوم اللہ جل شانہٗ کی محبت اور اس کے راستہ پر چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو۔ خدا کے برگزیدہ اور اولو العزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیارا کسی پر نہیں ہو سکتا، وہ بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ بے شک ان کو مظفر و منصور کیا گیا مگر کب، سخت ابتلاء اور زلزال شدید کے بعد۔ فرماتے ہیں۔

حتیٰ اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین ۔

پس مستفسر نداؤں تو حید۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ انبیاء و مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور حملہ قدس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خدا تعالیٰ کی امداد کے سامنے مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیآء الشیطٰن ان کید الشیطٰن کان ضعیفا ہ

ترجمہ۔ ایمان دار تو خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں۔ پس تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو۔ بلاشبہ شیطان کی فریب کاری محض بودی ہے۔

پس نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں جس کو آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں وہی ایک گمشدہ متاع کو یہاں پانے کی امید وار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر خدا کی روشنی جھلک رہی ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا را جلد کھڑے ہو جاؤ اور امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ۔ ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا اور ان کے سامان حرب و ضرب کا۔ حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیئے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی

چنانچہ اسی مضمون کی طرف حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔

الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لولا اخرتنا الی اجل قریب ۔ قل متاع الدنیا قلیل ۔ والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا ۔ اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ ۔ (پ

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے جیسے خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور کیوں تھوڑی سی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا سا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے۔ جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آ جائے گی۔ اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔

اے نونہالانِ وطن: جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم، اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔

کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ میں جتنا علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند
گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنان حرم ستر عفاف ملکوت
با من راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد
حوریان رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ بلاشبہ جان لیں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بیشک کہا گیا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومتِ وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔

اب ذرا ولوازش آپ ہی انصاف کیجیے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثر سے اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں۔

"ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو۔"

بہرحال خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی کہ وہ نفع و ضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی شکنجے کے ذریعے علیحدہ کر لیں۔ آج ہم وہی شکنجہ نصب کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ شکنجہ مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔

مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں رہی کیونکہ

زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی اور تدبر اور ہوشمندی کے پودے نشوونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح و فلاح کے راستہ پر چل سکتا ہے البتہ ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور اغیار کے اثر سے کلیۃً آزاد ہو کیا باعتبار عقائد و عبادات کے اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع و اطوار کے غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔

ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہییں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا، اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد اسلامی حکومت کے ہاتھ سے رکھی گئی ہے تو اس دن علماء نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے گا تو کیا آپ ایک ایسے کالج سے فلاح قومی کی امید رکھتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں بڑا تمام ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔

طلبہ علی گڑھ کی طرف سے دو سوالات حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھیجے گئے، آپ انہیں بھی مع جوابات ملاحظہ فرمائیں:-

فتوے

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) — اس وقت جو گورنمنٹ سے مدارس میں بصورت زیادتی تنخواہ مدرسین کی امداد دی جاتی ہے اس امداد کا سلسلہ موالات کی وجہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ان مسائل کا جواب سننے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ ایک مسلم صادق تمام گروہی خیالات سے علیحدہ ہو کر اپنے ایمان کی قدر و قیمت اور شعائر دینیہ کی عظمت اور مقامات کے تقدس و احترام کو اچھی طرح دلنشین کرے اور دردِ دل بصیرت کے ساتھ واقعات حاضرہ پر گہری نظر ڈالے تو اسے معلوم ہو گا کہ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی متاع گراں مایہ جس کا تحفظ رکھنے والے کا اولین فرض ہے، کس طرح برباد ہو رہی ہے اور کن کن بدعہدیوں اور شرمناک عیاریوں اور ریشہ دوانیوں سے جزیرۃ العرب کے متعلق پیغمبر اسلام فداہ ابی و امی کی اہم وصیت کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

اعداء اللہ نے اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ عراق، فلسطین اور شام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا پھر کفار کی وحشیانہ عمل داریوں کی جولانگاہ بن گئے۔ ترکی خلافت کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ خلیفۃ المسلمین جن کی ہستی سے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی ہستیوں کا شیرازہ بندھا ہے اور جو بحیثیت ظل اللہ فی الارض ہونے کے احکام الٰہی کو دنیا میں رائج کرنے والا اور مسلمانوں کے حقوق و مصالح کا محافظ اور شعائر اللہ کی صیانت کا ضامن اور کلمۃ اللہ کی رفعت و سربلندی کا کفیل تھا وہ بھی بے شمار دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست و پا ہو چکا ہے۔

صُبَّتْ علیَّ مصائبٌ لو أنها ۔۔۔ صُبَّتْ علی الأیام صِرْنَ لیالیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا زمانہ حال میں سرنگوں ہوا جا رہا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ، سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی روحیں اپنی خوابگاہوں میں بے چین ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لیے کہ مسلمانوں میں سے غیرت، حمیت مفقود ہو رہی ہے، شجاعت

اور یہی حمارت ان کی میراث تھی جو انہوں نے غفلت اور تعیش کے نشہ میں دوسروں کے حوالہ کر دی ہے۔

یہی نہیں کہ اس مصیبت کے وقت ایک مسلمان نے مسلمان کی مدد نہیں کی، بلکہ قیامت تو یہ ہے کہ کفار کی موالات و اعانت اور وفاداری کے شوق میں ایک مسلمان نے دوسرے کی گردن کاٹی۔ اس نے بھائی کا خون پیا اور دشمنوں کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے ہی خون میں رنگے۔

اے فرزندان اسلام! اور اے محبان ملت و وطن! آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ کس طرح مسلم سپاہ نے ان بلاد اسلامیہ کے خرمن آزادی کو جلایا اور خلافت اسلامیہ کے قصر کو آگ لگائی۔ اس کا اصلی ہیولی   ہندوستانیوں کے خون گرم سے تیار ہوا تھا اور جس دولت سے نصاریٰ ان ممالک میں کامیاب ہوئے۔ اس کا بہت بڑا حصہ بھی ہمارے ہی دست و بازو سے کمایا ہوا تھا۔

پس کیا اب بھی کوئی ایسا بیدار اور حقیقی مسلمان پایا جاتا ہے جس کو نصاریٰ کے موالات و مناصرت کے نتائج   نہ معلوم ہوئے ہوں اور ایسی تنزلیت کی حالت میں جب کہ ڈوبتا ہوا آدمی ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ اس فکر میں ہو کہ کوئی صورت موالات کے جواز کی نکالے۔

اے میرے عزیزو! یہ وقت استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں، بلکہ غیرت اسلامی اور حمیت دینی سے کام لینے کا ہے۔ کہیں علمائے زمانہ کا جھگڑا اختلاف تمہاری ہمتوں کو پست اور تمہارے دلوں کو پژمردہ نہ کر دے۔ میں اس وقت تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم گھوڑے لے کر جہاد کرو یا عراق اور شام میں جا کر اپنے بھائیوں کا ساتھ دو، بلکہ محض اس قدر درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کے بازوؤں کو تو سست بناؤ اور حق تعالیٰ شانہ کے ان ارشادات پر نہایت مستعدی اور جوانمردی اور اخلاص نیت سے عمل کرو۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم الآیۃ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی انہی میں سے ہے۔

لا یتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین ج ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء۔

ترجمہ. مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو یار و دوست یا مددگار بنائیں. اور جو ایسا کرے گا اس کو خدا سے کچھ سروکار نہیں.

بشر المنٰفقین بان لہم عذابًا الیمًا ن الذین یتخذون الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین ط ایبتغون عندہم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعًا ۰

ترجمہ. ان منافقین کو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جو مومنین کے سوا کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت حاصل کرتے ہیں حالانکہ تمام عزت خدا کے لیے ہے.

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطٰنًا مبینًا۔

ترجمہ. اے ایمان والو! مومنین کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار دوست نہ بناؤ. کیا تم لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح؟

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ہزوًا و لعبًا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیآء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین ۰

ترجمہ. اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار دوست نہ بناؤ جنہوں نے بنا لیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل اور خدا سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو.

تریٰ کثیرًا منہم یتولون الذین کفروا لبئس ما قدمت لہم انفسہم ان سخط اللہ علیہم و فی العذاب ہم خٰلدون ۰ و لو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوہم اولیآء و لٰکن کثیرًا منہم فٰسقون ۰

ترجمہ. ان میں بہت سے تم دیکھو گے جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے. بے شک

بُرا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے انہوں نے خود اپنے لیے کہ اللہ کا غضب ہے اُن پر
اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں۔ اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پر اور نبی پر اور اس پر
جو نبی کی طرف اتارا گیا تو کافروں کو رفیق نہ بناتے۔ لیکن ان میں بہت سے نافرمان
ہیں۔

لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوآدون من حآد الله ورسوله
ولو كانوا آبآءهم او ابنآءهم او اخوانهم او عشيرتهم
اولٓئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ويدخلهم
جنٰت تجري من تحتها الانهر خٰلدين فيها رضي الله عنهم ورضوا عنه
اولٓئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون۔

ترجمہ: نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ
دوستی کرے ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگرچہ وہ ان
کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں
اللہ نے ایمان ثبت کر دیا اور اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو داخل کرے
گا باغ بہشت میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ
ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہ جماعت ہے اللہ کی۔ یاد رکھو کہ اللہ کی
جماعت ہی کامیاب ہے۔

یاایها الذین امنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم اولياء تلقون اليهم
بالمودة وقد كفروا بما جآءكم من الحق۔ (پ ۲۸ : الممتحنہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ، پیغام بھیجتے
ہو تم اُن کی طرف دوستی کا، حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی سے جو تمہارے
پاس آ پہنچی ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن کا استیعاب مقصود نہیں۔ مگر اس قدر معلوم
ہے کہ اولیاء کا ترجمہ جو ہم نے دوست اور مددگار سے کیا ہے اس کا ماخذ امام ابن جریر طبری اور حافظ عماد الدین

منافقات یہود کے ساتھ اس لیے ہیں کہ زمانہ کی گردش سے کہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے ناکامیاب ہوں اور یہود غالب آجائیں تو اس وقت ہمارے لیے بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا :۔

فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم نٰدمین ۔

ترجمہ۔ تو قریب ہے کہ اللہ فتح یا کوئی اور بات اپنے پاس سے بھیج دے تو منافقین ان خیالات پر نادم ہو کر رہ جائیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ تھیں۔

پس اے عزیزو! تم اللہ پر بھروسہ کر کے اور اس کی رسی کو مضبوط تھام کر اپنے عزم پر قائم رہو اور موافقات لشمانیہ کو ترک کر دو اور اپنی استطاعت کے موافق جو خدمت کر سکو اسلام اور اہل اسلام کی کر سکتے ہو۔ اس سے دریغ نہ کرو، اب وقت درگزر کا نہیں

حسن اتفاق ہے، اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد قوم (ہنود) کا مطمح نظر بھی تمہاری ہمدردی اور واقعات پنجاب اور خلافت سیلف گورنمنٹ کی وجہ سے ترک موالات ہی ہوگیا ہے اور ابھی حال میں سنا گیا ہے کہ سکھ لیگ نے بھی یہی فیصلہ کر لیا ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے تم اپنی تمام تر امید خدا پر رکھو جو تمہارا دوست اور مددگار ہر وقت رہا ہے۔ البتہ جو قومیں تمہارے اس پاک مقصد میں خود بخود شریک ہو جائیں یا تمہاری تائید اور غمخواری کریں، ان سے تم بھی مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کرو اور بہتر ہو اقساط و مروت اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔

قرآن کریم میں ہے :۔

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۔ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون ۔ (پ ۲۸ ۔ ممتحنہ)

ترجمہ۔ اللہ ان لوگوں کے متعلق جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور

بالکل آخر میں مجھے یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ تحریک ترکِ موالات کا موجودہ حالت میں کامیاب بنانا صرف اس پر منحصر ہے کہ کوئی حرکت ہماری طرف سے ایسی نہ ہونی چاہیئے جو نقضِ امن یا سفکِ دماء کی موجب ہو، دوسری نصیحت اس ملک کے تمام سربرآوردہ دانشمندوں کی ہے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جائے ورنہ فائدہ کی جگہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ والسلام

مورخہ ۲۰ صفر ۱۳۳۹ھ

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہِ رب العزت میں نہایت صدقِ دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

آپ کا خیر اندیش بندہ محمود عفی عنہ

۲۰ صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء

جمعیت علمائے ہند کے فتوے کی حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب آف سیال شریف نے عرس ۱۳۳۸ھ کے موقعہ پر مکمل تائید کی۔ آپ نے ۱۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو جو تقریر فرمائی وہ جھنگ کے اخبار امیر کی ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء کی اشاعت سے ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔

اس کے بعد ہم وہ اعلان بھی نقل کریں گے جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے یکم رجب ۱۳۳۹ھ کو فرمایا۔ اس کا حرف حرف مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی کھلی تردید ہے۔

پھر آخر میں ہم وہ **ہدایت** بھی ہدیۂ قارئین کئے دیتے ہیں جو آپ نے اپنے عقیدتمندانِ دربار سیال شریف کے نام فرمائی۔ کیا اب بھی کوئی نادان ہوگا جو خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ کا موقف چھوڑ کر مولانا احمد رضا خاں کی کچھ بھی پرواہ کرے۔ آپ کا پرو گورنمنٹ ہونا کسی سے چھپا ہوا نہ تھا۔

اس زمرہ بے شور و شر دبے زور پانے کی ہے۔ یاد تو ہیا نے خود بے اختیار کر بھی اس کا اعتراف ہے مگر اب
خاموشی کچھ معنی نہیں رکھتی کیونکہ جب سے سابقہ لاٹ صاحب سرمائیکل اڈوائر نے وہ ایڈریس حاصل کیا تھا
جو نمائندگان سجادہ نشینان اور خود سجادہ نشینوں کے دستخطی تھے۔ اس دن سے جو خیال عام مسلمانوں کے دلوں
میں ان چندگان کی نسبت پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے کل سجادہ نشینوں کو چاہیئے کہ وہ گورنمنٹ کو مطلع
کر دیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا پسند کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اور امیر المومنین خلیفۃ المسلمین نائب
الرسول کی عزت و وقار میں ذرہ بھر بھی فرق آنے سے ہمارے دلوں پر سخت صدمہ ہوگا۔

پہلے ہم اس عالمگیر جنگ کو سیاسی اور ملکی قرار دیتے تھے مگر اب اخلاف نے دار الخلافہ قسطنطنیہ
وہ دانیال دیاسفورس وغیرہ یعنی یورپی روم (جو جنگ میں غیر مفتوح رہا ہے) کے متعلق یکی لیکن پادریان
یورپ اور ان کے ہم خیالوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ صلیبی اور مذہبی جنگ تھی کیونکہ فاتح بیت المقدس
کو وزیر اعظم برطانیہ نے تحفہ پہنانے وقت فاتح کروسیڈ کا خطاب عطا کیا اور جو بحث دار العوام انگلستان میں
ماہ فروری کو ٹرکی کے مستقبل کے متعلق ہوئی تو اس میں جو وزیر اعظم مسٹر لائیڈ جارج نے اندیشہ ظاہر کیا کہ ترکوں
کے اخراج قسطنطنیہ کی جو تحریک پھیلی ہوئی ہے وہ کسی حد تک مسیحیت کے قدیم احساسات پر مبنی ہے جو ہلال
کے برخلاف ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعت کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہا کہ ترکوں کو پوری سزا دی جائے گی کہ ان
کی نصف سے زیادہ سلطنت قطع کر دی جائے گی اور ان کا دار السلطنت اتحادی توپوں کی زد میں ہوگا اسے
فوج اور بیڑے اور شوکت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور بحیرہ اسود اور بحیرہ روم کا درمیانی راستہ جس سے
ترکوں کو دنیا کی کانسٹوں میں حقیقی اختیار ہے محروم کر دیا جائے گا۔ اور وہ آئندہ عیسائیوں کے مقدمات طے
کرتے ہوئے اتحادی توپوں کے دباؤ میں دستخط کریں گے۔

اور ایک دوسرے ممبر پارلیمنٹ جو مزدور جماعت کے سرگروہ ہیں یعنی مسٹر ایڈمزن وہ ترکوں کو قسطنطنیہ
میں رہنے کی منظوری تو کرتے ہیں مگر پاپائے روم بنا کر۔ وہ لکھتے ہیں۔

مذہبی مشکلات اس صورت میں دور ہو سکتی ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کو پاپائے روم کی طرح تمام
دنیاوی قوتوں سے محروم کر کے قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ پادریان نے چند تمام ممبران پارلیمنٹ کیا مذہبی پیشوا۔ اور کیا مدبرین
سلطنت سب ترکوں کے خلاف بول رہے ہیں اور جن لوگوں نے سبز باغ دکھا کر وعدہ وعید کو تحفظ مقامات مقدسہ

دغا کر اور جنگ کو غیر ملک گیری جنگ بتلا کر مسلمانوں سے ہر طرح کی امداد لی۔ آج وہی وعدہ کنندگان اپنے وعدوں
سے انحراف کر رہے ہیں۔ اور اپنے وعدوں کی بعید از خیال و فہم توجیہیں گھڑ رہے ہیں مسلمانوں نے اپنے گھر کو
اپنے ہاتھ سے تباہ کیا ہے۔ ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خدا جب قوم کی عقل سلب کر لیتا ہے اس سے ایسے ہی کام ہوا کرتے ہیں یہ قانون قدرت ہے
چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کسی قوم کو تباہ و برباد نہیں کرتا جب تک وہ قوم اپنی بربادی کے سامان خود مہیا
نہ کرے یعنی اعتقاد اور نیت جب تک نہ بدلے اللہ پاک کی دی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔

اب اس مطلب کو مسلمان اپنی گورنمنٹ کے گوش گزار کریں کہ جدا خلیفۃ المسلمین پاپائے روم کی
طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پاپائے روم ان کا جانشین ہے جن کی یہ تعلیم ہے۔

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں
تم کو یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنی گال پر طمانچہ مارے تو دوسری
بھی اس کی طرف پھیر دے (متی ۵ باب ۳۸، ۳۹ آیت)

مگر جیسے کہ ہمارے نبی عربی فداہ امی و ابی مثیل موسیٰ تھے ایسے ہی ان کے جانشین خلیفہ مثل خلفاء
و جانشینان موسیٰ کے با حشمت و با جبروت ہونے چاہئیں جیسا کہ موسیٰ شریروں اور مفسدوں کی گوشمالی
کے لیے مامور من اللہ تھے۔ موسیٰ کے خلفاء کی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور
جیسا کہ بنی اسرائیل کے خلیفہ بنائے گئے تھے کہ وہ احکام شریعت موسوی جاری کیا کرتے تھے مثلاً یوشع بن نون
اور قاضی اور سموئیل اور داؤد اور سلیمان بن داؤد علیہم السلام وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی محمدی شریعت کے جاری
کرنے والے مسلمانوں میں خلیفہ ہونے چاہئیں اور بفضل خدا آج تک ایسے ہی خلفاء خود مختار با تجمل و حشم اسلام
میں ہوتے رہے ہیں۔ اور اس وقت امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین نائب رسول الثقلین سلطان ابن سلطان خاقان
ابن خاقان سلطان البرین و البحرین خادم الحرمین الشریفین سلطان وحید الدین خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ مسند آرائے سریر خلافت
ہیں۔ اگر ان سے کوئی علاقہ جو جنگ سے پہلے ان کے ماتحت تھا اب چھینا جائے تو ہمارے دلوں کو سخت صدمہ
ہوگا۔ اس واسطے ہم صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اپنی گورنمنٹ کے کانوں تک یہ پیغام صدق کو پہنچاتے
ہیں کہ صلیبی جنگ لڑ کر اور آزادی کی کوشش کو منسوخ کر کے اسلامی ملک چھینے جا رہے ہیں اور ہماری

صدائے احتجاج کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی جیسا کہ کئی ایک مدبرین انگلستان کہہ رہے ہیں کہ ہندوستانیوں
کو اخلائے قسطنطنیہ و تجزیہ ترکی کا کوئی صدمہ و احساس نہیں۔

اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں یا ہم سعی کریں اور مسلمانوں کی آواز گورنمنٹ کے کانوں تک
پہنچائیں یا اسلام سے قطع تعلق کرکے علیحدگی قسطنطنیہ کا جشن منائیں جو شخص اس وقت بھی صاف بیانی سے
حکام وقت کی خدمت میں بآواز بلند یہ نہ کہہ دے کہ اگر ہمارے اسلام پر حملہ کیا گیا یا اسلامی جھنڈا کے خلاف
صلیب بلند کی گئی (جیسا کہ بعض کارٹونوں سے اس کا اظہار ہو چکا ہے) تو کیا ہم مسلمان رہ سکیں گے یا وفادار ——
تو وہ شخص یا منافق ہوگا یا دھوکہ باز جس کی وجہ سے وہ پبلک اور گورنمنٹ کے لیے نہایت ہی خطرناک ہوگا۔
شارع کی تعلیم مجد الدین کے حلقہ اخوت کو یہ تھی کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہیں اور مصیبت کے وقت
ایک دوسرے کے کام آئیں خواہ کہیں بھی ہوں اور ایک دوسرے کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی فہمائش
کریں۔

اب مخلص دعا جو گا، قاضی الحاجات سے یہ ہے کہ وہ اپنے اسلام اور خلیفۃ الاسلام کا ہر حال میں
حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین

منقول از اخبار المشیر جھنگ

۲۴ مارچ ۱۹۲۰ء

اعلان جو بموقع عرس یکم رجب ۱۳۳۹ھ کیا گیا

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من
شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ و
نشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ الذی
ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللّٰہ شہیدا۔ محمد رسول
اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللّٰہ و
رضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ذلک مثلہم فی التوراۃ ومثلہم فی الانجیل
کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم الکفار
وعد اللّٰہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما۔

اما بعد، فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ یاایہا الذین
آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم
ان اللّٰہ لا یہدی القوم الظالمین۔ فتری الذین فی قلوبہم مرض یسارعون فیہم یقولون
نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللّٰہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علیٰ ما اسروا
فی انفسہم نادمین۔ ویقول الذین آمنوا اہٰؤلاء الذین اقسموا باللّٰہ جہد ایمانہم انہم لمعکم
حبطت اعمالہم فاصبحوا خاسرین۔ یاایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ
بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللّٰہ
ولا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ واسع علیم۔ انما ولیکم اللّٰہ و
رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون۔
ومن یتول اللّٰہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللّٰہ ہم الغالبون۔ (پ ۶ المائدہ ع ۸)

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ کلام ربانی جو آپ لوگوں پر پڑھی گئی ہے سورۂ مائدہ کا آٹھواں رکوع ہے

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ مومنوں کو حق تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی محبت، مودت اور نصرت اور اعانت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے جو ان کا دوست ہو وہ انہی میں سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو تحریک ترکِ موالات کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ تحریک جاری رہی تو ہم سب کا اعتبار بھی چلا جاوے گا۔

فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ غیب سے فتح و نصرت اور امداد اسلام کے اسباب مہیا کرے گا۔ اس وقت یہ لوگ نادم اور شرمسار ہوں گے۔

اور آگے چل کر ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ تمہاری راہ دین سے پھر کر کفار سے جا ملتے ہیں۔ تم اس سے کبیدہ خاطر نہ ہو۔ عنقریب خدا ایک قوم کو لائے گا جو خدا سے عجز و نیاز رکھتے ہوں گے اور خدا تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہو گا۔ ان کی نشانی بھی فرمادی ہے کہ وہ مومنوں سے نہایت ہی تواضع سے پیش آئیں گے اور کفار پر زبردست ہوں گے اور وہ کسی کی ملامت سے خوف بھی نہیں کھائیں گے تمہارا دوست خدا ہے۔ اور رسول اور وہ مومن جو کفار سے ترکِ موالات کرتے ہیں اور خدا کے کل احکام کی پابندی کرتے ہیں اور جو تم میں سے کفار کی موالات ترک کر کے خدا اور رسول کی دوستی اور مومنوں کی دوستی پختہ کرے وہی خدا کے گروہ میں رہیں گے اور کامیاب رہیں گے۔ کیونکہ خدا کا لشکر ہمیشہ کامیاب اور غالب رہتا ہے۔

اس موقع پر میں آپ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانی نہیں چاہتا کہ ترکِ موالات کیا چیز ہے اور ترکِ معاملات کیا ہے اور اس وقت اس کی سخت ضرورت کیوں لاحق ہوئی ہے۔ یہ بات تو علمائے ہند خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا غلام معین الدین اجمیری اور امام الہند کا مجموعی تصانیف سے بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ اس جگہ ان کی تشریح و تفصیل حاصل ہے۔ میں تو اپنے معززین کے لوگوں کو یہ جتا دینے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ میں جمعیت علمائے ہند کے فتوے کی حرف بحرف تصدیق کرتا ہوں اور اس پر کاربند ہوں اور ہم وطنوں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہوں اور اس فتوے سے شاید ہی کوئی فرد اسلام بے خبر ہو۔ مگر ہمارا ملک پنجاب خصوصاً ضلع شاہپور عام طور پر اسلامی تحریکوں سے بے خبر رہتا ہے ان کی آگاہی کے لیے مختصرہ فتوے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام

تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں۔ اس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں۔

(۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا

(۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے لیے رائے نہ دینا

(۳) دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا

(۴) کالجوں اور سکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا

(۵) دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا

(۶) عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور وکیلوں کے لیے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا

صاحبو! اس فتوے کو وہ شخص نا قابلِ برداشت کہہ سکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور اسلام کی ذرا بھی قدر نہ ہو۔ فقیر نے بارہا اپنے دوستوں کو اسلامی اصول کے ماتحت اس فتوے کی طرف توجہ دلائی۔ اور اب بصورت اعلان ہر ایک خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جو شخص فوج اور پولیس میں ملازم ہو تو اس سے فقیر کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کو فقیر سے کوئی تعلق ہونا چاہیے۔ میں نہیں کہتا کہ وہ ملازمت چھوڑیں یا نہ چھوڑیں یہ ان کے ضمیر اور ایمان پر چھوڑا گیا ہے۔ اور آئندہ کوئی فوجی اور پولیس مین کوئی نذرانہ کسی قسم کا فقیر کے پیش نہ کرے کیونکہ وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بناءً علی قولہ تعالیٰ ومن یتولہم منکم فانہ منہم۔ ترجمہ۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا ---- اور چاہیے کہ کوئی آدمی فوجی ہو یا پولیس کا فقیر سے بیعت نہ کرے، کیونکہ اس کو بیعت نہیں کیا جائے گا۔ بناءً علی قولہ تعالیٰ ضرب اللہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون۔ دوسرے متابعت حضرت خواجہ بزرگ ہند الولی خواجہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اسرار اولیاء۔ ملفوظ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ملفوظ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرمایا گنج شکر نے کہ،

ایک وقت ایک مسلمان ملازم معاندین اسلام کا مرید ہونے کے لیے شیخ معین الدین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن خواجہ نے اسے بیعت نہ کیا۔ اس شخص نے جا کر اپنے آقا معاندِ اسلام کے پاس شکایت کی تو اس نے اپنے آدمی خواجہ صاحب کے پاس بھیجے کہ آپ اسے مرید کیوں نہیں بناتے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص تیرا ملازم ہے۔ اور جو شخص بیگانے کے آگے سر جھکائے ہم اسے کلاہ نہیں دیتے اور مرید نہیں کرتے ---- اگرچہ اس قسم کے اعلانات اس جبر و استبداد کے زمانے میں تکلیف میں پڑنے کا باعث ہوں

کرتے ہیں مگر واللہ احق ان تخشاہ۔ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ دنیا کی چند روزہ عیش و آرام کے لیے حق کی اطاعت کی دعوت کو کم کر دینا حماقت اور جہالت نہیں ہے تو اور کیا ہے بقول شیخ سعدی

؎ مبادا دل آں فرومایہ شاد   کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

دوسرا اتمام حجت کے لیے ہر مرشد، پیر و مرشد کو لازم ہے کہ اپنے مریدوں اور عوام کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے تاکہ قیامت کو شرمسار نہ ہونا پڑے۔ جب خدا کے دربار میں مقلدین کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی انہوں نے ہم کو گمراہ کیا۔ پس کہیں گے اے عشیرہ ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر لعنت بھیج۔ تو اس وقت پیر کہیں گے اے خدا ہم نے تیرے پیغام ان لوگوں کو پہنچا دیئے مگر انہوں نے نہیں مانا۔ وما علینا الا البلاغ۔

پیروں کو ایسا نہیں چاہیے کہ مرید خواہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں۔ ان کو صرف ہاتھ سے کام ہے بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بروقت کریں۔ یہی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کنتم خیر اُمّۃ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی امتوں کے علماء اور مشائخ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے لولا ینھٰھم الربّٰنیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون۔

ان کو مشائخ اور علماء کا کامل بات کہنے سے کہیں بہتر اسی کرتے۔ واقعی ان کی یہ عادت بری ہے۔

ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا آگے آپ کا ایمان ؎

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم   حوالت با خدا کردیم و رفتیم

فقیر محمد ضیاء الدین عفا اللہ عنہ

۲ رجب المرجب ١٣٩٦ھ

عقیدت مندانِ دربار سیال شریف کے لیے

ہدایت

یارانِ طریقت و عزیزانِ عقیدت جو مظالم ان مظلوم مسلمانانِ اسلام ہند کے ہاتھوں پر ٹوٹ رہے ہیں ان کو سن کر ایک سچا مسلمان چپ نہیں بیٹھ سکتا بلکہ ہر صاحبِ ایمان دل لرز جاتا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کا قیام موجودہ زمانہ میں تقاضہ فکر ہے۔ ایسا ہی ضروری ہے جیسے جاندار کے لیے روح۔ جو عیسائیت میں گم ہو رہا ہے۔ جزیرۃ العرب جس کی نسبت ہمارے آقا کے نامدار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت تھی کہ اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب[۱]۔ دشمنانِ اسلام کا بیت گاہ بن گیا ہے کہ حق کی آواز کو کچلنے والے خدایانِ طاقت و قوم جمیل خالق کل کو نظروں میں رکھتے ہوئے پابندِ زنجیر ہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ بے کس ہو کر جان دے رہے ہیں۔ جن کے مربی اور سرپرست حمایتِ حق پر نثار ہو گئے اور محض اس جرم میں کہ توحیدِ حق کا نعرہ بلند کرنے والے تھے۔ تیغ تشدد کی نذر ہو گئے۔ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید۔ (پ ۳۰ البروج آیت ۸)

ان واقعات کو سن کر کس مسلمان کا کلیجہ ہے کہ پانی نہ ہو جائے۔ وہ کون سی آنکھ ہے۔ جو آنسوؤں سے دریا نہ بہائے۔ حقیقت میں ان واقعات نے مسلمانوں کو اپنے بھولے ہوئے فرائض کا نئے سرے سے سبق دیا ہے۔ اور خوابِ غفلت میں سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنے کے لیے تازیانۂ عبرت ہے۔ جس سے احساس ہوتا ہے کہ اس نازک وقت میں ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی ہر ممکن کوشش سے حمایتِ اسلام اور اپنے مظلوم بھائیوں کی دستگیری کرے۔ اس لیے فقیر اپنے عزیز آستانوں سے خصوصیت کے ساتھ توقع رکھتا ہے کہ وہ مطالبات جو انقلاب پیدا کرنے کی طرف ہر ایک ملک تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ اور یہی عزت و جاہ جو پیش نظر ہے کہ حضور مصطفیٰ کے غلام اور رسولِ عربی فداہ ابی و امی کی خوشنودی کی سعادت حاصل کریں۔ مخالفینِ اسلام کے ساتھ تمام تعلقات محبت و حمایت کو ترک کر دیں اور علمائے کرام کے متفقہ فتوے پر عمل پیرا ہوں اور مظلومین سمرنا جہاں یتیم بچے لاوارث

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۹ و ۴۲۹ مشکوٰۃ فی صحیح مسلم جلد ۲

عورتیں بھوک کے مارے دینی احباب کو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان کی مالی امداد میں نہایت فراخ دلی سے حصہ لے کر حق
رحمت ایزدی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ اس نیک کام کی بدولت تمہارے سابقہ گناہ محو ہو جائیں اور جو روسیاہی
اور ظلمت قلبی جمعیت و غفرت، خدا کے دین کی وجہ سے تم پر چھا چکی ہے وہ دُھل جائے۔ ان الحسنات یذہبن
السیئات۔ میرے عزیزو! کیا تمہارے مسلمان دل یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ تم اور تمہارے بچے محلات میں چین اڑاؤ۔
صبح و شام متعدد دکھانے تمہارے سامنے چنے جائیں اور تم خوشی سے ان کو نوش جان کرو۔ اور ادھر اسلام کے
ننھے بچے اور بے کس عورتیں ایک لقمہ کی حسرت میں جان دے رہی ہیں۔ تمہارے گھروں میں غلہ کے انبار اور خزانوں
کے خزانے دفن پڑے ہوں۔ لیکن ان اسلامی پودوں کے لیے تم اپنی جیب سے ایک پیسہ صرف نہ کرو۔ اگر واقعی
تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے تو اُف تمہارے اسلام پر۔ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب
اسلام اور اس کے مظلوم افراد فریادی ہو سکے کہ یا رسول اللہ کفار نے تو ہم پر ظلم توڑے لیکن ان دعویداران اسلام نے
بھی ہمیں کا ساتھ دیا اور ہماری کچھ خبر گیری نہیں کی تو اس وقت تم کیا جواب دو گے۔ اگر آپ حضرات صرف بیجا اسراف
والغو مصارف ہی کو چھوڑ دیں تو ان مظلومین کی کافی امداد ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ و عشر ہی سے اگر امداد کی جائے تو ان
کی بسر ہو سکتی ہے جس کا اصلی و اہم مصرف ایسے ہی مظلومین ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان ہدایات پر میرے عزیز آشنا
عملی طور پر کاربند ہوں گے اور سعادت دارین حاصل کریں گے۔ جو صاحب مظلومین سمرنا کے لیے رقم ارسال کرنا
چاہیں وہ یا تو فقیر کے پاس بھیج دیں تاکہ یہاں سے مرکزی مجلس خلافت کو روانہ کر دی جائے یا اپنے ضلع کی مجلس خلافت
کو یا اس کام پر مامور خدام خلافت میں سے کسی کو باضابطہ رسید حاصل کر دیں لیکن فقیر کو بھی رقم مرسلہ کے متعلق اطلاع دیں
تاکہ فقیر بھی ان کے لیے دعائے خیر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس فقیر کو بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے
اور اپنی مختصر امداد اور کچھ عزیزوں و آشناؤں کی مدد سے تقریباً چار ہزار روپیہ اس مد میں پیش کیے جا چکے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے اور زبانی شور و غوغا کی بجائے شاہراہ عمل پر چلنے کی
توفیق عطا فرمائے۔ اللہم آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

الداعی: فقیر محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف

سیال شریف کا موقف آپ کے سامنے بالتفصیل آچکا ہے۔ اب بریلی کا موقف بھی آپ دیکھ
لیں اور خود فیصلہ کریں کہ حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی اور مولانا احمد رضا خاں میں سے کون
انگریزوں کے خلاف تھا اور کون ان کا آلۂ کار۔

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں بڑا ہی پارسا جھوٹ بولتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ خلافت کے حامی گاندھی کو پیغمبر مانتے ہیں۔ خاں صاحب کو علم تھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ مسلمانوں
میں قطعی اور یقینی ہے۔ یہ لوگ یہ سنتے ہی کہ حامیانِ خلافت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ وہ گاندھی کو نبی مانتے
ہیں سب یکایک تحریک خلافت سے ہٹ جائیں گے اور اس طرح انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک ختم ہو جائے گی۔

فتوے بریلی

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفیٰ رضا خاں نے اپنے والد کے رسالہ دوام العیش
فی الائمۃ من القریش کا مقدمہ لکھتے ہوئے خلافت کے بارے میں رسالہ کی اہمیت ظاہر کی ہے۔

ہمارا فتاویٰ بریلی اس میں مخالف ہے ۔ یہ مسئلہ خلافی نہیں ـــــ وہ کلمات
جو آج ایک عالم کے معتمد علیہ اور عرب و عجم کے مرجع ہیں اس میں مخالف ہیں[1]

اس رسالہ میں مولانا احمد رضا خاں نے دو باتیں انگریزوں کے کھاتے میں ڈالی ہیں کہ ۱۔ مسلمان
بغیر خلافت کے بھی رہ سکتے ہیں، یہ کوئی شرعی ضرورت نہیں۔ ورنہ فلاں فلاں وقت مسلمان خلیفہ کے بغیر
کیسے رہے۔ ۲۔ جہاد کے خلاف فتوے کہ مسلمانانِ ہند انگریزوں کے خلاف کچھ نہ کریں۔ وہ کمزور ہیں۔ اس
لیے انگریز حکومت کو قبول کریں۔ دوام العیش میں یہ دو باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مفلس پر اعانت مالی نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمالی نہیں لہذا مسلمانانِ ہند
پر حکم جہاد و قتال نہیں[2]

(۲) ۶۵۶ھ آیا اور دنیا بے خلیفہ تھی ... پھر ۶۵۷ھ آیا اور زمانہ اسی طرح بے خلیفہ
تھا ... پھر ۶۵۹ھ آیا اور وقت ما درجہ تاریخی بے خلیفہ تھا .... خلافت
ساڑھے تین برس تک معدوم رہی[3]

---

[1] مقدمہ دوام العیش صفحہ ۱ [2] دوام العیش صفحہ ۱۲۱ [3] ایضاً صفحہ ۱۵ عن تلخیص تاریخ الخلفاء

خان صاحب یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان بلا خلافت بھی رہ سکتے ہیں۔ مگر یہ کیا ضروری تھا کہ تحریکِ خلافت کو مذہبی تحفظ دیا جائے۔

تحریکِ خلافت کے خلاف دارالافتاء بریلی کا دوسرا ہتھیار

دارالافتاء بریلی نے یہ پراپیگنڈہ بھی چلا دیا کہ ہندو تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کا ساتھ کیوں دے رہے ہیں۔ شیخ الہند نے ہندوؤں کو محض انگریز دشمنی میں ساتھ لے رکھا تھا۔ ورنہ انہیں مسلمانوں کے مسئلہ خلافت سے کیا غرض تھی۔

اب بریلی سے یہ فتوے چلا کہ مشترکہ امور میں بھی ہندوؤں سے تعاون نہیں لیا جا سکتا۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان نے جمعیت علمائے ہند پر یہاں تک بہتان باندھا کہ وہ گاندھی کو نبی مانتے ہیں۔

مولانا مصطفیٰ رضا خان نے لکھا:

> وہ گاندھی کو اپنا امام و پیشوا، ہادی و رہنما جانتے ہیں بلکہ نبی بالقوۃ۔ بلکہ نبی بالفعل مانتے ہیں کہ اسے مذکر مبعوث من اللہ کہتے ہیں۔[1]

تحریکِ خلافت میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ لگے تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ نہ لگے تھے۔ انگریز چاہتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کو مسلمانوں کی حمایت سے دور رکھا جائے تاکہ پورے کا پورا ملک (ہندوستان) ترکوں کی حمایت میں نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ نہیں مل رہے۔ مسلمان ہندوؤں سے اتحاد کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ حالات کی غلط تصویر کیا کھینچی جا سکتی تھی۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان کی زبان ملاحظہ فرمائیں۔ کس جوشِ بیان سے انگریزوں کی مالی مدد حلال کر رہے ہیں:

> آج ان لوگوں کے نزدیک جو ہندوؤں سے اتحاد نہ کرے کافر ہے، جو ہندوؤں سے محبت و وداد کو ممنوع و ناجائز کہے وہ کافر ہے، جو کھدر نہ پہنے کافروں کا ساتھی ہے، جو انگریزی ملازمت کرے کافر ہے، جو ہندوؤں کی غلامی نہ کرے اسلام کا دشمن ہے۔ یہ کفر کا فتنہ کسی نے نہ دیا تھا کہ جو ہندوؤں سے اتحاد نہ کرے کافر ہے۔ تحریکِ خلافت

[1] [illegible] صفحہ [illegible]

ہندوؤں سے اتحاد کا اظہار تھا۔ ہندو انگریز دشمنی میں مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے اور مسلمان اسے غنیمت
سمجھتے تھے۔ شدید تحریک خلافت مذہبی تحریک تھی۔ تحریک بریلی کے اس فتنے میں بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ چوتھا فقرہ
ملاحظہ کیجئے (جو انگریزی ملازمت کرنے کا اثر ہے)۔ اس فقرے پر طعن دیا جارہا ہے کہ انگریزی ملازمت کرنے
کو تم ناجائز کیوں مشہور رہے ہو؟ انگریز کے خلاف نفرت کیوں پھیلا رہے ہو — کیا اب بھی بلی تھیلے سے
باہر نہیں آئی؟

دارالافتاء بریلی کا حرمت جہاد کا یہ فتوے کیا قادیانی کو بھی پیچھے نہیں چھوڑ گیا؟ ملاحظہ کیجئے:

ایسی حالت میں جہاد جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا ہے ....

اور جب کہ وہ ان شنائع قبائح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے۔[1]

غیر قوموں سے کون مراد ہیں؟ انگریز تو ہو نہیں سکتے۔ تحریک خلافت تو انہی کے خلاف تھی۔ ہندو
بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ تو جب بھی جلسے ہوتے شامل اس تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ اب وہ غیر قوم کون سی تھی؟
جس کے مسلمانوں پر ہنسنے کا غم خان صاحب بریلوی کو کھائے جا رہا تھا۔ بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ
مسلمانوں پر ہنس رہے تھے کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس وقت سے کس گنتی اور کس شمار میں تھے کہ ان کی ہنسی کے ڈر سے
دارالافتاء بریلی جہاد کو حرام حرام حرام قرار دے رہا تھا۔ پھر مسلمانوں پر طعنہ ہے کہ تم جہاد جہاد کی رٹ
کیوں لگا رہے ہو — کیا ہمیں تم سے پوچھنے کا حق نہیں کہ تم حرام حرام حرام کی رٹ کیوں لگا رہے ہو۔
مرزا غلام احمد قادیانی نے تو جہاد کو صرف حرام کہنے پر اکتفا کی تھی۔ تم تین دفعہ حرام حرام حرام کہہ کر آزادی ہند
کی ہر کوشش کو مطلقاً مسدود کر گئے — تاریخ گواہ ہے کہ دارالافتاء بریلی نے اس وقت سے لے کر
تحریک پاکستان تک آزادی ہند کی ہر تحریک کی مخالفت کی ہے۔ مولانا محمود احمد رضوی کے والد مولانا ابو البرکات
کے اس فتوے کو کیا تاریخ جھٹلا سکتی ہے؟

مسلم لیگ کی حمایت کرنا، اس میں چندہ دینا، اس کا ممبر بننا، اس کی اشاعت و
تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔[2]

مکمل فتوے اس کتاب کے صفحہ ۲۲۳ پر دیا گیا ہے۔ اس میں قائد اعظم پر بھی فتوی[3]

---

[1] طرق الہدیٰ والارشاد صفحہ ۷۲   [2] المحاربات الحنفیہ صفحہ ۲۴

انہوں نے علمائے دیوبند کو کہا خواجہ ضیاء الدین خود بھی دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں چندہ بھی دیا

جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ آف گولڑہ

بریلوی یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اور پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ دونوں مولانا احمد رضا خان کے ساتھ تھے۔ یہ غلط ہے گولڑہ کی گدی سیال شریف کی بچانی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سیال شریف کے خلاف چلیں آپ اپنے والد کے تحت نامرش کر رہ سکتے تھے لیکن سیال شریف کے خلاف نہ جا سکتے تھے۔ خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا اور پیر صاحبؒ نے اس کا ایک باقاعدہ جواب دیا۔

دونوں بزرگوں کا یہ مکالمہ ماہنامہ معروف سیدوالا پنچ سے ملاحظہ کیجئے چھپ چکا ہے۔

حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی اور
جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کا
تحریری مکالمہ

قدوۃ السالکین حاجی الحرمین
حضرت سجّادہ نشین صاحب سیالوی

اور

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

کا تحریری مکالمہ

چونکہ عام طور پر یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب حکومت برطانیہ کے ساتھ تعلقات اور ان کی فوج اور پولیس کی ملازمت کو جائز رکھتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے مکالمہ مذکور شائع کرتے ہیں جس سے واضح ہے کہ جناب پیر صاحب فوج اور پولیس کی ملازمت اور تمدنی تعلقات کرنا ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی کا پہلا خط

اس خط میں جناب پیر صاحب سے تین استفسار کئے ہیں:-

(۱) اس نازک وقت میں مسلمانانِ ہند کے فرائض مذہبی کیا ہیں؟

(۲) حکومت برطانیہ کے ساتھ تجارتی تعلقات اور فوج و پولیس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کیا رہبرانِ اسلام کا یہ فرض نہیں کہ وہ اپنے پیرؤں کو شرعی احکام سے آگاہ کریں اور ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں؟

جواب جناب پیر صاحب

خلاصہ سوال اوّل۔ مسلمانانِ ہند کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیئے اور دعا مانگنی چاہیئے

جواب سوال دوم: ایسے تعلقات جس میں اعانت کفر و معصیت ہو سلے سے بھی حرام ہیں۔ فضلاً عن الکفار بغیر اس کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو بغیر محاربین کسی کافر سے مطلقاً بتصریح فقہاء حرام نہیں۔ البتہ علی الخصوص لم و فرنہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کل بندش ہو سکے تو کسی قدر اتفاقی حد میں شمار کیا جا سکتی ہے۔

جواب سوال سوم: رہبرانِ اسلام کا یہ فرض ہے لیکن وہ اپنے فریضہ سے غافل نہیں۔ البتہ جلسوں میں اس لیے شرکت نہیں کی جاتی کہ وہاں گناہ کا ہبت اتفاق ہوتا ہے۔

جناب پیر صاحب کے اس خط کے جواب میں جناب حضرت سجادہ نشین سیالوی نے ایک مفصل تحریر روانہ کی جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ ہند کے لیے صرف دعا ہی کافی نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور دعا کئے جائیں۔ مگر ان کے فرائض اہم تیاری میں سے اولیٰ فریضہ حکومت محاربِ اسلام کے ساتھ ترکِ تعلقات ہے۔

دوسرے سوال کے جواب کی نسبت یہ فرمایا کہ اس کو واضح لفظوں میں تحریر کیا جاوے کیونکہ سمجھا جاتا ہے کہ جناب کے اس خط کو بعض لوگ اپنی نوکری کے جواز پر سند بناتے ہیں [illegible]

تیسرے جواب کی نسبت تحریر کیا کہ بے شک اس وقت کوئی مسلمان جلب اسلامی درد سے خالی نہیں لیکن اولیاں
اسلام کا فرض ہے کہ وہ علانیہ حمایت اسلام کے لیے کھڑے ہوں۔ اس پر جیسے بزرگان دین کے واقعات بطور
سند پیش کیے۔ اس خط کے جواب میں جناب پیر صاحب کا جو خط آیا وہ بالفاظہ درج کیا جاتا ہے جس میں جناب
پیر صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حکومت برطانیہ کی فوج و پولیس کی ملازمت اور اس کے ساتھ تجارتی تعلقات
ناجائز ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب پیر صاحب کے معتقدین اپنے پیر کے اس فرمان کو پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہوں گے

نقل خط جناب حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف

تسلیم و نیاز کے بعد آج آنجناب مسعود کی تحریر مزین بدستخط جناب ملاحظہ سے گزری۔ اس قدر طول و طویل
تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب سوال دوم جو پہلے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا طرز فرمانے سے ظاہر ہے
کہ کفار کی فوجی ملازمت ہمیشہ کے لیے اور خرید و فروخت بلحاظ حالت موجودہ ناجائز ہے۔ آج کا عنایت نامہ
بھی اسی کا مؤید ہے۔ جواب سوال اول بھی کسی قدر محتاج طلب ہے جیسے لکھا نہیں۔ دہلی والے سرکاری جلسہ میں عدم
شمولیت اور بمبئی والے تجویز کا بیان ہے۔ ناکامیاب واپس ہونا دیوبند و ندوہ وغیرہ کے خلاف میں اکھاڑہ بیچنے
یہ ہو سکے کی خدا لہم بشر تکاثر فی بہ کی شہادت۔ ہتھیار میں پر جناب کا وجدان بھی کافی میزان ہے۔ فوجی ملازم
میرے ساتھ لیز ساتھ کو ہرگز سند نہیں بنا سکتا میرے حضرت رضی اللہ عنہ کا سابق تعلق یا عدم تعلق چشم دید ہے نہ
صرف شنید۔ الغرض اتنا کہ ولایت فوجی ملازموں کے لیے وقت (فنا ہوتی) ہے آپ سے نہیں۔ مدت مدید
سے یہی معتقد و عمل ہے کہ یہ انگریزوں کا عدم جواز مؤید ہے۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ حالات حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانان ہند کو قوم ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور دشمن قوی کے مقابلہ میں ان سے استعانت اور شرکت عمل کرنا جائز ہے یا نہ؟ بینوا بالتفصیل توجروا من الملک الجلیل۔

الجواب ما ہو فی السنۃ والکتاب

بالحاظ بحالات حاضرہ کی رو سے جب کہ عیسائیت اسلام کے ساتھ محارب ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اسلام کی شوکت اور طاقت کو (خاک بدہن دشمن) خاک کر دے اور مسلمانان ہند بوجہ قوت مادی نہ ہونے کے اپنے اصلی فرض سے قاصر ہیں اور تحریکات مجوزہ (ترک موالات) کی کامیابی بجز اس کے متصور نہیں کہ قوم ہنود سے معاہدہ صلح اور شرکت عمل کی جاوے تو ایسی حالت میں شرعاً ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور شرکت عمل جائز ہے خصوصاً جب کہ قوم ہنود خود معاہدہ اور امداد کے لیے ہاتھ بڑھا رہی ہے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها (پ ۱۰ انفال ع ۸) یعنی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں مختلف قبیلوں سے آپ نے معاہدہ صلح کیا یہود مدینہ سے چند شرائط پر معاہدہ صلح کیا جن میں ایک شرط یہ تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔ قبیلہ جہینہ اور قبیلہ بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدہ صلح کیا۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ مشہور ہی ہے۔

آیت پاک میں اگرچہ صلح کی مطلقاً اجازت ہے لیکن دوسری آیت اور آیت قتال سے اس کو مقید بالمصلحت کر دیا صاحب فتح اللہ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

والآية وان كانت مطلقة لكن اجماع الفقهاء على تقييدها برؤية مصلحة
للمسلمين في ذلك بآية اخرى هي قوله تعالى فلا تهنوا وتدعوا الى السلم الآية
(پ۲۶ محمد آیت ۳۵) فاما اذا لم يكن في الموادعة مصلحة فلا تجوز بالاجماع۔[1]

ترجمہ: آیت اگرچہ مطلق ہے لیکن فقہاء کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ آیت دوسری آیت
فلا تهنوا کے ساتھ مقید بالمصلحت ہے لیکن اگر مصلحت نہ ہو تو پھر صلح بالاتفاق جائز نہیں۔

الغرض حضورؐ کے طرزِ عمل اور آیت بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمین کو ضرورت واقع ہو اور مصلحت
صلح کی ہو تو کفار کے ساتھ معاہدہ صلح جائز ہے۔ فقہاء کی بھی بے شمار تصریحات اس پر موجود ہیں، چند یہ ہیں۔

واذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم وكان ذلك مصلحة
للمسلمين فلا بأس به لقوله تعالى وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على
الله ووادع رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل مكة عام الحديبية على ان
يضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين۔[2]

ترجمہ: اگر امام اہل حرب یا ان میں سے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہیں اور اس میں مسلمانوں کی
بہبودی ہو تو صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خداوندی ارشاد ہے وان جنحوا للسلم
الآیۃ۔ اسی طرح حضورؐ نے بھی اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی تھی کہ دس
سال تک جانبین آپس میں جنگ نہ کریں۔

عالمگیریہ میں ہے۔

اذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم وكان ذلك مصلحة
للمسلمين فلا بأس به۔

ترجمہ: اگر امام اہل حرب سے یا ان کے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہیے اور اس میں مسلمانوں کی
بہبودی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اسی کتاب میں آگے چل کر ہے۔

ولو وادعهم فريق من المسلمين بغير اذن الامام فالموادعة ماضية على جماعة المسلمين۔[3]

---

[1] فتح القدير لابن الهمام جلد ۵ ص [illegible] [2] [illegible] [3] [illegible]

ترجمہ: اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی فرقہ مسلمانوں کا کفار سے صلح کرے تو یہ صلح تمام مسلمانوں
پر جائز ہوگی۔

اس عبارت نے واضح کردیا کہ امام کی اجازت کے بغیر بھی صلح کرلینا جائز ہے۔ جیسا کہ صورت مسئولہ ذیل
سوال میں ہے۔ امام قدوری کے قول پر (واذا رای الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقاً منهم وکان
ذلک مصلحة للمسلمین فلا باس به) کے تحت میں صاحب جوہرہ لکھتے ہیں:۔

لان الموادعة جهاد اذا کانت خیرا للمسلمین لان المقصود هو دفع الشر
حاصل به وقد وادع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اهل مكة عام الحديبية۔[1]

ترجمہ: کیونکہ صلح بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ جب کہ اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو کیونکہ
جہاد کا مقصد شر کو دور کرنا ہے اور وہ اس صلح میں حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہل مکہ کے ساتھ صلح کی تھی۔

شمس الائمہ سرخسی (۴۸۳ھ) مبسوط میں تحریر کرتے ہیں:۔

واذا طلب قوم من اهل الحرب الموادعة سنين بغير شيء نظر الامام في
ذلك فان راه خيرا للمسلمين لشدة شوكتهم او لغير ذلك فعله لقوله
تعالى وان جنحوا للسلم فاجنح لها وان رسول الله صلى الله عليه وسلم صالح
اهل مكة عام الحديبية على ان وضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين الى آخره[2]

ترجمہ: جب کوئی قوم اہل حرب کی طالب صلح ہو تو امام اس میں غور کرے اگر کفار کی شوکت
زیادہ ہے یا کوئی اور امر ایسا ہے جس کی وجہ سے صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر ہے
تو موجب فرمان ایزدی وان جنحوا للسلم فاجنح لها کے صلح کرے اور اس لیے بھی
کہ حضور نے خود اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک آپس میں
جنگ نہ ہوگی۔

اور درالمختار میں ہے:۔

ویجوز الصلح علی ترک الجهاد معهم بمال منهم ان کان خیرا لقوله تعالی

---

[1] الجوہرۃ النیرہ جلد ۲ [2] المبسوط جلد ۱۰ ص ۸۶

وان جنحوا للسلم فاجنح لها۔[1]

ترجمہ: اور کافروں کے ساتھ ترک جہاد پر صلح کر لینا جائز ہے خواہ ان سے کچھ مال لے کر یا ان کو کچھ دے کر اگر یہ صلح مفید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لها الآیۃ۔

اور شامی میں ہے:-

قوله هذا ای مال نعطیه لهم ان خاف الامام الهلاك على نفسه والمسلمين بای طریق کان۔

ترجمہ: یعنی ہم ان کو مال دے کر صلح کریں اگر امام اپنے نفس یا مسلمانوں کی ہلاکت کا خوف کرے جس وجہ سے ہو۔

قوله لقوله تعالى وان جنحوا للسلم ای مالوا اليك فی الصلح السلم بالكسر والفتح الصلح یذکر و یؤنث والایۃ مقیدہ برؤیۃ مصلحۃ اجماعا لقوله تعالى فلا تھنوا وتدعوا الى السلم وانتم الاعلون ادرہ فی لفتح۔

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ یہ آیت یعنی وان جنحوا للسلم صلح میں مصلحت کے دیکھنے کے ساتھ مقید ہے اجماعاً کیونکہ اللہ عز وجل کا فرمان ہے فلا تھنوا وتدعوا الی السلم الآیۃ جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ آیت وان جنحوا للسلم منسوخ نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کا زعم ہے۔ ورنہ تمام بڑے اجل فقہاء بحیثیت کہ استدلال پیش نہ لاتے۔

چونکہ بعض حضرات اس وقت بھی اس کے مدعی ہیں کہ ہنود سے عقد صلح مطلقاً ناجائز ہے اور جنحوا کا عموم اور آیات در عطوا الصلح سب آیۃ برأۃ کے ساتھ منسوخ ہیں اس لیے مزید اطمینان کے لیے چند اور تصریحات پیش کی جاتی ہیں جن سے واضح ہو گا کہ نسخ کا قول قابل اعتماد نہیں آیت وان جنحوا کے تحت میں صاحب جمل قول نسخ کی تشریح کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا كله مبنی على ان المراد بالصلح هو عقد الجزیۃ زمانہ ویدلہ غیرہ

---

[1] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ بیروت شامی [2] ردالمحتار شامی جلد ۳ صفحہ ۲۳۲

من العقود التی بینهم ولا من دعی الی الدیة والامان فلا نسخ مطلقا اذ یصح عقدهما بکل مکان[1]

ترجمہ: نسخ کا جھگڑا سب اس پر مبنی ہے کہ سلم سے عقد جزیہ مراد لی جائے لیکن اگر دوسری عقود صلح وامن مراد ہوں تو نسخ ہرگز نہیں کیونکہ ہر کافر کے ساتھ عقد صلح وامن جائز ہے۔

اور ابن عربی اندلسی مالکی اپنی کتاب احکام القرآن میں آیت وان جنحوا للسلم کے حق میں لکھتے ہیں:

اما قول من قال انها منسوخة بقوله فاقتلوا المشرکین فدعوی فان شروط النسخ معدومة فیها کما بیناه فی موضعه[2]

ترجمہ: جس شخص نے یہ کہا کہ آیت وان جنحوا للسلم منسوخ ہے یہ محض دعوے ہی دعویٰ ہے کیونکہ شروط النسخ اس میں نہیں پائی گئی جیسا کہ ہم نے تفصیل پہلے کردی ہے

اور آگے لکھتے ہیں:

وان کان للمسلمین مصلحة فی الصلح لنفع یجتلبونه او ضرر یدفعونه فلا بأس ان یبتدئ المسلمون به اذا احتاجوا الیه وان یجیبوا اذا دعوا الیه فقد صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم اهل خیبر علی شروط نقضوها فنقض صلحهم وقد وادع الضمری وقد صالح اکیدر دومة واهل نجران وقد هادن قریشا لعشرة اعوام حتی نقضوا عهده وما زالت الخلفاء والصحابة علی هذه السبیل التی شرعناها سالکة وبالوجوه التی شرحناها عاملة۔

ترجمہ: یعنی اگر مسلمانوں کی صلح میں بہتری ہو اس طرح سے کہ صلح سے کوئی نفع حاصل ہو یا کہ ضرر دور ہو تو مضائقہ نہیں کہ مسلمان بھی صلح کرنے کی ابتدا کریں۔ اگر ضرورت ہو یا ان کی دعوت صلح کو قبول کرلیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے چند شروط پر صلح کی تھی جب وہ قائم نہ رہے اور صلح باقی نہ رہی۔ اسی طرح ضمری اور اکیدر دومہ و اہل نجران سے صلح کی اور قریش کو دس سال پر صلح کی جس پر قریش قائم نہ رہے اور خلفاء و صحابہ کا

---

[1] حاشیہ جمل بر تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ [2] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۸۶۲

بھی معمول رہا ہمیشہ اسی پر رہا۔

تعجب ہے کہ خلفاء، مفسرین اور صحابہ کرام کو نسخ کا علم نہ ہوا لیکن چودھویں صدی کے علماء نسخ کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں آیت وان جنحوا للسلم کے متعلق آیت براءۃ کے ساتھ نسخ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:۔

قال ابن كثير في تفسيره فيه نظر ايضا لان في آية البراءة الامر بقتالهم اذا امكن ذلك فاما اذا كان العدو كثيفا فانه تجوز مهادنتهم كما دلت عليه هذه الآية الكريمة كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية فلا منافاة ولا نسخ ولا تخصيص[1]

ترجمہ: ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قول بالنسخ میں نظر ہے کیونکہ آیت براءۃ میں قتال کا حکم اس وقت ہے کہ جب مسلمانوں کو قتال کی قدرت ہو لیکن اگر دشمن غالب ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے جیسا کہ آیت وان جنحوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل صلح حدیبیہ اسی پر دال ہے پس مذکورہ آیات میں منافاۃ ہے نہ نسخ نہ تخصیص

دوسری جگہ علامہ مذکور لکھتے ہیں:۔

وقال النحاس قول من قال لم يهادن النبي صلى الله عليه وسلم بعد هذه الآية غير صحيح والصحيح انه قد هادن بعد هذه الآية جماعة منهم اهل نجران قال ابو جعفر هادنهم وكتب لهم سنة عشر قبل وفاته بيسير[2]

ترجمہ: نحاسؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ آیت براءۃ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے معاہدہ نہیں کیا اس کا قول صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بعد ایک جماعت سے صلح کی جن میں سے اہل نجران بھی ہیں۔ ابو جعفر نے کہا کہ حضور اقدس نے اہل نجران کے ساتھ معاہدہ کیا اور لکھ دیا سنہ دس ہجری میں وفات سے پہلے تھوڑا سا۔

---

[1] عینی جلد بخاری جلد ۱۵ صفحہ ۲۴ [2] ابو جعفر بہت بڑے محدث اور ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ، بخاری، یحییٰ بن معین وغیرہم و دیگر اکابر محدثین کے شیوخ میں ہیں جن کی نسبت یحییٰ بن معین لکھتے ہیں ثقۃ من احفظ الناس للحدیث حجۃ۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کو بوقت ضرورت شدیدہ کفار سے مصالحت کر لینا جس میں مسلمانوں کی منفعت ہو جائز و مشروع ہے۔ بنا بریں چونکہ زمانہ حال میں اہل اسلام و خلیفۃ المسلمین نہایت ابتلاء اور تکلیف میں ہیں اور مسلمانان ہند بوجہ کم استطاعت اور نہتے ہونے کے فریق محارب اسلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں اور ہنود جن کی تعداد بہ نسبت مسلمانان ہند کے سہ گونہ سے بھی زیادہ ہے: ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے البتہ فریق محارب پر البتہ اسلام کا رعب یا قوت بیٹھ جانے کی قوی امید ہے۔ لہٰذا اس وقت ہنود سے اتحاد اور اتفاق کرنا عین مصلحت و منفعت اسلام ہے۔ ایسے آڑے وقت میں اگر ہنود سے مخالفت و منافرت برتی جائے تو آپ کا یہ مطلب ہو گا کہ ایک محارب کے مقابلہ کی تاب نہیں اور دوسرا محارب پیدا کر لیا جاوے۔

جیسا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بوقت ضرورت مصالحت جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت ان سے مدد لینا اور ان کو شریک عمل کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ ہوازن میں صفوان بن امیہ سے جو اس وقت غیر مسلم تھے ہتھیار عاریۃً لیں اور اسی جنگ میں صفوان خود بھی شریک جنگ ہوئے۔ جیسے کہ شرح بخاری میں ہے۔

وقد استعان صلی اللہ علیہ وسلم بصفوان بن امیۃ فی ہوازن واستعار منہ مائۃ درع باداتہا وخرج معہ صفوان۔[1]

ترجمہ: حضور اقدس نے جنگ ہوازن میں مدد لی اور سو زرہ مع سازو سامان ان سے مستعار لی اور صفوان (خود بھی) حضور کے ساتھ جنگ میں نکلے۔

علامہ نووی حدیث فلن استعین بمشرک کے تحت کہتے ہیں۔

وقال الشافعی وآخرون ان کان الکافر حسن الرأی فی المسلمین ودعت الحاجۃ الی الاستعانۃ بہ استعین بہ والا فیکرہ وحمل الحدیثین علی ہذین الحالین۔[2]

ترجمہ: امام شافعی اور اس کے سوا اور دیگر حضرات نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی کافر صاحب رائے اور مدبر ہو اور مسلمانوں کو اس سے امداد لینے کی حاجت ہو تو امداد لی جاوے ورنہ (یعنی اگر حاجت نہ ہو) تو مکروہ ہے۔ دونوں حدیثوں کو (فلن استعین اور استعانہ بصفوان)

---

[1]

[2] شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۸

محل ضرورت و عدم ضرورت قرار دیا ہے۔
حضور اقدس نے بنی ضمرہ سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

معاہدہ قبیلہ بنو ضمرہ

هذا كتاب من محمد رسول الله لبني ضمرة انهم آمنون على اموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله و ان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه الخ [۱]

ترجمہ۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے۔ بنو ضمرہ کے لیے ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں، اور جب پیغمبر ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو مدد کو آئیں گے۔

جنگ بویب ۱۴ ہجری

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگ بویب جو رمضان ۱۳ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ عیسائی قومیں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک کارزار تھیں۔ جن کو علامہ شبلی نے الفاروق میں تفصیل سے لکھا ہے اور سوانح عمری حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی واقعہ کو لکھ کر طبری کا حوالہ دیا ہے۔ الفاروق کے چند جملے یہ ہیں۔

یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے۔ اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ہزارہا آدمی تھے جو عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے الخ

آگے لکھتے ہیں۔

مثنیٰ نے قوم کو للکارا کہ گھبراؤ نہیں یہ معمولی قتل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے

لہ [illegible] جلد ا صفحہ [illegible]

بلا کر کہا کہ اگرچہ تم عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ آج قوم کا معاملہ ہے میں مہاجن پر حملہ کرتا
ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہی۔ مثنی نے ان سرداروں کو دو گھوڑا نذرانے پر
لے کر دعاء کی ہو

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

دیر تک بڑے گھمسان کی لڑائی رہی جس میں ہلال جو عیسائی سردار تھا بڑی جوانمردی
سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنی نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا اور
اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ بوقت ضرورت کے وقت غیر مسلموں سے امداد لی جا سکتی ہے امداد کو
شریک عمل کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ غلبہ قوم ہنود سے ہو، اس وقت مسلمانوں کے مذہب نہیں پس کرتا ان کو شریک
عمل کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلقات یا ایسی شراکت عمل جس میں مذہب
اسلام کو ضرر پہنچے اور کفار کے مذہب کی تائید ہو کسی حال میں جائز نہیں۔ چنانچہ اس وقت گورنمنٹ برطانیہ کے
ساتھ تجارتی تعلقات یا فوجی ملازمت جس کی وجہ سے گورنمنٹ مضرہ ہو کر مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے یہی وہ تولا
ہے جس سے قرآن پاک نے جا بجا منع فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس مسئلہ کی تصدیق جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے اس خط سے ہوتی ہے جو جناب حضرت
خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین دربار سیال شریف کی خدمت میں تحریر کیا گیا ہے۔ جناب پیر صاحب
کی عبارت یہ ہے۔

دنیوی معاملت جس میں دین اسلام پر ضرر نہ ہو جیسی مرتد یا کسی کافر سے مصافحہ بشرط قبضہ حرام نہیں
اس عبارت سے واضح ہے کہ جو معاملات امور کو ضرر رساں نہ ہوں وہ کفار کے ساتھ جائز ہیں۔ تو
وہ معاہدہ جس میں بجائے ضرر کے نفع کی غالب امید ہو کیوں جائز نہ ہوگا

محمد حسین عفی عنہ

المجیب

محمد حسین عفی عنہ مدرس دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام

سیال شریف

العبد

حررہ خادم العلماء والفقراء ادنیٰ از خدام حضرت خواجہ پیر سیال شریف رضی اللہ عنہ ساکن شہر گھیانہ
غلام حسین بقلم خود

العبد

حررہ المسکین احمد الدین میانوالی خادم دربار عالیہ سیال شریف بقلم خود

الجواب صحیح

وہٰذا التحریر تفسیر آیۃ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم
یخرجوکم من دیارکم الآیۃ۔ فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی

الجواب صحیح

حررہ محمد امین شکوہی مقیم دربار سیال شریف

الجواب صواب بلا ارتیاب سعید احمد لکھنوی
صدر مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ گنبدان پانی پت و ناظم مدرسہ رفاہ المسلمین لکھنؤ

ہٰذا ہو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال جمال الدین کرشیادی ضلع گجرات

تصدیق علمائے دیوبند

بے شک موجودہ حالت میں قوم ہنود کے ساتھ مصالحت کرنا اور حدود مذہب کو محکم طریقہ سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اتحاد کرنا اور ان سے مدد لینا درست ہے اور روایات و آثار سے ثابت ہے کما حققہ المجیب العلام فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

مفتی مدرسہ دیوبند۔ ۱۹ ربیع الاول [illegible]

الجواب صواب

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

محمد مرتضیٰ حسن عفا اللہ عنہ

انگریز اور دارالعلوم دیوبند

غیر جانبدار شہادتوں کی روشنی میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

مولانا محمود احمد رضوی کے والد و استاذ و الد فتنی شریعت حضرت ابو البرکات سید احمد کا فتویٰ ہے جاری کردہ مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور۔

(۲) مسلم لیگ کی حمایت کرنی، اس میں چندہ دینا، اس کا ممبر بننا، اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا کیسا ہے؟

(۶) جو شخص اپنے کو سنی کہتا ہو اور مسٹر جناح کو رافضی بلکہ نیچری جانتے ہوئے اپنا بڑا ماننے اور قائد اعظم کہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

(۲) لیگ کی حمایت کرنا اس میں چندہ دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت (مسلم لیگ) کو فروغ دینا ہے اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔

(۶) اس شخص پر واجب اور لازم ہے کہ فوراً توبہ کرکے سچا پکا مسلمان بن جائے۔ اگر رافضی کی تعریف حلال جان کر اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔[۱]

ابو البرکات سید احمد غفرلہ

ناظم دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند (لاہور)

ـــه منقول از الجوابات السنیۃ ص۲۲ مطبع سعدی بمبئی۔

دارالعلوم دیوبند اور انگریز حکومت

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد:۔

اکابر علمائے دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بالفعل حصہ لے چکے تھے۔ سیاسی ناکامی کے بعد ان کا پروگرام اسلام کی علمی آبیاری اور مدارس عربی کا قیام تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی پالیسی یہی تھی کہ مدرسہ کے نظم و عمل میں خود زیادہ نمایاں نہ ہوں۔ ان حضرات کو آگے رکھیں جو ملکی سیاست میں معروف نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے ہم مسلک وہ علماء جو ملک کے اعلیٰ عہدوں سے ریٹائر ہو گئے اور انگریز حکومت کو ان سے کسی قسم کی بغاوت کا خدشہ نہ ہو سکتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے ایسے لوگوں کو آگے آگے رکھا تاکہ یہ علمی دانش کدہ ایک خاص غیر سیاسی رنگ میں رہے اور مسلمانوں کو پھر سے جوڑ سکے اور ایک پراگندہ منتشر اور مظلوم قوم پھر سے سنبھل جائے۔ سو یہ تو صحیح ہے کہ اکابر علماء دیوبند ہمیشہ انگریزوں کے مخالف رہے ہیں لیکن دارالعلوم دیوبند ہمیشہ صرف ایک علمی ادارہ رہا ہے۔ بحیثیت مدرسہ یہ کبھی سیاست میں ملوث نہیں ہوا۔ یہ اکابر کی پالیسی تھی کہ انہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی پوری دینی ذمہ داری ادا کی ۔۔۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے سوانح قاسمی میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شروع کے دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام زیادہ معروف کیوں نہیں ہوا۔ اس کے حاشیہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اس وقت کے نازک حالات، حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری مخبروں کا

پیچھے پیچھے لگا رہتا، پھر حضرت والا کے ان جذبات و نظریات کا ماضی سے زیادہ
مستقبل کے لیے ہونا جو اس وقت اجراء مدرسہ کی روح اور آج ایک مستقل مکتب
خیال اور رخت کی تاریخ بنے ہوئے ہیں جن کی رو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ
ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا کچھ ایسی باتیں نہ تھیں جو کلیۃً پردۂ
خفا میں ہوں یا کم از کم بحیثیت مجموعی حکومت وقت کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوں
ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار عہدیدار کے سامنے آنا
بلاشبہ مدرسہ کو خطرات و مہالک کا شکار بنا سکتا تھا اور پہلے ہی سے حکومت وقت
کی نگاہیں اس پر کڑی ہو جاتیں جس سے وہ حریت پرور مقاصد پورے نہ ہو سکتے
تھے جن کے لیے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی۔ ان حالات میں حضرت والا کا کسی رسمی
ذمہ داری کی صورت میں سامنے نہ آنا اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ ہونے کو
نمایاں رکھنا ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو جاتی ہے۔[1]

اس کے آگے بحث کے اس نکتہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر ایسا تھا تو عام ممبران یا متنظمین کی فہرست میں
بھی حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا نام کیوں آیا، اس کے جواب میں قاسمی صاحب لکھتے ہیں:-

کہ محض بات سے کسی عہدے دارانہ ذمہ داری کی صورت ظاہر نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں اس
فہرست میں ایسے حضرات کی اکثریت تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے جنہیں
سیاست سے تو بجائے خود، عام شہری معاملات سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہ تھا
اور یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حالی پنشنر تھے جن کے بارے
میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔[2]

بعد ازاں لکھتے ہیں:-

اس پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت کی ہمت کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومت
وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی حتی کہ گورنمنٹ کو
تحقیقات کرنی پڑی۔ اس وقت بھی حضرات آگے رہے اور اپنے سرکاری اثر کو

---

[1] سوانح قاسمی مولفہ ص ۲۴۸ [2] ایضاً ص ۲۴۸ تا ص ۲۴۹

سامنے رکھ کر مدرسہ کی صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔ ورنہ اگر شخصی طور پر چند بیانات
ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت والا آگے ہوتے ہوتے تو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی طرف سے
ان بزرگوں کی صفائی اور یقین دہانی کارگر نہ ہو سکتی تھی۔[1]

اس حکیمانہ پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت زیادہ کھل کر اس مدرسے کے آڑے نہ آ سکی اور پھر اس درسگاہ سے سیاست کے بھی وہ نابغۂ روزگار اٹھے جنہوں نے ترکوں تک کو اپنی فکری بساط میں لے لیا۔ حضرت شیخ الہند سے کون واقف نہیں یہ اسی مدرسہ کی پیداوار تھے جو ملکی سیاست میں نمایاں اور کسی طرح نظر انداز نہ تھے۔ ان حضرات کی فکری سوچ نے خود دشمن کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا۔ ایک انگریز اسی مدرسہ کے معائنہ کے لیے آتا ہے اور وہ ان الفاظ میں اپنی رپورٹ لکھتا ہے۔

یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے یہاں کے تعلیم یافتہ
لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے واسطہ نہیں۔

اس سے دو باتوں کا پتہ چلا۔ ایک تو یہ کہ اس مدرسہ کے بارے میں عام شہرت یہی تھی کہ یہ انگریزوں کے خلاف ایک جماعتی مرکز ہے۔ اس گمان کو دور کرنے کے لیے معائنہ کرنے والے نے یہ لکھا کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں۔ عام شہرت غلط ہے۔ دوسری بات یہ کہ انگریزی حکومت نے عام ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے جو پروگرام وضع کر رکھا ہے مدرسے کا وجود ہندوستان کے اس قومی تقاضے کو بھی پورا کر رہا ہے۔ اس پہلو سے یہ معاون سرکار بھی ہے۔ پھر اس انگریز رپورٹر کا یہ لکھنا کہ یہاں کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہیں کہ ایک کو دوسرے سے واسطہ نہیں، تو یہ جملہ کیا بتا گیا ہے؟ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انگریز حکومت ان حضرات کی تنظیم سے خائف تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتا کہ انگریز دیوبند کو اپنے خلاف ایک فکری مرکز سمجھتے ہوں اور اب لیفٹیننٹ گورنر کا نمائندہ اپنی حکومت کو اعتماد دلا رہا ہے کہ عملی طور پر دیوبند والے منظم نہیں ہیں۔ وہ آزاد ہیں کسی کو ایک دوسرے سے واسطہ نہیں۔ انگریز حکومت کو مدرسے سے خائف نہ ہونا چاہیے۔ یہ رپورٹ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کی ہے۔

مدرسہ دیوبند کا صرف ایک فکری مرکز ہونا اور عملی مرکز نہ ہونا یہ محض کوئی اتفاقی کارروائی نہ تھی۔ اسے اسی طرح رکھنا یہی پالیسی ابتداء سے کارفرما تھی۔ مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں۔

---

[1] سوانح قاسمی، ص ۲۷۴

مدرسہ دیوبند کے صرف چھ ماہ بعد متصل شہر سہارن پور میں ایک شاخ کھولی گئی آخر میں
ان شاخوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے چالیس تک پہنچ گئی۔ مدرسہ دیوبند کی ان شاخوں
کا نظام اس مرکز کی تھا۔[1]

یہ پالیسی اس لیے قائم کی گئی تھی کہ یہ مدارس کہیں حکومت کا براہ راست نشانہ نہ بنیں اور آزادی کے لیے کہیں سلمان مذہب بھی نہ دے بیٹھیں مسلمانوں کو اس وقت آریہ اور عیسائی مشنریوں سے بچانے کی ضرورت بھی تھی صف اول میں۔ گر حضرت شیخ الہندؒ اس ان کے سیاسی نقادکھڑے تھے تو دوسری طرف صف میں مولانا حافظ محمد احمد مہتمم اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نائب مہتمم کھڑے تھے جن کا کام اسلام کی علمی قدروں کا تحفظ، مدرسے کا استحکام اور قرآن و حدیث کے ماہرین تیار کرنا تھا۔ یہ حضرات حکومت کو یہ تاثر دیتے تھے کہ مدرسہ خود کسی سیاسی تنظیم کا نام نہیں یہ محض ایک علمی اور دینی درسگاہ ہے۔

خود حضرت شیخ الہندؒ بھی چاہتے تھے کہ جہاد کی تحریک آزادی کی وجہ سے مدرسہ دیوبند پر کوئی آنچ نہ آئے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو کیا حضرت شیخ الہندؒ خود یاغستان نہ چلے جاتے۔

کارپردازان حکومت کا احساس یہ ہے کہ مولانا یاغستان اس لیے تشریف نہیں لے گئے
کہ دیوبند کا مدرسہ حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا۔[2]

مولانا غلام رسول مہر دیوبندی گروہ کے تھے وہ بھی لکھتے ہیں۔
ایک بڑی مصلحت یہ بھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے
حتی الامکان محفوظ رکھیں۔[3]

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ علمائے دیوبند انگریزوں کے خیرخواہ تھے ان کا آگے بڑھنا بھی ملک وملت کی بہبود۔ وہ اللہ کی رضا کے لیے تھا اور دوسری صف میں کام کرنا بھی مسلمانوں کے علم وعمل کو بچانے اور اللہ کی رضا کے لیے تھا۔ انگریزوں کے ایجنٹ صرف وہ مذہبی طبقے تھے جو دین میں تحریف کر رہے تھے جیسے منسوخی جہاد اور ختم نبوت زمانی کا انکار یا وہ جو اہل سنت مسلمانوں کے دو ٹکڑے کر رہے تھے۔ اور ان میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کئے ہوئے تھے اور اپنے مدرسوں کے لیے انگریزوں سے مالی امداد لینے کو جائز سمجھتے تھے خلافت عثمانیہ کے خلاف ہر دو فریق کے یہ ایجنٹ ایک ساتھ ہی جمع ہو جاتے تھے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص [illegible] [2] تحریک شیخ الہندؒ ص [illegible] [3] سرگزشت مجاہدین ص [illegible]

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد علماء کی عام حالت

۱۸۵۷ء کی سیاسی ناکامی کے بعد فتحیاب انگریزوں نے سارے ملک میں قیامت توڑ رکھی تھی۔ بربریت عام تھی، پھانسیاں لگی تھیں اور علماء اسلام کو اس تحریک آزادی ہند کا سالار سمجھا جاتا تھا سب سے زیادہ ظلم کا تختۂ مشق یہی لوگ تھے۔ جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو لائق دار ہے۔

وارثین انبیاء کے لیے یہ بڑا نازک موڑ تھا۔ متاع دین کی امانت ان کے سینوں میں تھی اور اس کا تحفظ اور قوم کو پھر سے زندگی دینا ان کا فرض منصبی تھا۔ اس احساس ذمہ داری نے انہیں پیچھے ہٹنا تحریک سے پیچھے ہٹنا نہیں ایک داؤ کی کروٹ لینا ہے۔ اور باب حریت کی تاریخ میں ایسے موڑ آتے ہیں کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اصل کو اور کو چھپانا پڑتا ہے (اسے عربی میں توریہ کہتے ہیں)۔

حضرت جابرؓ (۷۸ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحرب خدعۃ[1]

لڑائی ایک چال ہے۔ حضرات علماء کرام نے یہ چال چلی کہ مدارس عربیہ قائم کرنے شروع کر دیئے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا قیام بھی انہی دنوں عمل میں آیا۔ اس کا پہلا فارغ التحصیل طالب علم دیوبند کا رہنے والا محمود حسن تھا جو تاریخ کے ورق پر شیخ الہند بنا۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ جو جنگ آزادی میں بالفعل حصہ لے چکے تھے انہوں نے ایسے حالات میں اپنے آپ کو بہت کم نمایاں کیا تاکہ ان کی وجہ سے اس مرکز علمی پر کوئی بات نہ آئے۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ ان حالات میں اگر کسی نے اپنے آپ کو اس جنگ ۱۸۵۷ء میں کم سے کم طرف بتایا اور یہ بھی اس وقت جب جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا تو کیا اسلام دشمن سے اس داؤ کھیلنے کی اجازت نہیں دیتا؟ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

واتفق العلماء على جواز خداع الكفار في الحرب كيف امكن الخداع الا ان يكون فيه نقض عهد او امان فلا يحل وقد صح في الحديث جواز الكذب في ثلاثة اشياء احدها في الحرب[2]

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۲ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۲

ترجمہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ میں کفار سے دھوکا کرنا جس طرح بھی ہو سکے جائز ہے ہاں اگر عہد باندھ چکے ہوں یا کسی کو امان دے چکے ہوں تو اس کا توڑنا جائز نہیں اور حدیث سے صحیح طور پر تین مقامات پر جھوٹ بولنے کا جواز رخصت ہے ان میں ایک ان کا قول سے جنگ بھی ہے۔

یہ کہنا کہ اکابر میں سے اب تک اور جو مدارس عربیہ کے قیام کی طرف کیوں رخ کر لیا تھا؟ شاملی کا پانسہ پلٹنے کے بعد اپنا سب کچھ جنگ میں جھونک لینا انگریزوں کو کیوں نہ بتایا اور خود پھانسی کے تختوں پر کیوں نہ چڑھے۔ یہ اسی بے وقوف کا کام ہو سکتا ہے جو کتاب و سنت کے ذوق سے بے بہرہ اور عقل و ہوش سے کلیۃً بے شعور ہو۔ شریعت اس طرح مقصد جان دینے کو شہادت نہیں کہتی۔

پھر جس جنگ میں ناکامی کے بعد جب تک مسلمان پھر قوت نہ پکڑیں اور اپنی فوجی طاقت بحال نہ کر لیں کیا کوئی سر پھرا کہہ سکتا ہے کہ نہیں انگریزوں سے سر جھکا کر ہی رہنا چاہیئے تھا۔ اس حکومت کو تسلیم کرنے میں کیا مسلمانوں پر اضطراری حالت نہ تھی؟ کیا اسی اضطراری حالت میں مسلمانوں نے آخر ایک موقع پر کابل ہجرت کرنے کا فیصلہ نہ کیا تھا؟ کیا سید احمد شہید بھی جو انگریزوں کے خلاف لڑنے سے پہلے سکھوں کی بدحالی پر آگئے تھے؟ ایسے وقت میں بعض علماء دیوبند کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر جہادوں سے دور رہے تھے کہ کسی دین کا تحفظ نہیں ہو سکتا، اگر آپ اسے تدبر سے سمجھیں تو اس کے ایک دور کے معنی آپ کو خود نظر آ جائیں گے اور اس میں امام نووی کے فتویٰ پر عمل بھی ہو جائے گا۔

کیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اٹھنے والے مجاہدین تھے؟ اگر نہیں تو پھر اس میں شامل ہونے والے اگر کہیں کہ وہ مجاہدین کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تو یہ جھوٹ کیسے ہوگا۔ ان عبارات کو خاطر میں نہیں لانا سکے پیچھے جو تحقیق چھپی ہیں ان میں جا کر پڑھنا ہوگا۔

دھوکہ میں نقض عہد جائز نہیں

جنگی حالت میں کفار سے دھوکا کر لینے میں گناہ نہیں۔ مگر عقد وفا یا صلح کے بعد نقض عہد کسی صورت میں جائز نہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان ہند ایک اضطراری حالت میں تھے اور بجز اس کے کہ وہ انگریزی

؎

حکومت کو تسلیم کر لیں۔ مدد کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اتفق العلماء على جواز عقد الامان الكفار فی الحرب فكيف امكن انعقاد الامان

یکون فیه نقض عهد او امان فلا تحمل۔

اب مسلمان تو بھی طور پر پابند تھے کہ وہ حکومت کے وفادار ہیں۔ ہاں حکومت کا کوئی ایسا حکم ہو جو اسلام
کے خلاف ہو تو مسلمان اس کے ماننے کے پابند نہ ہوں گے۔

لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق۔

حضرت شیخ الہندؒ آزادیٔ ہند کے لیے سوچ بچار تو کرتے رہے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بھی بیدار کرتے
رہے۔ انگریزوں سے رہائی پانے کی تدبیریں بھی کرتے رہے ترکوں سے بھی مشورے کرتے رہے لیکن مولانا آپ
نے عہد نہیں توڑا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے اپنے وہ وعدے توڑ دیے جو انہوں نے جنگ عظیم اول کے دوران
مسلمانوں سے کیے تھے۔ سو یہ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی تحریک
خلافت اور ترک موالات میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حضرات نے ہندوستان کے اس سیاسی دور میں شریعت
کا دامن کسی وقت نہ چھوڑا۔ یہ حضرات علماء دیوبند کے اندر کی خبر دے رہے ہیں کہ ان کا دل و دماغ کس قدر انگریزی
حکومت سے متنفر اور دور تھا۔ اگر انہوں نے کبھی یہ کہا کہ ہم وفادار ہیں تو یہ بھی شرعی حدود میں اور اگر سامنے
آ گئے تو یہ بھی شرعی تقاضوں سے۔ نقض عہد کی راہ سے ان حضرات نے جنگ نہیں لڑی

ولما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین (پ ۱۰ الانفال ع ۷)

ترجمہ: اور اگر آپ کو کسی قوم سے دغا کا اندیشہ ہو تو پھینک دیں ان کی طرف ان کا عہد
بے شک اللہ تعالیٰ دغا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

خدا تعصب کا ستیاناس کرے جب یہ کسی قوم کے دل و دماغ پر قبضہ کر لے تو اس کے لیے حق و انصاف
کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ مولانا اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) کے اس سیاہی میں رنگین یہ جملے لکھتے ہیں۔

مولانا شیخ الہندؒ کا ایک اپنا علمی مقام ہے ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں جو ان کا سرمایہ
ہیں لیکن وہ مجاہد نہ تھے نہ انہوں نے تمام عمر کبھی جہاد میں حصہ لیا۔[1]

اب پاکستان کے مسلمان سیاسی رہنمائی کو مطبوعات ہی سے پرکھیں۔ کیا یہ پرانی تحریریں پڑھیں اور خود فیصلہ

---

[1] علمائے دیوبند کا ماضی ص ۱۶

علماء دیوبند کی دوسری لائق توجہ مجلس میں کتاب و سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دے رہی تھی، یہ بھی وقت کی ایک شرعی ضرورت تھی۔ اور یہ بھی ان محنتوں کا ثمرہ ہے کہ انگریز اپنے اس طویل دور حکومت کے باوجود برصغیر پاک و ہند سے اسلام کو ختم نہ کر سکا۔ سو کسی رپورٹ کی یہ رپورٹ کہ دیوبند کے تعلیم یافتہ آپس میں منظم نہیں ہیں اور یہ مدرسہ مدرسے کی حیثیت سے حکومت کے خلاف نہیں کوئی ایسی بات نہیں جس پر مرزا غلام احمد قادیانی یا مولانا احمد رضا خان کے پیرو خوشیاں منائیں کہ کوئی دیوبندی ہم میں آملا ہے۔

پھر مسٹر پامر یہ رپورٹ کہ مدرسہ دیوبند سرکار کے خلاف نہیں خود دارالعلوم میں بیٹھ کر لکھ رہا ہے اور وہ اس سوانح کی کتاب میں کہہ رہا ہے یہ کوئی مخلصانہ تیار شدہ نہیں ظاہر داری ہیں وفاداری کا یہی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ وہاں انگریز حکام کی اکابر دیوبند کے بارے میں اصل رائے وہی تھی جسے وہ اپنے ہاں جاکر لکھتے تھے اور اس پر اپنے اعلیٰ حلقوں میں وہ اعتماد کرتے تھے۔

ہنٹر اپنی کتاب ہندوستانی مسلمان Indian Muslims میں لکھتا ہے۔

> ہمیں اپنے اقتدار کے سلسلہ میں مسلمان قوم کے کسی گروہ سے خطرہ نہیں اگر خطرہ ہے تو مسلمانوں کے ایک مختصر گروہ وہابیوں سے۔ کیونکہ صرف وہی ہمارے خلاف جدوجہد میں مصروف ہیں[1]

یاد رہے کہ انگریزوں کے ہاں لفظ وہابی سے غیر مقلد لوگ مراد نہیں لیے جاتے تھے ان کے ہاں وہابیوں کے سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ تھے جو حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے پیر و مرشد ہیں۔ ان کے بارے میں ہنٹر کی زبان ملاحظہ ہو۔

> وہ اپنی گذشتہ سوانح حیات کو جو بحیثیت ایک قزاق کے گزری تھی حاجی کے لباس میں چھپا کر اگلے سال کلکتہ پہنچ گیا[2]

اور Hughes ہیوگیس لفظ وہابی کے تحت ڈکشنری آف اسلام میں لکھتا ہے۔

> وہ پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے حج کرنے گیا۔ وہاں وہ وہابی مبلغین کے زیر اثر آگیا جو حاجیوں میں خفیہ طور پر وہابیت کی اشاعت کر رہے تھے۔

آپ دیکھیں حضرت سید احمد شہیدؒ پر کس حکمت سے لفظ وہابی اتارا جا رہا ہے حالانکہ ان کا تعلق ہر

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۲ [2] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۲۳
[3] ڈکشنری آف اسلام لفظ وہابی

کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اپنے مسلک کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

این فقیر و خاندان این فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام [illegible] دارند کہ این فقیر و اسلاف این فقیر [illegible] و اعتقاد کہ مذہب این فقیر آباً عن جد حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال این ضعیف بر قوانین اصول حنفیہ و کیفیت ایشاں منطبق است [1]

ترجمہ: یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں ہزاروں لاکھوں آدمی یہ اور میرے اسلاف کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا مسلک باپ دادا سے حنفی چلا آرہا ہے اور عملاً بھی اس عاجز کے تمام اقوال و افعال حنفی قوانین اور ان کے طریقے کے مطابق ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید کے دوسرے ساتھی حضرت مولانا عبدالحی دہلوی تھے ان پر بھی وہابی ہونے کا الزام تھا۔ [illegible] میں ان سے ان کے مسلک کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے اور آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ ان میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

قیاس را معتقدم و در قیاسات و اجتہادات مقلد مذہب حنفی ام [2]

ترجمہ: جب کتاب و سنت کی نص نہ ملے تو میں قیاس شرعی پر یقین رکھتا ہوں اور ایسے اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کی تقلید کرتا ہوں۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ ایسے مقلد نہ تھے کہ کسی اور دلیل پر غور کرنے تک کے لیے بھی تیار نہ ہوں جب حضرت امام طحاوی کی پیروی میں ایک جگہ پایہ تحقیق تھے۔

من بمذہب حنفی مثل طحاوی و کرخی ام باسناد صحیح کار بند مے شوم و مثل صاحب [illegible] نیستم [3]

ان تحریروں سے واضح ہے کہ انگریز مسلمانوں کے جس گروہ کو وہابی کہہ کر اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے وہ حضرت سید احمد شہید کی قیادت میں جانوں کی بازی لگانے والے لوگ تھے یہ حضرات اس ماحول میں انگریزوں کے لیے خاص درد سر تھے ہمارے اکابر [illegible] سب مقلد تھے۔

---

۱ مکاتیب سید احمد شہید ص [illegible] ۲ الصراط [illegible] الیہ [illegible] طبع [illegible] مطبع احمدی [illegible]

نام نہاد نواب صدیق حسن خاں صاحب انگریز حکام کے ذہن اپنی ذہنیت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

گورنمنٹ ہند کے بعض فرنگی اہلکاروں نے یہ ذہن نشین کر دیا ہے کہ فرقہ موحدین ہند
مثل وہابیان ملک عرب ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحدین ہند) ویسے ہی
دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی
(مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے۔[1]

مجاہدین ہزارہ سکھوں کے خلاف کس عزم سے نکلے تھے

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ گو براہ راست سکھوں کے مقابلہ میں میدان جہاد میں آئے تھے لیکن یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں کہ ان دنوں سکھ اور انگریز ایک دوسرے کے حلیف تھے حریف نہ تھے۔ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور وہ یہاں اصل دشمن مسلمانوں کو ہی سمجھتے تھے۔ اور سکھوں نے بھی پنجاب مسلمانوں ہی سے ہاتھ میں لیا تھا۔ انگریز اور سکھ دونوں مسلمانوں کے حریف تھے۔ مجاہدین بالاکوٹ گو ابتداً سکھوں کے مقابلہ میں نکلے تھے لیکن ان کا عزم ان دونوں سے وطن آزاد کرانا تھا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کے خطوط جو آپ نے مختلف سرداروں اور فرمانرواؤں کو لکھے اور جن میں ہندوستان کا حال بتا کر اس آگے بڑھتے ہوئے فتنہ سے انہیں ڈرایا، وہ چھپ چکے ہیں۔ ان میں دو خط مجھے ہیں جو آپ نے شاہ بخارا کے نام لکھا ہے اور اسے جہاد کے لیے آمادہ کیا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہو چکا ہے اور انگریز نہایت خطرناک شاطرانہ چال سے آگے بڑھ رہے ہیں انہیں روکنا چاہیے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

کفار فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہشیار و حیلہ باز و مکار
اند۔ اگر بر اہل خراسان بیفتند بسہولت تمام جمیع بلاد آنہا را بدست آرند۔ بانہ حکومت
آنہا بولایت آنجناب متصل گردد و اطراف دارالحرب بہ اطراف دارالاسلام
متحد شود۔[2]

ترجمہ۔ انگریز کفار جو ہندوستان پر غلبہ پا چکے ہیں بہت تجربہ کار ہشیار، حیلہ باز اور مکار

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ [2] مکاتیب سید احمد شہیدؒ

ہیں۔ اگر اہل خراسان کے پاس آ گئیں تو بہت آرام سے ان کے تمام علاقے، بچے کھچے ہیں
لے لیں پھر ان کی حکومت آپ کی مملکت تک بھی جا پہنچے گی، اور دریائے سندھ اور دریائے گنگا
کے کنارے باہم جا ملیں گے۔

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا نظریہ انگریزوں کے بارے میں کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات صرف سکھوں کے خلاف تھے انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کی یہ سوچ حقیقت سے بہت دور ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس کشمکش میں ان لوگوں نے اس خط میں بھی تحریف کر دی اور کفار فرنگ کی بجائے کفار دراز مویاں (لمبے بالوں والے کافر یعنی سکھ) اور ہندوستان کی بجائے پنجاب لکھ دیا اور عبارت یوں بنا دی :-

کفار دراز مویاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند[1]

دین کی معمولی بصیرت رکھنے والا جانتا ہے کہ مسئلہ جہاد میں لمبے بالوں کا کوئی دخل نہیں کافر لمبے بالوں والے ہوں یا چھوٹے بالوں والے حکم سب ایک سے ہیں یہ کوئی وجہ فارق نہیں جو یہاں ذکر کی گئی ہے پھر تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کو کبھی تجربہ کار اور عقل مند ہوشیار نہیں کہا گیا۔ پس یہ عبارت اپنے سیاق سے بتا رہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خطوط میں ایک اور جگہ انگریزوں کا یہ ذکر ملتا ہے

نصاریٰ مکروہ خصال و مشرکین بد مآل بیشتر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً مسافت شش ماہہ راہ باشد تسلط یافتہ و دام تلبیس و تزویر بنا بر اغوال دین رب خبیر بر بافتہ و تمامی آن اقطار بظلمات ظلم و کفر مستغرق گردانیدند[2]

ترجمہ: بد خصلت انگریز اور بد انجام مشرک ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر دریائے اباسین سے ساحل دریائے شور تک کہ تقریباً چھ ماہ کے سفر کا فاصلہ ہو گا قابض ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پامالی کے لیے تلبیس و فریب کا جال بن چکے ہیں یہ تمام علاقے ظلم و کفر کی تاریکیوں سے بھر چکے ہیں

---

[1] تواریخ عجیبہ صفحہ [illegible] [2] مکاتیب سید احمد شہیدؒ صفحہ [illegible]

یہاں مشرکین اور مفسدین کا دونوں کا ذکر بڑی صراحت سے موجود ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی ان لوگوں نے یوں بدل دیا۔

سکھاں بکوہیہ ضلال و مشرکین بدمآل باکثر اقلاع غربی ہندوستان ... تسلط یافتہ[1]

ترجمہ: بدخو سکھ اور بدانجام مشرکین ہندوستان کے بیشتر مغربی علاقوں پر قبضہ پاچکے ہیں۔

یہاں اکثر اقلاع غربی ہندوستان کے الفاظ محض اس لیے لائے گئے کہ پنجاب کی طرف اشارہ ہوسکے، اور انہیں کسی نہ کسی طرح سکھوں سے متعلق کیا جاسکے ورنہ اصل الفاظ اکثر بلاد ہندوستان تھے۔

تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے کی کوشش

تواریخ عجیبہ میں اس تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے اور اسے صرف سکھوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحریف خود تواریخ عجیبہ کے مصنف سے سرزد ہوئی یا کسی اور نے دیدہ و دانستہ اسے ان کی کتاب میں جگہ دے دی اور کسی سیاسی مصلحت یا اختلاف عقیدہ کے باعث یہ مضامین بدلے گئے۔ یہ اس وقت موضوع بحث نہیں۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تحریف شدہ مہمی مولانا اسمٰعیل شہید کی اپنی تحریرات اور تواریخ عجیبہ کی نقل سے بدرجہا زیادہ معتبر ہیں۔ وہ خود صاحب واقعہ ہیں اور تواریخ عجیبہ ان کے کافی بعد کی تالیف ہے۔ اس کے علاوہ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شہدائے بالاکوٹ کی تحریرات شروع سے ہی مخالفین کا تختۂ مشق بنی رہی ہیں اور وہ ان میں لفظی و معنوی تحریف کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں۔

امیر تحریک حضرت سید احمد شہید کے ایک مرید شیخ غلام علی الٰہ آبادی تھے۔ یہ حضرت سید صاحب کے ساتھ جب راہ میں رہ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کو جاتے ہوئے انہیں راستہ میں ملے تھے۔ شیخ غلام علی مرحوم نے اس ملاقات میں سید جعفر علی صاحب سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا۔

اب ہماری نظر اس لشکر اسلام کی فتح پر لگی ہوئی ہے اور ہماری معاش کی اصلاح بھی اسی پر موقوف ہے۔[2]

الٰہ آباد پنجاب میں نہیں ہندوستان میں ہے۔ حضرت سید احمد کی تحریک جہاد سے الٰہ آباد کے حالات کی اصلاح صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ حضرت سید صاحب کے پیش نظر پنجاب پر قبضہ پانے

۱۔ تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۰ ۲۔ منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء مصنفہ سید جعفر علی

کے بعد پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور بلادِ اسلام کو پھر مسلمانوں کے قبضے میں لانا ہو۔ حضرت سید احمد شہیدؒ شاہزادہ کامران کے نام ایک خط میں تصریح کرتے ہیں۔

مقصود اصلی خود آنکہ است جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در دیار خراسان۔[1]

ترجمہ: ہمارا اصل مقصد پورے ہندوستان پر لشکرکشی ہے نہ کہ دوسرے علاقہ کو وطن بنا کر بیٹھ رہنا۔

پھر ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

پس این قدر معلوم بادا ست کہ بلاد ہندوستان از اصل دارالحرب نیست بلکہ کفرہ ہند و فرنگ بالفعل برآن مسلط گردیدہ اند پس استخلاص بلاد مذکورہ از دست اشرار مذکور بر جماہیر اہل اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب است۔ این فقیر بقدر استطاعت خود کوشش مے نماید آنجناب را لازم است کہ بقدر طاقت خود سعی فرمایند۔[2]

ترجمہ: میں اتنی بات معلوم ہے کہ ہندوستان بنیادی طور پر دارالحرب نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے کفار (ہندو اور سکھ) اور انگریز ملک پر قابض ہوگئے ہیں۔ پس جمہور اسلام پر عموماً اور معروف مسلم حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہے کہ ہندوستان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے آزاد کرائیں (یعنی اس طرح سے یہ دارالحرب ٹھہرتا ہے) یہ فقیر اپنی ہمت کے مطابق کوشش کر رہا ہے۔ آنجناب پر بھی لازم ہے کہ اپنی ہمت کے مطابق کوشش فرمائیں۔

اس خط میں آپ نے صراحت سے انگریزوں کو غاصب قرار دیا ہے اور ان سے ملک کو آزاد کرانا اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی کافر قومیں (سکھ وغیرہ) انگریزوں کی حلیف تھیں۔ اس لیے آپ نے انہیں ایک ہی جماعت میں شمار کیا ہے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ نے میر شاہ علی کے نام جو خط لکھا وہ بھی ان مکاتیب میں موجود ہے۔ مولانا شہیدؒ بھی سکھوں اور انگریزوں کو ایک ہی صف قرار دیتے ہیں۔

کہ از کفار سکھ و فرنگ ہم دعای این قبائح در ذات آنجناب نیز تو ند کرد۔[3]

[1] مکاتیب سید احمد شہیدؒ ص۴۵ جانب دوم [2] مکاتیب ص۱۱۰ جانب دوم [3] مکاتیب ص۱۵ جلد اوّل

توجہ سکھوں اور انگریزوں میں سے کوئی بھی "مجاہد" کے بارے میں اس قسم کی برائیوں کا
دعوے نہیں کر سکتا

ان تحریرات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر پورے ہندوستان کی آزادی تھی سکھ اور انگریز ان کے مقابل کی صف میں تھے سکھوں کے بعد ان کا عزم ہندوستان کی طرف بڑھنے کا تھا لیکن جن لوگوں نے اس تحریک کو صرف سکھوں تک محدود سمجھا انہوں نے حالات کا تجزیہ کرنے میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ سب سے پہلے یہ غلط سرسید احمد خاں نے ظاہر کیا تھا مگر وہ قصداً اس تاویل کا ساتھ نہیں دے رہے تھے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ قوم کا ذہن انگریزی حکومت کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور شہدائے بالاکوٹ کو محدود طبقاتی تحریک کے لزوم میں بدنام کیا جا سکے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات کا رویہ پوری حکومت برطانیہ کے خلاف تھا اور وہ جس تدبیر سے پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانے کی اصلاحی فکر میں تھے اور یہ تحریک صحیح معنوں میں ایک سیاسی جہاد تھا۔

شیخ ہینہ کی ریشمی رومال کی تحریک کا جو ریکارڈ لندن کے انڈیا آفس سے حاصل کیا گیا ہے اس میں برطانوی حکومت کے پولیٹیکل نمائندے نے شروع ہی میں جو بیان کیا ہے وہ اس تحریک کی پوری تائید کرتا ہے

مجاہدین: یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۴ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا مدعا حکومت برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ کا ہے۔[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریزی کی سیاست میں ان حضرات ان تمام مجاہدین حضرات کو وہابی کہا جاتا تھا اور یہ لفظ غیر مقلدین سے خاص نہ تھا سربراہ تحریک حضرت سید احمد شہید حنفی المذہب تھے ہم اپنے عزیز محترم علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ تاریخی اس بات کو کہ انگریزوں کا حملہ صرف وہابیوں سے ہے غیر مقلدین پر منطبق کیا جائے۔ انہوں نے البریلویہ میں یہاں یہ چند نام گنوائے ہیں مولانا جعفر تھانیسری، مولانا عبدالرحیم، مولانا عبداللہ غازی، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالغفار اور مولانا نذیر حسین۔

یہ حضرات تحریک بالاکوٹ کے رکن نہیں تھے یا بیان شہادت میں ان کا ذکر ملتا ہے جیسے

---

[1] ریشمی خطوط سازش کیس صفحہ ۱۵۵

کے واقعات میں ذکر کیا جاتا ہے۔ تحریک بالاکوٹ میں مقلدین اور غیر مقلدین کی کوئی بحث نہ تھی۔ قائدِ تحریک کلی طور
پر حنفی تھے معلوم نہیں علامہ احسان الٰہی ظہیر نے انہیں وہابیوں میں کیسے لکھ دیا ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

جہاد بالاکوٹ اگر صرف سکھوں کے خلاف ہی ایک فوجی کارروائی تھی اور اس سے غرض ہندوستان
کو انگریزوں سے پاک کرنے کا پروگرام نہ تھا تو حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بیعت کنندگان جہاں
ان کی شہادت کے بعد وہاں پھر سے فوجی کیمپ نہ لگاتے اور مسلسل گوریلا جنگ نہ لڑتے۔ ان مجاہدین کی یہ گوریلا
جنگ آخر کن کے خلاف تھی؟

سکھ حکومت کے پنجاب سے جانے کے بعد بھی مجاہدین کا یہ فوجی کیمپ وہاں لگا رہا اور جب بھی تحریک
آزادی کی کوئی لہر اٹھی یہ مجاہدین اس کے پرجوش حامی رہے۔ ان کی یہ جدوجہد اگر انگریزوں کے خلاف نہ تھی تو آخر
کن کے خلاف تھی ــــ پاکستان بننے کے وقت تک یہ فوجی کیمپ لگا رہا۔ ۱۹۴۷ء میں مولوی فضل الٰہی اس
کیمپ کے سربراہ تھے۔

پھر یہ جہاد بالاکوٹ اگر انگریزوں کی بجائے سکھوں کا نشانہ تھا جو آخر تک ان کی بجائے سکھوں ہی پر تھا تو
سلطنت برطانیہ نے یہاں مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کرنے میں اپنی وقتیت کیوں سمجھی۔ لڑاؤ اور اپنا کام چلاؤ تو یہ کہن
کی پالیسی تھی؟ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ انگریزوں کا سیاسی سنگِ میل تھا جس کے سائے
میں وہ آگے بڑھتے تھے۔

انگریز مؤرخ P. Hardy پی ہارڈی لکھتا ہے:۔

The followers of Syed Ahmed Bareivi continued to maintain an active guerrilla war on the North West Frontier in the region of Black mountain. p.173. The Ulama were a potential political force and that it was necessary to divide them politically from the supporters of Syed Ahmed Breivi p.174.

ترجمہ: سید احمد بریلوی کے پیروؤں نے (ہندوستان کی) شمال مغربی سرحد پر سیاہ
پہاڑوں کے دامن میں کھلی گوریلا جنگ مسلسل جاری رکھی۔ ص ۱۷۳
اب بھی علماء یہاں ایک مضبوط سیاسی قوت تھے اور (حکومت برطانیہ کے لیے)
ضروری ہو گیا تھا کہ سید احمد کی حمایت میں جنہیں آپس میں سیاسی طور پر مختلف کر دیا جائے۔ ص ۱۷۴

For their activities the brothers, Abdul Hamid and Abdul Majid were well rewarded by the government. Medals denoting the title of Shams-ul Ulama dangled from their turbans, while for his anti-khilafat work Abdul Majid was one of the most rewarded men in the province. At a provincial durbar in 1922, he received from Harcourt Butler both a robe and a sword of honour.

The Muslims of British India, p 272

ترجمہ: مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کو حکومت (برطانیہ) کی طرف
سے نوازا گیا تھا ـــ ان کی دستاروں (پگڑیوں) پر شمس العلماء کے
تمغے لٹکے ہوتے۔ مولانا عبدالماجد تحریک خلافت سرگرمیوں کے باعث اپنے پورے
صوبے میں سب سے زیادہ (انگریزوں کے) مراعات یافتہ تھے۔ ۱۹۲۲ء میں ہارکورٹ
بٹلر نے آپ کو ایک صوبائی دربار میں خلعت فاخرہ دی اور ایک تلوار کا اعزاز بخشا۔

مولانا احمد رضا خاں ۱۹۲۱ء میں فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے انہیں اس دربار میں بلایا نہ جا سکا۔ نہ
آپ اس موقع پر کوئی انعام پا سکے۔ ورنہ آپ کی بھی تحریک خلافت کے خلاف سرگرمیاں ان حضرات سے کچھ کم
نہ تھیں۔ آپ نے اس موضوع پر ترک خلافت کے حل نہیں۔ ایک مستقل کتاب دوام العیش لکھی تھی اور
مولانا عبدالماجد اور مولانا عبدالحامد انہی کی رہنمائی میں آگے بڑھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں مولانا عبدالماجد کو
متحدہ ہندوستان کے لیڈر جیسے مولانا لکھتے ہیں۔ کیونکہ تحریک خلافت کی مخالفت کو اصل لیڈر وہ ہی تھے آپ کو سمجھتے
تھے کسی اور کو وہ کیسے تسلیم کرتے اور انگریزوں کی نظروں میں کوئی دوسرا کیوں نمبر بنا پاتا۔

ان دنوں گورکھپور سے ایک پرچہ مشرق نکلتا تھا اس کے مدیر سے بھی ہوگی ان الفاظ میں مولانا
احمد رضا خاں کی خدمت کا تذکرہ کرتا ہے۔

It is not clear where the Barielly had its strongholds but the Mashriq of Gorakhpur and Al-Bashir took note of the pro-government fatwas of Ahmad Raza Khan and it seems that the school's permissive thinking on Islamic practice appealed especially to certain low groups in Muslim society.

The Muslims of British India, p.268.

تاج برطانیہ کی حمایت میں دیئے گئے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے

سو یہ بات واضح ہے کہ اگر ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر شبلی نے آپ کو اچھے الفاظ میں خدمت ثقافت کا اعزاز دیا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ ان کی نسبت میں ماہر تھے۔ بلکہ اس کی وجہ آپ کی ۱۹۲۱ء میں وفات ہے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۱۹۱۶ء میں جب مولانا بقید حیات تھے تو مجلس معید الاسلام کا جو وفد وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس میں آپ مولانا عبدالماجد کے ساتھ تھے۔ پی ہارڈی بتاتا ہے کہ اس وفد میں کون کون تھے۔

Abdul Majid of Badaun Wilayat Hussain of Allahabad Ahmad. Raza Khan of Bariely and the two leading Shia Mujtahids of Lucknow.

The Muslims of British India, p.279.

ترجمہ۔ عبدالماجد بدایونی۔ ولایت حسین الہ آبادی۔ احمد رضا خاں بریلوی اور لکھنؤ کے دو چوٹی کے شیعہ مجتہد

پھر آگے صفحہ ۲۹۵ پر لکھتا ہے۔

The deputation was to include Shia Mujtahids as well as Wilayat Hussain of Allahabad and Ahmad Raza Khan of Barelly. The Deobandis, characteristically objected to coming in with the Lucknow lot.

Ibid, p.295

ترجمہ۔ اس وفد میں ولایت حسین الہ آبادی اور احمد رضا خاں بریلوی اور شیعہ مجتہدین کا نام تھا دیوبندیوں نے لکھنؤ کے ان مجتہدین کے ساتھ نکلنے کی کھلے طور پر مخالفت کی۔

فرانسس رابنسن Francis Robinson نے بھی مولانا احمد رضا خاں کو سلطنت برطانیہ کے ساتھ میں کلی اشتراک بتلایا ہے۔ فرانسس رابنسن لکھتا ہے

Nevertheless his normal stand was of support for government and he supported it throughout world war one, he opposed the khilafat movement and in 1921 organised a conference of anti-non-cooperation Ulama at Bareilly. He had considerable influence with the masses but was not favoured by educated Muslims.

Separatism among Indian Muslims, p.422

It was reported from Nawabshah during the Khilafat agitation, that the agitation is making rapid progress and that the maulvis and pirs have regained their influence through it.

The Muslims of British India, p 255

ترجمہ: تحریک خلافت میں نواب شاہ (سندھ) سے اطلاع ملی کہ وہاں تحریک آزادی تیزی سے زور پکڑ رہی ہے اور علماء اور مشائخ نے عوام کو اپنے کرنے کے لئے اثرات پھر سے حاصل کر لیے ہیں۔

حضرت مولانا محمود حسن کو شیخ الہند اسی لیے کہا گیا کہ تحریک خلافت پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اور برصغیر پاک و ہند میں ہر جگہ آپ کے معتقدین و متوسلین پھیلے تھے۔ جہاں جہاں مسلمان خلافت کے لیے اٹھے تھے وہیں حضرت شیخ الہند کا نام پہنچا تھا۔ بخلاف مولانا احمد رضا خان کے کہ پڑھے لکھے طبقے میں بہت کم لوگ انہیں جانتے اور مانتے تھے۔

اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا ہدایت حسین الہ آبادی، مولانا حشمت خان بریلوی اور لکھنو کے شیعہ مجتہدین یہ سب کیسے تاج برطانیہ کے طرفدار اور خیر خواہ ہو گئے تھے۔ کیا یہ سب اتفاقی تھا؟ نہیں یہ کوئی اتفاقی اور اجتہادی بات نہ تھی یہ سلطنت برطانیہ کی اپنی سیاسی ضرورت تھی۔

انگریزوں کی ایک اپنی ضرورت

آزادی کی ان تحریکوں میں وہ بالاکوٹ کی تحریک ہو یا ۱۸۵۷ء کی تحریک، ریشمی رومال کی تحریک ہو یا تحریک ترک موالات ان تمام تحریکوں میں حکومت کو اپنے کارخانوں میں کچھ علماء کی بھی ضرورت ہوتی تھی وہ لوگ مجاہدین کی صف توڑ دیں۔ اس سے بھی حکومت کو بھی تقویت ملتی ہے۔ تحریک آزادی میں انگریزوں کو ایسے علماء کی ضرورت تھی جو ہندوستان کو دار الاسلام کہیں اور ہندو مسلم اتحاد کو یکسر گناہ قرار دیں۔ صرف مسلک میں برصغیر پاک و ہند میں سلطنت برطانیہ کو جو استحکام مل سکتا اور انگریز اس ضرورت سے بے خبر تھے۔

پی۔ ہارڈی کہتا ہے:۔

For every Alim who issued a fatwa that India was Dar-ul Harb there would be one who declared that it was Dar-ul-Islam. Deoband represented the first response. p.272

ترجمہ: ہر عالم پر فرض ہے کہ وہ کہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس کے مقابل ایسے مولوی
بھی پیدا ہو گئے جو کہتے ہیں ہندوستان انگریزی عملداری میں بھی دارالاسلام ہے دیوبند سے فتویٰ
کو شائع کرتا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔

دوسری طرف مولانا احمد رضا خان تھے جو فتویٰ دے رہے تھے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اور
مولانا احمد رضا خان کا یہ کہنا محض ایک رائے نہ تھی ایک تحریک تھی۔ بریلوی لوگ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ آپ
نے تحریک خلافت کے خلاف تنہا جہاد کیا۔ مگر گورکھپور کے اخبار مشرقی کی ۲ اکتوبر تا ۵ نومبر ۱۹۱۵ء کی اشاعت
میں آپ کا وہ فتویٰ چھپا۔ P. Hardy لکھتا ہے:

Ahmad Raza Khan of Bareilly issued Fatwa declaring India to be Dar-ul-Islam, making it a sin to associate with infidels.

p.326 (foot-note)

ترجمہ: بریلی کے مولانا احمد رضا خان نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے اور
ہندوؤں کے ساتھ مل کر کسی تحریک (آزادی) میں شرکت گناہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ گو تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ نہ تھے پر آپ ان گنے
چنے ترکوں کی امداد کو واجب سمجھتے تھے آپ نے فرمایا:

> ان کی نصرت واجب ہے اس لیے کہ گو وہ انگریز تو نہیں مگر اسلامی سلطنت بھی ہو کر
> مقابلہ کرتے ہیں اس لیے اس وقت ترکوں کی نصرت اسلام کی نصرت ہے[1]

مولانا احمد رضا خان کو حضرت تھانویؒ سے بھی کوئی تائید نہ مل سکی

پھر حضرت تھانویؒ تحریک خلافت میں شامل نہ ہوتے ہوئے ایک خانقاہ میں جو بیٹھے رہے تھے تحریک
خلافت کے خلاف کسی تحریک میں نہیں نکلے جہاں تک ہو سکا ترکوں کی امداد واجب بتلائی لیکن مولانا احمد رضا خان
جس طرح کھلم کھلا ایک تحریک کی صورت میں تحریک خلافت کے خلاف نکلے وہ کھلے بندوں انگریز ان کو
حمایت تھی ان کا رسالہ دوام العیش ترکوں کے مقابلہ میں خان صاحب کے لیے زندگی بھر کے لیے کلنک

---

[1] الافاضات جلد دوم ص

شیخ الہند آپ سے کم ایمان نہیں رکھتے اور جو صحیح بخاری کی حدیث یا درمختار اور عالمگیری کی فروع آپ نے درج کی ہیں ان سب کو بھی ہم آپ کی طرح مانتے ہیں مگر آپ نے عالمگیری کی بعض دوسری فروع پر غور نہیں کیا، لیکن گفتگو صرف اس میں ہے کہ اگر ایک فرض عین کے ادا کرنے سے روکیں یا ایک حرام کے ارتکاب کا حکم دیں تو کیا اس میں بھی اولاد والدین کی طاعت اور خوشنودی حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ جس قرآن نے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفاً۔ (پ ۲۱ لقمان ع ۲)

ترجمہ: اور اگر وہ دونوں تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ تو اس چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان دونوں کی اطاعت مت کر البتہ دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق معقول طریقے پر رہو۔

اس سے علماء نے یہ کلیہ معلوم کیا کہ خدا کی معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔ کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔ لا طاعة للمخلوق فی معصية الخالق۔ پس اگر سرکاری تعلیم گاہ کا چھوڑنا طلبہ کا عقیدہ بنا اس ترک موالات میں داخل ہے۔ جس کو خدا نے فرض قرار دیا ہے تو اس میں طلبہ اسی طرح اپنے والدین کی اجازت کے محتاج نہیں جس طرح نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں۔ اور جس جگہ جہاد میں اذن والدین کو شرط بتایا ہے وہ اس وقت ہے جب کہ جہاد فرض علی الکفایہ ہو۔ اگر فرض عین ہو جائے تو اس میں بھی اذن شرط نہیں۔ اسی بنا پر حضرت شیخ الہند نے ترک موالات کو اجازت والدین پر موقوف نہیں

سکا۔ مگر اس تبلیغ میں حقوق والدین کی رعایت فرمائی ہے۔ کیونکہ ترک موالات
کی طرح اس کی تبلیغ فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے۔
اولاً تو آپ صاحب کو پہلے اسی امر کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا کہ تعلیم گاہوں کا مسئلہ
ترک موالات کے تحت میں داخل ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر جواب اثبات میں
ہو تو پھر آپ کی یہ سب تاویل لاطائل ہو گی۔
ثانیاً آپ صاحب کو واضح ہو کہ آیت قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم
الآیۃ۔ حضرت مولانا نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کی۔ بلکہ جو
ضعیف القلب طلبہ والدین کی نافرمانی یا ان کے اشتعال کا تصور باندھ کر متوحش
ہوتے تھے۔ ان کی ہمتوں کو قوی کرنے کے لیے یہ آیت لکھی گئی ہے۔ تاکہ
وہ سمجھیں کہ ایک فرض عین کے انجام دینے میں ماں باپ یا کسی قریبی
رشتہ دار کی خفگی سے ملول نہیں ہونا چاہیے۔
آخر میں مجھے اس قدر اور عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے
مظالم مسلمانوں پر انگریزوں سے کم نہیں اور وہ آرہ۔ شاہ آباد۔ کرتارپور
وغیرہ کے دردناک واقعات کو یاد دلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ترک موالات
انگریزوں کی طرح ہندوؤں سے بھی ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی قاتلوھم
فی الدین میں داخل ہیں۔
اس خیال کی صحت کو ایک حد تک میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اس قدر گذارش
ہے کہ کرتارپور وغیرہ کے تلخ واقعات کے بعد ہندوؤں کے ممتاز لیڈروں اور
انہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کو ناممکن بنانے میں
پوری پوری کوشش کی جائے گی۔ اس لیے جب کھلی کھلی ہمدردیوں پر اظہار
تاسف کر کے انہوں نے ہماری طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور تحفظ خلافت
کے اہم معاملہ میں ان کی مصالحت سے ہمیں ایک بڑی تائید حاصل ہوئی۔

تو ہماری قوم کے بہت سے افراد اور غلام نے بھی ان کے ساتھ مصالحت اور رواداری کی روش اختیار کرلی اور جبر و استبداد سے پیش آنے میں حرج نہیں سمجھا کیونکہ قرآن شریف میں ہے:-

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله

ترجمہ. اگر وہ مصالحت کے لیے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔

اور یہ خیال کہ شاید وہ ہم کو اس مصالحت کے پیرایہ میں دھوکہ دیں گے۔ اگرچہ ممکن ہے درست ہو جائے۔ مگر جب تک ان کا کوئی فریب اور بد عہدی ثابت نہ ہو۔ یہ احتمال نکالنا اس قوم کی پوزیشن پر ایک حملہ ہے جب وہ آپ پر بھی نثار ہو سکتے ہیں۔ بہرحال ہم کو حق تعالیٰ کی اس قسم کی تسکین آمیز ہدایات پر اطمینان رکھنا چاہیے کہ:-

وان يريدوا ان يخدعوك فان حسبك الله۔

ترجمہ. اگر وہ تم کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو خدا تمہارے لیے کافی ہے۔

اگر کہا جائے کہ انگریزوں سے مصالحت اور موافقت کرنے میں پھر کیا چیز مانع ہے تو خوب سمجھ لیجیے کہ یہ قوم فی الحال مسلمانوں کی جماعتوں سے عراق وغیرہ میں برسرپیکار ہے اور مسلم اقوام کی آزادی کا خون کر رہی ہے اس کی تلوار اس وقت بھی بے دریغ چل رہی ہے۔ اس وقت تک اس نے مسلمان قوم سے قواعد اسلام کے موافق کوئی جائز صلح نہیں کی۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی موافقت اس سے کس طرح ممکن ہے۔

مسلمان بے شک اس سے مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے صحیح عہد کے موافق خلافت اسلامیہ اور ان مقامات مقدسہ سے ہاتھ اٹھالے جن کے زوال کی حسرتناک داستان آج مسلمانوں کے خون کو [illegible]

رہی ہے۔
میں امید کرتا ہوں کہ میری اس تقریر سے آپ اس فرق پر متنبہ ہو جائیں گے جو
قرآن و سنت اور فقہائے کرام نے ایک کافر محارب اور کافر مسالم کی حیثیات
میں ملحوظ رکھا ہے اور بعض مفسرین سلف کے اس قول کی طرف بھی توجہ کریں گے
جو پر انہوں نے

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم
ان تبروھم وتقسطوا الیھم (پ ۲۸، الممتحنۃ ع ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے (بھلائی اور حسن سلوک سے) نہیں روکتا
جو تم سے دین پر لڑے نہیں اور تمہیں انہوں نے تمہارے گھروں سے نہیں
نکالا کا مصداق ان کفار کو ٹھہرایا ہے جن سے مسلمانوں نے مصالحت کر لی ہو۔
اب میں یہ دعا کرتا ہوں اور آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔

کتبہٗ: شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

گذشتہ دنوں اخبار مشرق نے بریلویوں کے دلائل کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے کہ انگریزی
ت میں مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے — ڈاکٹر اقبال نے تو یہ کہہ کر جان چھڑا لی۔

ہند میں ہے مسلم کو جو سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ آزاد ہے اسلام

مگر ان کے مقدم محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مشرق سے بریلویوں کے دلائل
لے کے پھر ان کا پورا جواب دیا ہے۔ اخبار مشرق کو دیکھیے لکھتا ہے۔
جو حکومت مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے ان کے

جان، مال و آبرو کی محافظ ہے۔ قرآن دوسروں کی بے حرمتی کو قابلِ ناجائز جرم قرار دیتا ہے۔ بیت اللہ اور بیت الرسول کی زیارت سے منع روکتی۔ اس کے ساتھ ترکِ تعلقات کس طرح واجب ہو سکتا ہے ۔۔۔ باقی شرارت کرنا اس کی فوج لے یا اُن کے ساتھ ہی کر انگریزی فوج کے مسلمانوں[2] نے جو کچھ مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی کی ہے[3]۔ اس کی بابت غیروں کو الزام دینا فضول ہے یہ سب کچھ خود مسلمانوں کے ہاتھوں سے کئے ہوئے کام ہیں اور ہنگامہ کانپور میں جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار بھی وہ لیڈران قوم ہیں جنہوں نے گورنمنٹ کو غلط فتوے دیا

ہندوستان میں انگریزی حکومت کو سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کے دین و مذہب پر اس کا کیا اثر ہوا اس کو نیا جانِ عالم سے پوچھیے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان سے زیادہ کسی جگہ کے مسلمان دیندار ہی کی رو رہے نہیں اور اگر ان کا یقین نہ کرے تو خود جا کر ترک عرب، مصر اور افغانستان کے مسلمانوں کو دیکھ لو کہ آزادی کی خبر لیے ہوا تے

---

[1] ہندوستان میں حضور کی گستاخی کرنا اگر قانوناً جرم تھا تو راجپال نے یہ تے رنگیلا رسول لکھی اور پھر اگر غازی علم الدین شہید نے اس کا کام تمام کر دیا تو اسے کیوں پھانسی کی سزا دی گئی ۔۔۔ سو یہ غلط ہے کہ انگریزی عملداری میں حضور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی قانوناً جرم تھی۔

[2] انگریزی فوج کے مسلمانوں کو وہاں لے کر کون گیا تھا اور وہ کس حکومت کے حکم سے جلد بھیجے گئے تھے۔ انگریز حکومت لے ہی تو انہیں تو وقت عثمانیہ کی پامالی کے لیے بھیجا تھا۔ قصور بریلوی کو کی بے حرمتی کا بوجھ ان مسلمان ذریعوں پر تو ڈال رہے ہیں لیکن انگریز حکومت پر نہیں۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کی بد گورنمنٹ شخصیت کو انہوں نے اپنا اعلیٰحضرت جو مان رکھا تھا۔

[3] بیت اللہ کی بے حرمتی اس طرح ہوئی کہ بریلویوں کے مخدوم و محترم شریف کی تحریک پر انگریز و ملسا کی ہندوستانی افواج وہاں داخل ہوئیں اور انہوں نے کعبہ پر بھی گولیاں چلائیں جس سے غلاف کعبہ چھلنی چھلنی ہوا۔

ان کے دین کو کس طرح جانچ لیا۔ مشاہدہ کے بعد تم خود کہہ گئے کہ ہندوستان سے زیادہ دینداری کسی ملک میں نہیں۔

انگریزی حکومت کا جو اثر مسلمانوں کے دین و مذہب پر ہوا اس کو تو آپ نے دیکھ لیا کہ ہندوستان اس وقت دینداری میں اسلامی حکومت سے بھی سبقت لیے ہوئے ہے۔

میں صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ عراق، شام، فلسطین اور مصر کیا دسمبر ۱۹۱۸ء کے بعد پٹ جانے والوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کیا مسلمانوں کی جان و مال و عزت و آبرو نہیں ہے۔ کیا انما المؤمنون اخوۃ۔ المؤمنون ید علی من سواھم خدا اور خدا کے رسول کا کلام نہیں ہے۔ کیا امرتسر کے باڑہ میں رینگنے والوں میں سے کوئی مسلمان نہ تھا۔ کیا بیت المقدس شعائر اللہ میں سے نہیں۔ کیا کربلا، مدینہ میں اگر انگریزی فوج کے مسلمان گئے ہیں وہ بھی انگریزی حکومت کے حکم سے خود بخود چلے گئے۔ کیا ان مسلمانوں یا شریف مکہ کے جرم ٹھہرنے سے انگریزی عمال بے قصور ثابت ہو جاتے ہیں۔ کیا کانپور میں صحیح نتیجے معلوم ہو جانے اور چاروں طرف کے مسلمانوں کی آواز بلند ہونے کے بعد خونریزی اور گرفتاریاں نہیں ہوئیں۔

یہ صحیح ہے کہ دین کے بہت سے اجزاء میں ہندوستان کسی ممالک اسلامیہ سے فائق ہے اگر بعض اجزائے دین یعنی خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور تزلزل من الاسلام والمسلمین کے جذبہ سے تقریباً محروم ہو لیکن یاد رکھئے کہ یہ دینی انگریزی حکومت کی برکات میں شمار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چند ایسے نفوس قدسیہ کی صرف ہمت اور بلند قوت کا نتیجہ ہے جو اس سرزمین میں ہماری خوش قسمتی سے پیدا ہوئے اور جنہوں نے اپنی نہایت ہی خداداد قابلیت، روحانی قابلیت اور حیرت انگیز جرأت سے نصاریٰ اور مستشرقین کے اثر کا مقابلہ کیا۔ ان کی

مقدس بزرگوں میں سے حضرت الشیخ الاجل مولانا حاجی محمد امداد اللہ قدس سرہ
تھے جنہوں نے آخر کار انگریزی حکومت کے دائرہ سے نکل کر حرم شریف
کو اپنا مسکن بنایا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ تھے جو
ایک مدت تک انگریزی حکومت کے احکام گرفتاری کے چکر میں نانوتہ اور
دیوبند کا گشت لگاتے رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ روحہ
تھے جنہوں نے انگریزی حکومت کی برکات کو محسوس نہ کر کے چھ مہینے تک
حوالات کی کوٹھڑی میں رہنا پسند کیا اور اب سب سے آخر میں وحید العصر حضرت
مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں جن کی دردناک داستان آپ کی
آنکھوں کے سامنے ہے۔

نہایت قلق سے کہنا پڑتا ہے کہ ان سب بزرگوں کو جن کے دم سے ہندوستان
میں یہ دینداری پھیلی، انگریزی حکومت کی وہ برکات محسوس نہ ہو سکیں جن کا ہمارے
دوست اس شدومد کے ساتھ دعوے کر رہے ہیں۔ شاید ان کا یہ دعویٰ
بھی انگریزی حکومت کے برکات میں سے ایک برکت ہو۔ ۱؎

اس وقت یہ بحث نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے بیٹوں کے انگریزوں اور شریف مکہ
کی حمایت کے دلائل کس وزن کے تھے وہ تار عنکبوت سے بھی کمزور تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا
محمود الحسنؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے انگریزوں سے ترک موالات کے دلائل آپ
کے سامنے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انگریزی عملداری میں علماء دیوبند کی تو [illegible]
حکومت اور اس کے ایک ایک اثر کا ساتھ دینے والے مرزا غلام احمد یا مولانا احمد رضا خاں اور ان کی

جیسی اور روحانی اولاد کس اخلاص اور للہیت سے برسرپیکار تھے —— اور شریف مکہ کی حمایت
میں مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کی تحریرات کے عکسی فوٹو ہم پچھلے صفحات پر ہدیہ قارئین کر آئے
ہیں اور آپ انہیں پڑھ چکے ہیں۔ مرزا غلام احمد یہ تحریریں عرب ممالک کو بھیج رہے تھے۔

۱؎ تقریر ترک موالات

بل الدولة البرطانية محسنة الى المسلمين، والملكة المكرمة التي نحن رعاياها انها ترجح الاسلام في باطنها على ملل اخرى، بل سمعت ازيد من هذا ولكن لا نرى ان نذكرها. فالحاصل انها كريمة والقى الله في قلبها حب الاسلام.

دولت برطانیہ مسلمانوں کی محسنہ ہے اور ملکہ وکٹوریہ جس کی ہم رعایا ہیں اندر سے اسلام کو دوسرے سب مذاہب پر ترجیح دیتی ہے۔ میں نے تو اس سے بھی زیادہ سنا ہے جسے بتانا ہماری مصلحت نہیں۔ حاصل یہ کہ وہ بڑی کریمہ ہے اور اللہ نے اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی ہے۔

ونحن نعيش تحت ظلها بالامن والعافية والحرية التامة ونصلي ونصوم ونأمر بالمعروف وننهى عن المنكر ونرد على النصارى كيف نشاء ولا مانع ولا حارج ولا مزاحم، وهذا كله من حسن نيتها وصفاء قلبها وكمال عدلها، ووالله لو هاجرنا الى بلاد ملوك الاسلام لما رأينا امنا وراحة ازيد من هذا.

ہم اس کے زیر سایہ امن وعافیت اور پوری آزادی سے رہ رہے ہیں۔ نماز روزے ہمارے قائم ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہم کرتے رہتے ہیں۔ ہم جیسا چاہیں عیسائیوں کی تردید کرسکتے ہیں اور کوئی ہمیں روکنے ٹوکنے اور مزاحمت کرنے والا نہیں۔ یہ سب اس کی حسن نیت، صفائے قلب اور کمال عدل کی وجہ سے ہے۔ بخدا اگر ہم سلاطین کے ملکوں میں جائیں تو ان میں بھی امن اور آرام اس سے زیادہ نہ پائیں گے (حمامۃ البشریٰ مترجمہ فراہم ص ...)

غلام احمد یہ بھی لکھتا ہے کہ مجھے تین باتوں نے برطانیہ کا دلی وفادار اور خیر خواہ بنا دیا ہے (۱) والد مرحوم کے اثر نے کہ میرے والد بھی تاج برطانیہ کے طرفدار ہے (۲) انگریز گورنمنٹ کے احسانات نے (۳) خدا کے الہام نے (...)

مولانا محمد حسن خاں بھی انجمن حمایت اسلام کے وفد کے رکن اسی لیے بنے تھے کہ جیسے تاج برطانیہ کا زوال ایک دم کے لیے بھی گوارا نہ تھا ان کا فتویٰ تھا کہ سلطان ہند پر حکم جہاد نہیں ہے ـــ یہی نہیں بلکہ آپ نے ہر اس تحریک کی مخالفت کی جو کبھی انگریزوں کے خلاف تھی۔

بعض بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ یہاں پیشوا کا لفظ انسائیکلو پیڈیا والے نے لکھا ہے اعلیٰحضرت نے خود اپنے آپ کو کہیں پیشوا نہیں کہا۔ ہم کہتے ہیں کیا انہوں نے اپنے ملیوں کو اپنے دین و مذہب پر چلنے کی دعوت نہ دی؟ اور پیشوائی کسے کہتے ہیں؟

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا[1]

ان کے اپنے حلقوں میں اسے دین رضا سے بھی ذکر کیا جاتا تھا۔ اور ان کے اپنے لٹریچر میں اس پر شہادت موجود ہے[2]

اس نئے دین و مذہب سے ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعت کی جو نئی تقسیم عمل میں آئی مؤرخین اس کا سہرا مولانا احمد رضا خاں کے سر ہی باندھتے ہیں۔

یہ مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ محنت تھی جس سے سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ مستقل طور پر دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گئے اور شیعوں کے سر پر جو بارہ سو سال سے ہماری سنی اکثریت کی تلوار لٹک رہی تھی اور وہ کبھی اہل السنۃ کے خلاف کھلی جارحیت نہ کر سکتے تھے کھلے طور پر اہل السنۃ کے مقابلہ میں آ گئے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ جب بھی اہل السنۃ اور اہل تشیع میں کوئی معرکہ ہو مولانا احمد رضا خاں کے پیرو شیعوں سے جا ملیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے علمی اور سیاسی وارث جو کبھی ہندوستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت تھے اب اس چودہویں صدی میں خود اقلیت ہو کر رہ جائیں۔ علماء دیوبند کے سوا کون ہے جو آج مسلمانوں کو شیعیت کے بڑھتے اثرات سے بچائے

مولانا احمد رضا خاں کی اس دعوت کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے جس کے دو حصے ہیں۔ (۱) انگریز حکومت سے غیر مشروط وفاداری اور (۲) اہل السنۃ والجماعۃ کی دو حصوں میں مستقل تقسیم جو آئندہ کبھی ان کو ملنے نہ دے۔

یہ وہ مقاصد تھے جن کے لیے مولانا احمد رضا خاں نے مدرسہ بریلی قائم کیا۔ ورنہ فقہی پہلو سے تو آپ کو کسی مدرسہ کی ضرورت نہ تھی مسلمان جو کچھ کریں بس وہی فقہی پہلو سے تو آپ کو کسی مدرسہ کی ضرورت نہ تھی مسلمان جو کچھ کریں بس وہی آپ کا دین ہے اور آپ اس پر کسی نقل و روایت کی ضرورت نہ سمجھتے تھے — پھر مدرسہ کی کیا ضرورت تھی۔

---

[1] وصایا شریف ص — [2] حدائق ص — ص

مولانا احمد رضا خاں نے دیوبند کے ردعمل کے طور پر مدرسہ بریلی تو قائم کر لیا لیکن اس کی حیثیت دارالعلوم دیوبند کے مقابلہ میں کیا رہی۔ اس پر خالی الذہن ہو کر ایک غیر جانبدار شہادت سنیئے۔ ماسٹن Meston نے ۱۹۱۵ء میں ان مدارس کا تقابلی جائزہ لے کر Harding کو جو رپورٹ دی ہے وہ قابل غور ہے۔

ترجمہ۔ یوپی میں اولین توجہ میں تین مدرسے سامنے آتے ہیں
۱۔ مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ بریلی۔ ۲۔ مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ ۳۔ دارالعلوم دیوبند جسے
ماسٹن Meston نے ۱۹۱۵ء میں سب سے زیادہ متاثر کن بیان کیا ہے جو اس
کے خیال میں بہت حد تک ان عظیم یونیورسٹیوں کی یاد دلاتا تھا جو مسلمانوں کی
قرون وسطیٰ میں رہی ہیں

دیکھئے یہاں اس مورخ نے مدرسہ بریلی کو اسکول کے درجے میں رکھا ہے اور دارالعلوم دیوبند کو قرطبہ جیسی یونیورسٹیوں میں قرار دیا ہے۔ کیا اب بھی یہ بات یقین کرنے کے لائق نہیں کہ مدرسہ بریلی کی کوئی حیثیت دارالعلوم دیوبند سے کوئی نسبت نہ تھی۔ یہ مدرسہ بریلی صرف دارالعلوم دیوبند کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لیے محض ایک ردعمل کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔

Harding papers p.87

It is not clear where the Barely had its strongholds but the Mashriq of Gorakhpur and Al-Bashir took note of the pro-government fatwas of Ahmad Raza Khan and it seems that the school's permissive thinking on Islamic practice appealed especially to certain low groups in Muslim society.

The Muslims of British India, p.268.

مدرسہ دیوبند کے بارے میں ہارڈنگ کی رائے کہ یہ درسگاہ ان یونیورسٹیوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی عظمت کا نشان تھیں بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ بات کہ مدرسہ بریلی جیسا پرائمری اسکول کس بوتے پر دیوبند کے مقابل آگیا ہنوز ناقابل فہم تھی۔ ہم پی ہارڈی کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے یہ بات بھی کھول دی اور مولانا احمد رضا خاں کے پیچھے کونسا ہاتھ تھا اس کا پتہ چل گیا

ترجمہ: یہ پتہ نہیں چلتا کہ بریلوی مکتبِ فکر کی اصل طاقت کیا رہی تھی لیکن گورکھپور
سے شائع ہونے والے اخبار مشرق، اور بشیر سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان کے
فتوے بمدد گورنمنٹ ہوتے تھے (برٹش گورنمنٹ کے مفاد کی تکمیل کرتے تھے) اور ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ عوامی اسلام پر بریلوی مکتب فکر کا زعم گویا ہونا مسلمانوں کے نچلے
طبقے کے لوگوں کو خاص طور پر اپیل کرتا تھا۔

کسے معلوم نہیں کہ گیارھویں اور ختموں اور عرسوں کے دلدادہ پیرزادے خانقاہوں میں کتنے بیٹھے ہوتے
ہیں پھر یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ مریدین کی لمبی قطار جب ان صاحبزادوں کے آگے جھکتی ہے تو ممکن
ہونا ممکن تعداد میں قیمت ان پیروں اور مریدوں کے مال و دولت میں کیا رہ جاتی ہوگی، یہ وہ نیم گروہ ہے جس نے
جاہل لوگوں کو ہمیشہ سے بریلویت کا دلدادہ بنا رکھا ہے۔

غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا امتیاز عقیدہ توحید میں ہے۔ وہ خدا اور بندے
کے درمیان کسی واسطہ نجات کے قائل نہیں ہیں۔ عبادت میں بھی مسلمان براہ راست خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے
اور اس کے اور خدا کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں عیسائیوں کے پادری خدا اور بندے کے مابین واسطہ تھے
تھے۔ لوگوں کے گناہ معاف کرنا ان کے اختیار میں ہوتا تھا اور قرون وسطیٰ میں یہ لوگوں کو جنت کے سرٹیفکیٹ
بھی دیتے تھے۔ اسلام میں علماء کا درجہ شارحین دین کا ہے وسیلہ نجات بننے کا نہیں۔

دارالعلوم دیوبند

مولانا احمد رضا خان اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی اس کشمکش سے سالوں پہلے
دارالعلوم دیوبند قائم ہو چکا تھا اب یہ اس کی دوسری صف تھی جس نے ان حالات کا سامنا کیا دارالعلوم دیوبند
اصل میں مدرسہ رحیمیہ دہلی کی ہی نشاۃ جدیدہ تھی اور اہم یہ ہے کہ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے طریق پر یہی عقیدہ رکھتے
تھے کہ دین بس وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی جماعت مقدسہ صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔
یہ نہیں کہ اس پر کہیں دلیل منع وارد ہو ۔۔۔ اس مدرسے کا قیام قرآن و سنت اور فقہ و تزکیہ کے اصولوں پر
محض اشاعت علم اور تبلیغ دین کے لیے تھا یہ کسی اور مسلک کے رد عمل کے طور پر وجود میں نہ آیا تھا ۔۔۔
بخلاف مدرسہ بریلی کے جو محض دارالعلوم دیوبند کے رد عمل کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔

کی تعلیم پر زور دیتے تھے، لکھنؤ کے فقہ پر اور خیر آباد علم الکلام اور فلسفے کے لیے
مخصوص تھا۔ دیوبند ان تینوں کے امتزاج کی نمائندگی کرتا ہے۔ گو اس کا
اصل زور احادیث پر ہے، جنہیں شاہ ولی اللہؒ اور دہلی کے مکتب محدثین
کے نزدیک درجۂ استناد حاصل ہے۔ دیوبند میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف حصوں
سے بھی طلبہ آتے رہتے ہیں۔ اس میں تقریباً پندرہ سو طلبہ کے قیام کا بندوبست
ہے۔ "دارالعلوم" کی عمارت ایک مسجد، ایک کتاب خانے، اور حدیث، تفسیر
اور فقہ وغیرہ کے متعدد درس کے کمروں پر مشتمل ہے۔ دیوبند کے کتاب خانے کا
شمار ہندوستان میں مخطوطات کے بڑے بڑے کتاب خانوں میں ہوتا ہے۔
اس میں تقریباً ستر ہزار عربی، فارسی اور اردو کتابیں موجود ہیں جو مطبوعہ بھی ہیں
اور قلمی بھی۔ تعلیم کا طریقہ روایتی ہے۔ اس کا زور زیادہ تر اس بات پر ہے کہ
دیندار شخصیتیں پیدا کی جائیں، اس پر نہیں کہ جدید علوم سے بہرہ ور ہو کر
عہدِ حاضر کے تقاضے پورے کر سکیں۔ لہٰذا اس ادارے نے زیادہ تر دینی
رہنما پیدا کیے ہیں، گو سیاسی میدان میں بھی اس کی خدمات کو نظر انداز نہیں
کیا جا سکتا۔

دیوبندی علمائے کرام کا مسلک شاہ ولی اللّٰہی مسلک ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ یہ حضرات
فقہی مذاہب میں سے امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور تقلید کو بھی بالعموم ضروری
سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے علاوہ ان کا تصوف
سے بھی گہرا تعلق ہے۔ ردِ بدعت میں یہ بھی پیش پیش ہیں البتہ غلو سے پرہیز
کرتے ہیں۔ اکثر علمائے دیوبند روحانی مسلک کے لحاظ سے حاجی امداد اللہؒ کے
حلقۂ ارادت میں شامل ہیں جو تصوف کے چاروں سلسلوں یعنی نقشبندی، چشتی،
قادری اور سہروردی سے منسلک تھے۔ تاہم تصوف کو دنیاداری سے قطعاً
دور رکھنا ضروری ہے۔ عقائد و علم الکلام میں امام ابو الحسن اشعری کے مقلد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت پر ایمان رکھتے ہیں، کثرتِ درود کو عین ثواب اور صدقِ نیت اور صحیح روایت کے مطابق ولادتِ نبوی کے تذکرے کو بھی پسند کرتے ہیں۔ اکابر علمائے دیوبند دین میں غلو اور انتہا پسندی کے بجائے راہِ اعتدال کے قائل اور عامۃ المسلمین کی تکفیر سے اجتناب و احتیاط لازم سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ غالی بریلوی مسلک اور غالی اہلحدیث مسلک کے بین بین رہتے ہیں

علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ "ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں، نہ تمام شیعوں کو، نہ ہمارے بزرگوں کو......"

مولانا قاسم نانوتوی ؒ نے ایک مقام پر کہا۔ "فی زماننا کفار کا غلبہ ہے، وقت نہیں ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کو ہوا دی جائے جس سے ان کا کلمہ متفرق ہو کہ مزید ضعف پیدا ہو، بلکہ توڑنے کی بجائے جوڑنے کی فکر کی جائے۔"

علمائے دیوبند کے اس مسلک نے انہیں سب کی نظر میں محترم بنا دیا۔ چنانچہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ نے ایک جگہ فرمایا۔ "مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کا زمانہ میں نے نہیں پایا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ اور مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی ؒ کی زیارت ایک دفعہ کی ہے، مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا اشرف علی صاحب ؒ تھانوی کی ایک دفعہ زیارت کی ہے اور ایک دفعہ وعظ بھی سنا ہے۔ اس سے زیادہ ان حضرات کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ مگر میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب حضرات علمائے ربانیین اور اولیائے امتِ محمدیہ میں سے تھے، اگرچہ بعض مسائل میں ان سے اختلافات بھی ہے، مگر میرا اعتقاد یہی ہے اور اس اعتقاد کے قائم کرنے کا سبب ان کی تصنیفات کا مطالعہ اور قبولِ عام ہے۔"

دیوبندی علمائے کرام ؒ نے تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے نزدیک دارالعلوم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستان

کے انقلاب کی ناکامی کے سبب ملت اسلامیہ کو جہاد آزادی اور ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لیے تیار کیا جائے۔ آزادی ہند کے لیے ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی ہی نے منظم کی تھی۔ تحریک خلافت میں بھی ان علماء نے بڑا حصہ لیا۔ قیام پاکستان سے کچھ قبل اس جماعت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک انگریز کی مخالفت کے جوش میں اتنا بڑھ گیا کہ مسلم لیگ کی تائید سے قاصر رہا۔ اس کے برعکس مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) اور مفتی محمد شفیع وغیرہ نے مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ زیادہ تر انہیں کی وجہ سے برصغیر کی تقسیم سے قبل صوبہ سرحد میں ہونے والے استصواب رائے عامہ میں مسلم لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی۔ علمائے دیوبند اپنے آپ کو حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد شہید کے پیروکار اور ان کے افکار و نظریات کے حامی سمجھتے ہیں۔[1]

یہ ایک غیر جانبدارانہ تبصرہ ہے جو ملک کے سب سے بڑے مؤقر مجلہ کا ہے۔ دوسرے ممالک اور غیر اقوام برصغیر پاک و ہند کے علم و ادب کو اسی آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

The most vital school of Ulama in India in the second half of the nineteenth century was that centred upon Deoband, the Dar-ul-Uloom founded in 1867.

The Muslims of British India, P-170.

ترجمہ۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے نصف ثانی میں علماء کا سب سے زیادہ مؤثر ادارہ وہ ہے جس کا مرکز دیوبند میں ہے۔ یہ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۷ء میں قائم ہو چکا تھا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۹ صفحہ ۲۱۷

کی دلائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں۔ آپ کے بعد نبیا نبی آسکتا ہے دسعادۂ فطری
میں ایم کیا تھا۔ قادیانی جگہ جگہ مولانا احمد رضا خاں کو پیش کرنے لگے کہ دیکھو ہم یہی نہیں کہتے
کہ حضورؐ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے دارالعلوم دیوبند کا فتوےٰ بھی یہی ہے ـــــ کئی نادان اس غلط لپیٹ
میں آکر قادیانی ہو گئے۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی کہ اگر ختم نبوت کی اسلام میں کوئی بنیادی حیثیت
ہوتی تو اتنا بڑا علمی مرکز کیوں یہ فتویٰ دیتا کہ حضورؐ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے

یہ بنائے فاسد علی الفاسد تھی۔ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی لاہوری اسی چکر میں قادیانی ہوئے
اور جب انہیں پتہ چلا کہ علماء دیوبند تو ختم نبوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس عقیدے کو ضروریات دین میں
سے جانتے ہیں تو پھر انہوں نے مرزا غلام احمد کو نبی کی بجائے مجدد کہنا شروع کر دیا ـــــ تاہم یہ بات
لائق غور ضرور ہے کہ جو لوگ اس غلط فہمی سے قادیانی ہوئے ان کا کفر وارتداد کس کے نامۂ اعمال میں
جائے گا؟ اس کا ثواب مولانا احمد رضا خان کے کھاتے میں جاتا ہے۔ نہ وہ بڑے بڑے مرکز علمی کی طرف
اس غلط عقیدے کو منسوب کرتے نہ نادان اور کمزور ذہن لوگ ارتداد کی گود میں جھولا جھلاتے اور
ملت کا شیرازہ کفر و اسلام میں بٹتا۔

اس کے برعکس علماء دیوبند نے ختم نبوت کی خدمت اس اخلاص و محنت سے کی کہ وہ اس پر
مسلمانوں کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے اپنے مخالف فرقوں میں سے بھی ایک ایک کے گھر پر گئے۔
مشترکہ طلب فارم تیار کیا اور قوم کو یہی تأثر دیا کہ ختم نبوت کا عقیدہ ایسا اجماعی اور یقینی ہے کہ مسلمانوں
کے تمام فرقے گروہ آپس میں کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں اس عقیدے پر سب اکٹھے اور متفق ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس عظیم کام کے لیے مولانا ابوالحسنات
محمد احمد خطیب جامع مسجد وزیر خان کے پاس گئے۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی
کو مجلس احرار میں اپنے ساتھ رکھا اور دنیا کو یہی تأثر دیا کہ ختم نبوت کے مسئلہ پر ساری قوم متحد اور
مجتمع ہے

مرکز اسلام سعودی عرب نے بھی اس موقف کی پوری تائید کی اور رابطہ عالم اسلامی نے
مسلمان ملکوں اور ریاستوں کو تاکید سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ یہ مسئلہ ختم نبوت علماء دیوبند

کی عظیم خدمات کا ایک نہایت روشن باب ہے۔

اس کے برعکس مولانا احمد رضا خاں نے اپنے مخالف قرار دینے میں علماء دیوبند کو اس لئے کم حاصل بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نیا نبی آ سکتا ہے ـــــ کیا یہ خانصاحب کی مرزا غلام احمد کے مشن کی ایک خاموش خدمت نہ تھی؟ ـــــ یہی نہیں بلکہ مسئلہ حیاتِ مسیح جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مدت سے ایک اختلافی مسئلہ چلا آ رہا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے برملا کہا کہ اس کا منکر کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں ہے۔ (استغفراللہ)۔ خانصاحب لکھتے ہیں۔

> حیات و وفاتِ سیدنا عیسیٰ رسول اللہ علیٰ نبینا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ جو خود ایک فرعی مسئلہ خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار تو درکنار ضلال بھی نہیں ہے[1]

کیا ہم خانصاحب سے سوال کر سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے یا ان کے اتباع محققین میں سے کس نے حیاتِ مسیح کا انکار کیا ہے۔ صحتِ نقل کے ساتھ کسی کا نام لیں۔

مولانا احمد رضا خاں قادیانیوں کی کھلی تائید نہ کر سکتے تھے لیکن چونکہ انہیں اور قادیانیوں (دونوں گروہوں) کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس لیے اس مشترک رشتے میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ پیدا کرنا اور انکارِ ختمِ نبوت کے دائرہ کو وسیع تر کر کے پیش کرنا ان کی سیاسی ذمہ داری تھی۔
واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

آستانۂ سیال شریف نے جس طرح کھل کر علماء دیوبند کا ساتھ دیا وہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی انگریزوں کی حمایت پنجاب میں بالکل بے اندازہ ہو گئی تھی۔ پنجاب میں یہ کام قادیانیوں کے سپرد تھا ـــــ بہار میں بریلویوں کا اعلان تھا کہ انگریزی عملداری میں ہمیں مکمل آزادی حاصل ہے

---

[1] الجراز الدیانی ص ۲۲ مؤلفہ مولانا احمد رضا خاں مطبوعہ کانپور

تتمہ ہم صفحہ ۲۵۸ پر حدیث ما راٰہ المسلمون حسناً کی شرح کر آئے ہیں بریلویوں کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعات میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہونگی۔ حالانکہ حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اچھی بن کر دین بن جائے ــــ علماء اسلام نے اس کا مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں ...... الخ تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ ــــ (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا ہے ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں، بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے[1] اور اس کو احمد اور بزار، طبرانی، طیالسی، ابونعیم نے اس طرح روایت کیا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو ان میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی۔ اور جس چیز کو یہ مومنین برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

---

[1] علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۳ پر اور علامہ صلاح الدین علائی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتایا ہے

(۱) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہو تو) اس صورت میں یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے۔ سو امت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

(۲) اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ حسن و قبح میں کوئی تمیز نہ رہے۔

(۳) یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اختیار صحابہؓ میں ہے پس المسلمون سے مراد خاص صحابہؓ ہیں۔

(۴) یا بعض افراد جنس کے استغراق کے لیے ہے پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

(۵) اور ممکن ہے کہ لام استغراق حقیقی کے لیے ہو۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں اُن کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرون ثلاثہ کا اعتبار ہوگا جن کی نسبت خیر کی شہادت ہے۔ مجالس الابرار مترجم ص۱۷۱

کشف الظنون اور اتحاف النبلاء المتقین میں اس کتاب کو ایک عمدہ علمی ورثہ کہا ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے بھی اس کی بہت تعریف فرمائی ہے۔

تم المجلد الثالث ویتلوہ الرابع ان شاء اللہ العزیز